

اسلام اور رواداری (۱)

مولانا رئیس احمد جعفری ندوی



اسلام اور رواداری

مولانا رئیس احمد حفیظ ندوی

REGISTERED

☆
یکے از مطبوعات

ادارۃ لغافت اسلامیه کلبروڈ لاہور
(انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر)

133932
بجلا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اسلام اور رواداری	عنوان:
جلد اول	
مولانا رئیس احمد جعفری ندوی	مصنف:
2017ء	اشاعت نو:
قاضی جاوید	ناشر:
ناظم، ادارہ ثقافت اسلامیہ	
حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور	مطبع:
500	تعداد:
600 روپے	قیمت:

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور حکومت پنجاب کے محکمہ
اطلاعات و ثقافت کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین "اسلام اور رواداری"

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون	
۳۳	۶۔ اپنا اور دوسروں کا تحفظ	۱۷	تقدیم	
۳۷	۷۔ غالب اور مغلوب		مقدمہ	
۳۵	۸۔ تاوان جنگ	۲۱		نشانِ راہ
"	۹۔ انسانیت کا احترام			
۳۶	۱۰۔ دوران جنگ کے وعدے		۱۔ جنگ اور جہاد	
۳۷	۱۱۔ اعلان جنگ کی بنیاد	۲۲		
۳۸	۱۲۔ دشمن کا حق	۲۳	دولوں کا اصولی اور بنیادی فرق	
"	۱۳۔ ظالم یا مظلوم	۲۴	حلیف اور حریف	
۳۹	۱۴۔ مفاد کا مسئلہ	۲۶	ریچھپ موارزہ	
۴۰	اور اسلام؟	۲۸	غور طلب سوالات	
۴۱	اسلام کا نظام			
"	مقاصد کی تعیین	۲۹	۱۔ جنگی قیدی	
۴۲	جہاد	۳۰	۲۔ غیر جانبداری	
۴۳	جہاد اور جنگ	۳۱	۳۔ شہری آبادی	
۴۴	اسلام پر الزام	۳۲	۴۔ اعلان جنگ	
"	تاریخ کی گواہی	۳۶	۵۔ حائدہ و دستہ	

خان کبک کھٹنی

Page/

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۴۷	اہل کتاب سے خطاب	۴۵	مباحث کی نوعیت
"	مزید وضاحت	۴۶	خلاصہ کلام
۴۸	تذکیر اور عذاب اکبر		قرآن کی روایارائے
۷۰	یا وہ گوئی اور درشت کلامی	۴۹	تعلیم
۷۱	بد کلامی کا جواب		کتاب اللہ کی تصریحات
۷۲	مشکین کے ایسادات	۵۰	قرآن کا روایارائے مسلک
	مشک من کی جگہ پہنچا	"	روایارائے کا ميثاق
۷۳	ویا جائے	۵۱	روایاری کی اساس
	اطہار و اعتقاد	۵۳	اجہام و تہنیم
۷۸	زمانے کی اجازت	۵۵	حکمت اور موخفت
۷۸	بصائر و نظائر	۵۶	صف تبلیغ نہ کہ جبر وجود
۷۹	ایک سوال اور اس کا جواب	۵۸	اعمال میں ان کا کیا رنگ تھا
۸۰	اسلام کے عمیرات اور	۵۹	دعوت اسلام کے جوائے
۸۳	خصوصیات	۶۳	میں کفار و مشرکین کا
	غیر مسلموں کو اعتقاد اور غسل کی		اعراض و انکار
"	تلاوی	۶۴	دعوت اسلام کا جواب
	جواب دینے والے دوسروں	۶۵	عتاب و حساب
۸۴	ان کے لئے	۶۶	اطاعت و بلاغ

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۱۰۴	صدقات میں مشرک کا حصہ	۸۵	اسلام کی خصوصیات
۱۰۶	کافر کا خون بہا	۸۶	دوستی کا گر
۱۱۰	ایک یہودی کے باعث	۸۷	خدا تعالیٰ کی ذمہ داری
	آنحضرت کو استغفار کا حکم	۸۹	گمراہوں کا مشرک
۱۱۲	فیصلہ طائبر میر ہو گا کہ	۹۱	مسلمانوں کا طہرائے امتیاز
	باطن پر	۹۶	نبیاد ہی پختہ حریت، حقوق
۱۱۴	ذبیحہ کا مسئلہ	۹۷	ایک آیت کی شان نزول اور
۱۱۶	رسول کی مثال	۹۹	تفسیر
۱۱۸	اہل کتاب اور مشرک		یہن کی گواہی
۱۲۱	مشرک اور اہل کتاب میں	۹۹	مشرکوں اور ذہنیوں کا
	امتیاز		احترام حقوق اور مراعات
۱۲۳	مسئلہ ارتداد	۱۰۰	آیت قرآنی اور وحی الہی
۱۲۴	تشریح اسلامی کا ایک		کے مطابق
	۱۲۶	ہجرت یا نشان مسئلہ	وحی کے بدلے میں مسلمان
۱۲۷	سچی ارتداد	۱۰۲	سچاقتل
			مسجد میں مشرک کا داخلہ
			جائز ہے

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۱۲۳	قابل خورد بات	۱۲۵	ایک دوسری آیت
	آیات قرآنی کی روشنی میں۔	۱۲۶	پر ایت سے انکار
	کفار و مشرکین سے جہاد و	۱۲۸	معافی کی صورت
۱۲۵	قتال	۱۲۹	ایک اور آیت
	بدھ اور چین مت	۱۲۹	مسلمانوں کی دل دہی
۱۲۶	عبرت انگیز	۱۳۰	مرتد یا مفسد
"	صف امارت قدیمہ	"	واقعہ رعدہ
۱۲۸	اسلام کی تسلیم	۱۳۱	اصل باغی
"	مسلمانوں کا آغاز اور انجام	۱۳۲	مرتد کی توبہ
۱۲۹	اور منطولوجی و مجسوری	۱۳۳	بنیادی بات
۱۵۰	قرآن اور جہاد	۱۳۵	غیر مذہب کی خورد نہیں
۱۵۱	چند قابل خورد امور		کیا اسلام ان سے نکاح
۱۵۲	مفسرین کا نقطہ نظر	۱۳۵	کی اجازت دیتا ہے؟
۱۵۳	چند اور آیات		کتابیات سے نکاح
۱۵۵	سورہ بقرہ کی چند آیتیں	۱۳۶	کتابیہ نوٹدی سے نکاح
۱۵۷	ترغیب جہاد	۱۳۸	مسلمان عورت غیر مسلم مرد سے
۱۵۸	صلح کی تاکید	۱۳۹	نکاح نہیں کر سکتی۔
۱۶۰	چند اہم نکتے		
۱۶۲	نکتہ عہد		

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۱۹۱	نقشِ عہد کا شاخسانہ	۱۴۳	ایک اہم نکتہ
۱۹۲	سورہ بقرہ کی ایک آیت	۱۴۵	ایک اور حکم
"	ظلم کا انستداد	۱۴۶	بخاریہ کے بعد
۱۹۳	دشمن کا اقرار	"	مشکوں سے حکم جہاد
"	خلاصہ کلام	۱۴۸	قرآن کی صلح پسندی
۱۹۵	حدیثِ رسول		اشتراک
"	غیر مسلموں سے برتاؤ کے	۱۷۱	دشمنوں سے لڑنے کا حکم
"	بارے میں ارشادات نبوی	۱۷۹	معاهدات کا احترام
۱۹۷	کچھ حدیث کے بارے میں	"	احکام و تعلیمات قرآنی کی
۱۹۹	حدیث کی اصطلاح		روشنی میں
۲۰۰	حدیث تاریخِ نبوی یا خبر	۱۸۰	مشکوں کا ذکر
"	جانچ پڑتال	۱۸۳	مؤمن اور کافر کی دیت
۲۰۱	حدیث کی پرکھ	۱۸۶	اسیرانِ جنگ
۲۰۲	روایت اور درایت	۱۸۷	غلام کا مقام
۲۰۳	اسماء الرجال	۱۸۸	نظامِ اسلام
"	کتاب و سنت	"	قصاس
۲۰۵	جہاد کی حیثیت	۱۸۹	جہاد اور قتل
"	ارشادات نبوی کی روشنی میں	۱۹۰	بہت بُری رعایت

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۲۲۹	وہ عہد کیا تھا؟	۲۰۶	جہاد کی فضیلت
۲۳۰	الوجہ بدل کا واقعہ	۲۰۷	نفاق کی موت
۲۳۱	چند اور مثالیں	۲۰۸	تطہیر نیت
		۲۱۱	جہاد پر پابندی
	رسول اکرم صلعم کی یہودیوں اور	۲۱۲	امان شکنی
	عیسائیوں کے ساتھ رواداری	۲۱۵	ایک اور حدیث
۲۳۲	بنو قریظہ	۲۱۶	خون کی قیمت
۲۳۳	عہد نامہ نہجران	۲۱۷	عملی مثال
	۵۴ کا ایک معاہدہ	۲۱۸	رسول کی فریاد
۲۳۵	دشمن کی گواہی	۲۱۹	اقلیت کے تحفظات
۲۳۶	فقہ اسلامی	۲۲۰	مجموعی عورت سے نکاح
۲۳۷	معروضات	۲۲۱	جاننے
۲۳۸	جہاد کی شرط اباحت	۲۲۲	عہد نبوی کے چند واقعات
۲۳۹	غیر مسلم والدین کی مسلمان اولاد	۲۲۳	غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک
۲۴۰	بلا اجازت	۲۲۴	رعایت اور موت کا برتاؤ
۲۴۱	صلح کیسے لڑتی ہے؟	۲۲۵	خالد بن ولید کا جرم
۲۴۲	عارضی صلح	۲۲۶	گناہ اور گناہ گناہ
۲۴۳	پس عہد کی انتہا	۲۲۷	اسلام کیسے پھیلا
۲۴۴	نتہائی اعتماد	۲۲۸	عجیب اسلام

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۲۴۷	جنگی ضرورت اور غیر مسلم	۲۵۶	غلام کا مقام
۲۴۸	دارالاسلام اور حربی	"	غیر مسلم اور غلام
۲۴۸	شراب کا مٹوان	۲۵۷	باندی اور غفلتِ صغیر
۲۴۹	ذمّی کی غیبت نہیں کی جاسکتی	۲۵۸	بے نظیر اور بے مثال
۲۴۹	حربی کا مال اور ودیعت	۲۶۰	تقبیضہ عجزیں
۲۵۰	ذمّی کے وراثت اور وراثت	"	بات سے بات
۲۵۱	ابن تیمیہ اور کافر حربی	"	امان کی صورتیں
۲۵۲	کمزور کی بات مانی جائے گی یا	۲۶۱	انفاظ اور اشاکے
۲۵۲	شہ زور کی	۲۶۲	لفظ اور اشارہ
۲۵۲	گر جاہل نماز پڑھی جاسکتی ہے	۲۶۳	جھوٹے مسلمان کی امان
۲۵۵	اہل کتاب کو جھٹلانے کی ممانعت	"	سید سالار اسلام
۲۵۶	کسی کافر پر لعنت نہ بھیجیے	۲۶۴	امام محمد کا فتویٰ
۲۵۷	جہنمیہ	۲۶۵	ایک اور مکانی صورت
۲۵۷	تعلیف مقدار و نوعیت	۲۶۵	قریب کار کافروں سے
"	کیفیت	۲۶۵	حسن سلوک
		"	اشتعال انگیز قریب کاری
		"	مگر حسن سلوک
		۲۶۶	چند اصطلاحات
		۲۶۷	امام محمد کا ایک اور فتویٰ

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۲۸۷	خاستق اور امدد سے مسلمان	۲۷۸	جزیہ کی تعریف
	کی امان	"	جزیہ کس سے لیا جاتا ہے؟
۲۸۷	آننے والی نسلوں پر	"	جزیہ کی مقدار
	ذمہ داری	۲۷۹	قدر معلوم
"	مسلمان اور دار الحرب	"	شناخت کیوں کر ہو؟
"	قاضی کی بے بسی	۲۸۰	ایک اور بیچارہ
۲۸۸	نوحی عورت اور حربی مرد	"	بیماری کی معافی
"	مالدار اپنا بیچ	۲۸۱	جزیہ سے استثناء
"	ایک اور رعایت	"	چند اہم استثنیات
۲۸۹	نوحی اگر مرجائے	"	غلبہ کے بعد جزیہ
"	جزیہ کا اصل اصول	۲۸۲	جزیہ کی تاریخ
"	ذمی اگر رسول کو گالی دے	"	
۲۹۰	ذمی کا ذمیہ بیت المال سے	۲۸۵	<u>چند اور مسائل</u>
۲۹۱	<u>اعتراض اور جواب</u>	"	جہاد - جزیہ متضمن
	افسانہ اور حقیقت کا	"	حرب، ذمی -
۲۹۱	تصنادم	۲۸۶	دعوت اور جہاد
۲۹۲	مسئلہ ارتداد	"	پس عہد
۲۹۳	ناقابل تردید دلیل	۲۸۶	مقتول دشمن سے
			سلوک

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۳۱۱	<u>مسروکہ کائنات کی واداری</u>	۲۹۳	قرآنی آیت احد اس کا مطلب
۳۱۱	غیر مسلموں سے دشمنوں اور پیمان شکنوں سے - ناقصوں سے -	۲۹۴	دوسرے آئمہ کی رائے
۳۱۱	شکت خوردہ حریفوں اور جنگی قیدیوں سے	۲۹۶	ذبح کی توجیہ کیل
۳۱۳	تقدیم	۲۹۷	ذبح کی دل شکنی
۳۱۵	دشمنوں کا اعتراف	۲۹۹	<u>اعترافات</u>
۳۱۷	رسالت آنب کا برتاؤ غیر مسلموں سے	۳۰۰	مسلمانوں کے حسن سلوک کا اعتراف غیر مسلموں کی ربان سے
۳۱۸	صبر خاموش	۳۰۱	موتیخ کا اعتراف
۳۲۰	جبر و رضا	۳۰۲	ایک اور اعتراف
۳۲۱	نہ بہم ہی نہ نفرت	۳۰۳	ایک اعتراف کا جواب
۳۲۲	خاموشی کے ساتھ	۳۰۴	تیکس اور عمل
۳۲۳	صاف بیانی کی قدر	۳۰۵	عیسائی اور مسلمان
۳۲۴	خدا پر بھروسہ	۳۰۶	ایک اور شہادت
۳۲۵	ایک دوسری روایت خدا تعالیٰ کے لئے	۳۰۷	رواداری کے باعث خلقات بنوفاطمہ پر کفر کا فتوے
۳۲۶	اللہ تعالیٰ!		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۲۹	متردین سے رواداری	۳۲۷	کل کی اُمید
۳۳۰	وقتِ آخرِ غلاموں کا خیال	"	بددعا سے انکار
۳۳۱	حضرت علیؑ کو ہدایت	۳۲۸	یہود کو سلاستی کا تکفہ
"	غلاموں کے لئے وصیت	۳۲۹	یہود مدینہ سے معاہدہ
"	عبدالرحمان بن عوف کو ہدایت	۳۳۰	یہودانہ اُمت
"	ہدایت	"	اسلام کی تلوار
۳۳۲	کافر کی بہمی	"	زہر دینے والی عورت کی
"	مشک کی جرات	۳۳۱	جان بخشی
"	حلف الفضول	۳۳۲	امن نامہ
"	ابوطالب کے لئے	۳۳۳	ابوسفیان سے حسن سلوک
۳۳۳	دعا کے معفرت	۳۳۵	اسلام کیوں کر پھیلا
"	ابوطالب کے لئے معفرت	۳۳۶	تقیف کے لئے دعا
۳۳۴	کی اُمید	"	یہود کی شہادت
"	پیا سے دشمن کے ساتھ	۳۳۸	یہودیوں سے لین دین
"	رعایت	"	اسلام قبول کرنے کی کہانی

مضمون	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ
انحضرت کا سلوک دشمنوں	۳۴۵	مجھے غنیمت نہ دو	۳۵۳
اور پیمان شکنوں	۳۴۵	مسلمان باپ کی کافر اولاد	۳۵۴
سے		رسول کے لفظ پر نزاع	۳۵۴
دشمن کے لئے اناج کا	۳۴۶	لذہ خیر منظر	۳۵۶
تحفہ	۳۴۶	بے مثال	۳۵۸
نہ جبر نہ جود	۳۴۷	درگزر سے کام لو	۳۵۹
مال غنیمت قبول کرنے	۳۴۸	عین جنگ کے وقت	۳۶۰
سے انکار	۳۴۸	بھرا یا انعام	۳۶۱
اسی سلسلہ کی ایک توضیحی	۳۴۹	زہر دینے والی عورت	۳۶۱
روایت۔	۳۴۹	جب تک ثبوت نہ	۳۶۲
دشمن سے رعایت	۳۵۰	مل جائے....!	۳۶۲
کافر باپ کا لحاظ	۳۵۱	کافر کا مال	۳۶۳
زندگی کی نعمت	۳۵۱	پروانہ ہیں	۳۶۳
میری قوم۔!	۳۵۱	پاس عہد	۳۶۳
کافر کا خلیق بہا	۳۵۲	خالق سے باز پرس	۳۶۴

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۳۴۳	یہودی کی آنحضرت سے بدتمیزی	۳۴۴	خطا کاروں سے درگفتہ
۳۴۴	خبردار! —	۳۴۵	صلح حدیبیہ
"	حلیف مشرکوں کے لئے	۳۴۶	فرید ہیات
۳۴۵	دانت لوہے کی حماحت	"	صرف خدا کے لئے
۳۴۶	بدہ کے جنگی تبدی	۳۴۸	کفار کا سفیر
۳۴۷	کافر کی رعایت	"	ایمان و عہد
۳۴۸	بنو نضیر کس طرح جلا وطن ہوئے	۳۴۹	انور تہذیب
۳۴۹	یہودی کی عودت	"	شہنشاہ مسجد نبوی میں
"	شرارت کا جواب	۳۵۰	عیسائیوں کی نسیان مسجد میں
۳۵۰	نفرت اندازہ کو معافی	"	نبی کی بیٹی
۳۵۱	سرور کائنات کا رویہ	۳۵۱	شجران کے عیسائیوں سے
"	منافقوں سے	۳۵۲	دامی مجاہدہ
۳۵۲	منافقوں کا دار	۳۵۳	جان بخششی
۳۵۳	تضییع زمین بر سر زمین	"	یہودی قرض خواہ
۳۵۴		"	کافر بہمان

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
	جنگی قیدیوں کے محکمہ میں اور	۳۸۴	منافق کی سازش
۳۹۹	شکست خوردہ سترلیوں پر	۳۸۵	منافق ساتھی
۴۰۱	یہودیوں سے حسن سلوک	۳۸۶	منافق باپ کا مومن بیٹا
۴۰۲	بنو قینقاع کے یہودی	۳۸۷	منافقوں کا عذر لنگ
"	مجبور دشمن	۳۸۹	منافق کو شبہ کا فائدہ
۴۰۳	توفل کی لاش	۳۹۰	مسجد ضرار
"	جنگی قیدیوں سے حسن سلوک	۳۹۱	منافقوں کی فتنہ انگیزی
۴۰۴	دشمن خطیب قبضہ میں	۳۹۱	منافق کی سپر
۴۰۵	برتاؤ میں مساوات	۳۹۲	منافق کا اقرا سے انکار
"	فدیہ کی شرح	۳۹۳	رحمت تمام
۴۰۶	رسول کی بددعا	۳۹۵	منافق کی جان بخشی
۴۰۷	بخیر خدیہ کے رہائی	۳۹۶	ایک منافق کی کہانی
۴۰۸	حملہ آوروں کی رہائی	"	منافق کی سفارش پر بدعہد
"	ابوسفیان کی چشم ندامت	"	یہودیوں کی رہائی
۴۰۹	فاتح فوج کو ہدایت	۳۹۹	رحمۃ للعالمین کا غفور احسان

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۲۲۳	حاکم طائی کا بیٹا احمد	۲۱۰	سلوک اور صلاح کا دل
	بیٹی	۲۱۱	تعم آزاد ہو!
	بابرکت جویریہ	۲۱۲	ہندہ کی جان بخشی
۲۲۲	ابوسفیان کی عورت افزائی	۲۱۳	دو ٹھکانوں دشمن
۲۲۱	مشرک کا خون بہا		دشمن کا جان نثار بیٹا
۲۲۵	مفرد مجرم کی جان بخشی	۲۱۴	بہت بڑا مجرم
۲۲۶	مزید تصریح	۲۱۵	ہن بغیر کسی شرط کے
	فتح مکہ کا اصل محرک مشرک		متبہی نبی کے دیار میں
۲۲۴	حلیف کی مدد		خزہ کا قاتل
۲۳۱	دستان کا خاتمہ	۲۱۸	نزو کہ جاہلاد
		۲۲۰	چھ نزار جنگی قیدی
		۲۲۱	کتوں کا خون بہا

تفتیک

بہت دنوں کی بات ہے میں بمبئی سے لکھنؤ جا رہا تھا کپارٹمنٹ میں کئی ہم سفر تھے۔ سب کے سب غیر مسلم ہیں بلکہ ذرا اہم میز قسم کا آدمی ہوں یہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ اور میں خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ پہلے تو گفتگو سیاسیات پر ہوتی رہی۔ پھر مذہب پر شروع ہوئی۔ کیونکہ لیکن تھا کہ اسلام کا ذکر نہ چھڑاتا؛ چھڑا اور بڑی ناگوار سی کے ساتھ یہ حضرات اس پر متفق ہو گئے کہ اسلام سے بڑھ کر نادراد مذہب کوئی نہیں ہے۔ کچھ طنز، کچھ تعریفیں، کچھ تہمتیں یہ سب لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ دوران گفتگو میں تپہ چلتا رہا۔ کوئی دلیل ہے کوئی پیرسٹر۔ کوئی جہاں گشت قسم کا تاجر جہاں تک یا دہرتا ہے ایک صاحب اتنی سی۔ پس کے ہیندو اہل حق، ہندوستان میں امتحان دے کر کامیاب ہو چکے تھے۔ اب مغرب تکمیل مزید کے لئے لندن جانے والے تھے۔ انہیں اگر یہ معلوم ہوتا کہ ان کا ایک ساتھی مسلمان ہے تو شاید اسلام اور اس کے مسلک کے بارے میں محتاط الفاظ استعمال کرتے آخرت مذہب اور شائستگی بھی تو کوئی چیز ہے لیکن میں نے اس لئے انہیں معذرت قرار دیا کہ ناواقف تھے؟ کچھ یہ مقصد بھی تھا کہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔

سفر زودیر میں ختم ہوا لیکن گفتگو کا موضوع جلد ختم ہو گیا۔ میری خاموشی بدستور قائم تھی فرق یہ تھا کہ اب تک میں مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اب حقائق پر غور کرنے لگا میں نے اپنے دل سے سوال کیا، کیا واقعی اسلام نادراد ہے؟ کیا حقیقتہً مسلمان تنگدل ہیں؟ کیا ایک مذہب جو نادراد اور زندہ رہنے کا حق رکھتا ہے؟ کیا ایک قوم جو تنگدل ہو زندہ رہ سکتی ہے؟ مجھے اپنے اسلام پر فخر تھا۔ اپنے مسلمان ہونے پر ناز تھا میں نے ایک مذہبی بند سگاہ — ندوۃ العلماء — میں تعلیم کی تکمیل کی تھی۔ میں ایک قومی دانش گاہ — نیشنل مسلم یونیورسٹی (جامعہ طیبہ) —

میں اپنی زندگی کے کئی سال بسر چکا تھا۔ میں نے ندوہ میں کسی استاد سے یہ نہیں سنا کہ غیر مسلموں سے نفرت کرنی چاہیے ہیں۔ نے جامعہ ملیہ میں کسی استاد کو غیر مسلموں کے بارے میں متعصب ناروادار اور تنگدل نہیں پایا۔ اب کچھ عرصہ سے میں سیاسیات کی دنیا میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ ہندوستان کے بطلانِ بھیل اور مسلمانوں کے زعمیم کبیر مولانا شوکت علی کے زیر سایہ قومیات اور سیاسیات کی زندگی سے آشنا ہو رہا تھا۔ ندوہ نامہ خلافت کی ادارت میرے ہی سپرد تھی۔ اور یہ وہ دور تھا کہ ہندو مسلم اختلافات نقطہ عروج پر پہنچ چکے تھے۔ کانگریس اور خلافت کی آپوزیشن حد سے کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی۔ گاندھی اور شوکت کے درمیان پبلک ٹیلیٹ فارم پر اختلافات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ سیاست کی دنیا میں رہ کر میں نے بہت سے مسلمان لیڈروں کو دیکھا تھا۔ دور سے بھی اور نزدیک سے بھی۔ لیکن معاملات میں، کانڈوبار میں، ملنے جلنے رہتے رہتے اور اٹھنے بیٹھنے میں، سخی اور ذاتی زندگی میں کسی کو بھی میں نے متعصب اور ناروادار نہیں پایا تھا۔ سیاسی اختلافات اپنی جگہ تھے اور ذاتی تعلقات اپنی جگہ۔ ————— پھر آخر مسلمانوں کو اور مسلمانوں سے زیادہ اسلام کو، یہ غیر مسلم حضرات متعصب اور ناروادار کیوں سمجھتے ہیں؟

اب تک مجھے تاریخ سے کوئی خاص رگاو نہیں تھا۔ اس واقعہ کے بعد میں نے تاریخ پر توجہ کی اور اس موضوع کا خاص طور پر مطالعہ شروع کیا۔ ذہن میں اور کاغذ پر کافی مواد جمع ہو گیا۔ جی چاہتا تھا۔ اس موضوع پر شرح و بسط سے لکھوں۔ جو نہیں سمجھنا چاہتے۔ ان سے بحث نہیں لیکن جو واقعات ہیں انہیں بتا دوں کہ اسلام سے بڑھ کر فرارح حوصلہ کشادہ دل اور ندادار کوئی مذہب اس نیلگوں آسمان کے نیچے موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں سے بڑھ کر دنیا کی کسی قوم نے اپنی ماتحت اور محکوم اقوام سے روادار نہ برتاؤ نہیں کیا۔ لیکن ادبی اور صحافتی مصروفیتیں عنال گیر ہوتی رہیں اور مادہ کے باوجود اس محبوب موضوع پر کچھ نہ لکھ سکا۔ پھر

ہندوستان تقسیم ہوا پاکستان وجود میں آیا۔ مجھے بمبئی سے ترک اقامت کر کے کراچی آنا پڑا۔
 اتفاق کی بات ایک مرتبہ کراچی میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے خاں فضل ڈاکٹر جناب خلیفہ عبداللہ حکیم
 صاحب سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ ان سے اس موضوع کا ذکر چھڑا تو انہوں نے میری سونہلہ افزائی
 فرمائی۔ اور میں نے کلام شروع کر دیا اور الحمد للہ! کہ آج اس کا ایک حصہ آپ کی خدمت میں پیش
 کر رہا ہوں!

بھیس احمد جعفری

کراچی

۲۹ اگست ۱۹۵۲ء

۲۰

مقدمہ

شاید

انجنگ اور جہاد

حلیف اور حریف

پچھلے روز

غور طلب سوالات

جنگی قیدی

غیر جانبداری

اعلان جنگ

معاہدہ دوستی

اپنا اور دوسروں کا تحفظ

غالب اور مغلوب

اعلان جنگ

انسانیت کا احترام

دورین جنگ کے وعدے

اعلان جنگ کی بنیاد

دشمن کا حق

ظالم یا مظلوم؟

مقتاد کا مسئلہ

ادب اسلام؟

اسلام کا نظام

معاہدہ کی تعیین

جہاد

جہاد اور جنگ

اسلام پر الزام

سارے جہان کی گواہی

مباحث کی نوعیت

خلافت کلام

۱۷۷۹۳۲

جنگ اور جہاد

دونوں کا اصولی اور بنیادی فرق

قبل اس کے کہ ہم اپنے اصل موضوع پر گفتگو شروع کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جنگ اور جہاد کے فرق کو معلوم کر لیں کہ بغیر اس کے ہم کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک یہ فرق واضح نہ ہو جائے ہم جنگ اور جہاد دو متضاد الفاظ سمجھتے ہیں گے اور اس بنیادی فرق تک ہماری نظر نہیں پہنچے گی جو دونوں کی جنگ اور جہاد میں ہے۔

جنگ ہر وقت شروع ہو سکتی ہے۔ ہر بات پر شروع ہو سکتی ہے۔ جنگ کے دوران میں ہر جائز کام کو جواز کا پردہ لے لیا جاتا ہے۔ جنگ کے بعد ناسخ قوم، منقوح قوم کے ساتھ جو سلوک چاہیے روادار کھ سکتی ہے۔ اس سے صرف ایک پیمانہ بنایا ہے "حالات" کا۔ حالات کا جو تقاضا ہو وہ مگر گور سے گی۔ اور یہ حالات تمام تر اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ گویا اس کے ہر فیصلہ میں فاتی رحمان اور میلان ہی کا رزنا ہونا ہے۔ آخری اور فیصلہ کن حیثیت صرف اسی ایک چیز کو حاصل ہوتی ہے۔ اصلی پرہیزگاری سے۔ اگر قوم یا قوموں کو منب کچھ کر سکتے ہوں۔

اس کے برعکس اسلام کا جہاد "حالات" یعنی ذاتی رحمان کا تابع نہیں ہوتا۔ وہ کبھی کسی

ملوں کے باہمی تعلقات تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں فاتح اور کشور کشاکش کی حیثیت سے مغلوب اور محکوم قوموں کے ساتھ رواداری، وسعت قلب اور مسلمات کا جو برتاؤ کیا اسے تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔ وہ اس کی بڑی قیمتی اور محبوب پونجی ہے۔ اسلام سے قبل جنگ اور صلح کی حالت میں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ جو سلوک کرتی تھی۔ تاریخ نے اسے محفوظ رکھا ہے۔ جنگ کے قیدی لوگ کھالوں میں جلا دیے جاتے تھے۔ ان کی عورتیں لوٹیاں بنالی جاتی تھیں۔ ان کی جائداد و اہلک پزیر قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ ان کے بوڑھے اور نازکار رشتہ لوگوں کو اس لئے زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی کے دن بسر کریں۔ ان غلاموں کو شیروں کے کٹھڑے میں چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ شیر کوئی ہتھیار استعمال کئے یا شیر کو ختم کر دیں! اس کے دماغ ان کے شرکار بن جائیں۔

رومنہ الکبریٰ کے دور عظمت کا شاہکار "AMPHITHEATRE" تاریخ میں غیر فانی مقام حاصل کر چکا ہے۔ سچ بھی اس کا تصور رنگے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔

ماضی اور حال میں ہمیشہ چشمک رہی ہے۔ ماضی کے بعضی بہن رحمت، فرسودگی، قدمت، اور حال کا مفہوم ہے۔ ارتقار، عروج، اندام۔ ماضی کا جب حال سے موازنہ کیا جائے تو ماضی اپنی بے باگی کے باعث احساس کمتری میں مبتلا ہو کر شرم سے گردن جھکا لیتا ہے۔ اور حال احساس بتری کے نشے سے نمود ایک حقارت کی نظر ڈالتا آگے بڑھ جاتا ہے۔ ماضی کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ چکیں وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔ اور حال صرف حرکت ہے۔ وہ آگے بڑھتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ————— حد نگاہ تک ————— وہاں تک جہاں نگاہ کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر کچھ نظر نہیں آتا۔

لیکن میرے پیش نظر ایک دلچسپ تجربہ ہے میں ماضی کا مقابلہ حال سے نہیں

کرنا چاہتا۔ حال کا موازنہ ماضی سے کرنا چاہتا ہوں۔ میں جس ماضی کو حال کے مقابلے میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس پر چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، لیکن میرا ماضی چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود آج بھی اتنا روشن اور تابناک ہے کہ یہ جو شراب اور خرد و شکارہ حال اس کے سامنے آتے ہوئے شرماتا ہے۔ چودہ سو برس پہلے کا ماضی جہالت تھا، وحشت، بربریت، ہمہیت، جہالت اور نامتعلی سے اور آج کا حال اپنی تہذیب و تمدن پر، اخلاق و کردار پر، عورت و میرت پر وسعت قلب اور علمائے ظرافت پر تامل ہے۔ پھر بھی یہ ناز و افتخار صرف اس وقت تک قائم رہ سکتا ہے، جب تک مسلمانوں کا ماضی مقابلے میں نہیں آتا۔ اس کے سامنے آتے ہی حال کا فخر و ناز عورتی تدا میں تحلیل ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ ماضی تا ایک ہے اور حال روشن — ہو گا، لیکن میں جس حال کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ یکسر تاریکی اور گھٹا ٹاپ اندھیرے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور جو ماضی میرے پیش نظر ہے، وہ اب تک مطلع انوار بنا ہوا ہے۔ اور شاید قیامت تک اس کی تابانی اور درخشانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

دکھ چھپ موازنہ

پچھلی عالمگیر جنگ چوتھائی صدی پہلے کی بات ہے۔ دوسری عالم مشوب جنگ کو ختم ہونے لگی وہی وہی مٹا بھی نہیں گندے۔

اس جنگ کا ہر فریق بڑے بڑے علم خود اپنے اپنے مقاصد پر تہذیب و تمدن کا داعی، اخلاق و کردار کا احراز، انسانیت و شرافت کا معلم، علم و درو اداری کا علمبردار اور اخوت و سعادت کا سپرکرتا، لیکن ہم نے تہذیب انسانی کے ان اشتادوں کو کس رنگ میں دیکھا؟ کس حال میں پایا؟

مٹلر کی تازیت، روس کی اشتراکیت، برطانیہ اور امریکہ کی انسانیت یہ تمام جلوے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ان کے زلزلے میں انسانیت کے بلند ترین پیمانہ ہائل پر نمودار ہو کر انہوں نے وعظ کہا اور جنگ کے زمانے میں ان کے پسند و ناپسند کی آوازیں، پتلیں اور آوازیں اڑے۔ وہم تو یوں باد طاقت آفریں، تمیسا رڈن کے مشورے میں وہ گنیں، انہوں نے خود اصول سنایا

اور سے ٹوڑ دیا۔ انہوں نے خود ضابطہ پتیار کئے اور انہیں کچل دیا۔ انہوں نے خود شقاق اور محض
لکھے پھر بے تکلفی اور بے پروائی کے ساتھ انہیں پاؤں تلے روند ڈالا۔

اللہ سے فریب کہ دل پر یہ اختیار

شب موم کر لیا، سحر آہن بنا لیا

انہوں نے امن کی تلقین کی اور جنگ کا تصور بھونکا۔ انہوں نے غیر جانبداری کے اصول
کی تعریف کی اور غیر جانبداری کو پامال کر دیا۔ انہوں نے جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک،
حسن اخلاق کی تائید کی لیکن جب کنسریشن کمیپ بنانے کا وقت آیا۔ تو چنگیز اور ٹالوکی رزید
عالم بالا سے بے ساختہ پکار اٹھیں

ہم تو مرشد تھے تم دلی نکلے

انہوں نے قیدیوں پر وہ ظلم توڑے اور محکموں کو تہرہ استبداد کا ایسی سفاکی اور شقاوت
سے بدستہم بنایا کہ بریت کانپ اٹھی اور زندگی نے شرم سے گردن جھکا لی۔ رد و اداری ان
کے لغت میں ایک مقدس لفظ ہے لیکن صرف ایک لفظ

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا

ان کی رد و اداری صرف ہم خیالوں تک محدود ہے۔ مخالفوں اور دشمنوں کو ان کی رد و اداری
سے مستثنیٰ اور مستفیض ہونے کا کوئی آئینہ نہیں۔ حالانکہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے بڑے پیار بھر
لہجہ میں ان سے کہا تھا۔

اگر تم اپنے پیار کرنے والوں سے پیار کرتے رہو تو تمہارے لئے کیا اجر؟

مطلب یہ کہ اگر انہیں پیار کرو جو تمہیں پیار نہیں کرتے تو ایک بات بھی ہے لیکن مسیح

کی قوم نے صرف انہیں لوگوں پر انتہات کیا جو اسے چاہتے تھے۔ انہیں وہ نفرت، حقارت،

ذلت اور مہنگائی، شقاوت کے سوا کچھ نہیں دے سکی جنہوں نے اسے دشمن سمجھا۔ دشمن کی نظر

سے دیکھا اور دوستی کے قابل نہ تصور کیا

فرانس کے مشہور داعی انقلاب اہل قلم اور فلسفی روسو کا قول ہے!
 ”انسانی اخلاق کی پیمائش کا اصلی پیمانہ جنگ کے ہاتھ میں ہے اور داعی کی پیمائش
 ٹھیک بھی ہوتی ہے۔“

روما کے مقتن اعظم سولن نے کہا تھا
 ”معاہدہ بکڑی کا جالا ہے جو اپنے سے کمزور کو تو ابھاتا ہے لیکن اپنے سے قوی کے
 مقابلے میں ٹوٹ جاتا ہے!“

اور یوں کہہ سکتا ہے کہ روسو اور سولن نے غلط کہا تھا؛ محاربات جلیبی اور حروب عالم
 کی تاریخ پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اسی بیسویں صدی عیسوی کے اندر ہودو ہولناک اور عالمگیر
 جنگیں برپا ہوئیں۔ انہوں نے پورے طور پر روسو اور سولن کے قول کو صحیح نہیں کر دکھایا؟ کیا یہ
 نہیں معلوم ہو گیا کہ اس روشن خیالی اور حریت عام کے زمانہ میں بھی جنگ جب کبھی برپا ہوئی
 اس نے انسانی اور اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا؟

غور طلب سوالات

جنگ میں ہذا دم تا این دم لڑنے والے فریقین کو جن حالات و حوادث سے دوچار
 ہونا پڑتا ہے۔ ان کی اگر تحلیل و تجزیہ کی جائے تو وہ یہ ہیں:-

- ۱۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟
- ۲۔ غیر جانبدار قوموں کی بغیر جانبداری کہاں تک تسلیم کی جائے؟
- ۳۔ شہر یا آبادی کو کس حد تک مامون و محفوظ رکھا جائے؟
- ۴۔ اعلان جنگ کو کیا اہمیت دی جائے؟
- ۵۔ معاہدہ دوستی کا کس حد تک احترام کیا جائے؟
- ۶۔ اپنے تحفظ کے لئے دوسروں کے امن و عافیت میں کہاں تک خلل ڈالا جائے؟
- ۷۔ غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغلوب قوم سے کیا برتاؤ کیا جائے؟

- ۸۔ تادم جنگ کی کمیت، کیفیت اور نوعیت کیا ہو؟
- ۹۔ دوران جنگ میں انسانیت کا ادب و احترام کیونکر ملحوظ رکھا جلتے؟
- ۱۰۔ جنگ کے دوران میں شہر کار جنگ سے جو وعدے کئے جاتے ہیں۔ ان میں کتنا جھوٹ ہوا اور کتنا سچ؟

- ۱۱۔ اعلان جنگ کی فیاد و اس میں کیا ہو؟
- ۱۲۔ جنگ کے دوران میں دشمن کو زندہ رہنے کا حق کہاں تک دیا جاتے؟
- ۱۳۔ جنگ کے دوران میں مدد مظلوم کی کی جاتے یا ظالم کی؟
- ۱۴۔ مفادات کا تعلق کچھ بھی خفی و باطل سے ہے یا نہیں؟

اب میں ان میں سے ہر ایک پر مختصر سی گفتگو کر دوں گا۔

۱۔ جنگی قیدی

دوسری عالم شوب جنگ میں دنیا نے دیکھا اٹلر کے کنسریشن کمیٹی میں قیدیوں پر جو لڑتے خیر منظام روار کھے جاتے تھے۔ وہ اپنی نوعیت میں کسی طرح بھی ان منظام سے کم نہیں تھے۔ جو روس نے اپنے قیدیوں کے ساتھ، جاپان نے اپنے قیدیوں کے ساتھ اور دوسری شریک جنگ قوموں نے اپنے اپنے اسیران جنگ کے ساتھ روار کھے تھے۔ جاپان آج لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی شکوہ سنج ہے کہ اس کے ان لاکھوں باشندوں کا پتہ نہیں چلتا۔ جنہیں روس کے سپاہیوں نے گرفتار کیا تھا۔ اٹالیہ کے جو قیدی برطانیہ کے ہاتھوں اسپرٹوئے اور جاپان کے جو سپاہی امریکہ کے آگے سپرانداز ہوئے۔ ان کی زبان سے اگر ان کی روداد سنئے تو معلوم ہوگا۔ تہذیب تمدن کے اس دور میں بھی گرفتار شدگان جنگ ان ہی ختم آریوں کے مستحق سمجھے جاتے ہیں جن کا مظاہرہ مارنچ کے ابتدائی دور میں ہوا کرتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کو بھی چھوڑیے۔ گویا میں جو کچھ ہوا۔ گویا کے قیدیوں پر جو ظلم ہوا ہے

فرانس کے مشہور داعی انقلاب اہل قلم اور فلسفی روسو کا قول ہے!
 ”انسانی اخلاق کی پیمائش کا اصلی پیمانہ جنگ کے ہاتھ میں ہے۔ اوداسی کی پیمائش
 ٹھیک بھی ہوتی ہے۔“

روما کے مقتول اعظم سولن نے کہا تھا
 ”معاہدہ بکڑی کا ہالا ہے جو اپنے سے کمزور کو تو ابھاتا ہے لیکن اپنے سے قوی کے
 مقابلے میں ٹوٹ جاتا ہے!“

اور کون کہہ سکتا ہے کہ روسو اور سولن نے غلط کہا تھا؟ محاربات صلیبی اور حروب عالم
 کی تاریخ پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اسی بیسویں صدی عیسوی کے اندر بودو ہولناک اور عالمگیر
 جنگیں برپا ہوئیں۔ انہوں نے پورے طور پر روسو اور سولن کے قول کو صحیح نہیں کر دکھایا؟ کیا یہ
 نہیں معلوم ہو گیا کہ اس روشن خیالی اور حریت عام کے زمانہ میں بھی جنگ جب کبھی برپا ہوئی
 اس نے انسانی اور اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا؟

غور طلب سوالات

جنگ میں ہرز آدم تا اپنی دم لڑنے والے فریقین کو جن حالات و حوادث سے دوچار
 ہونا پڑتا ہے۔ ان کی اگر تحلیل و تجدید کی جائے تو وہ یہ ہیں:-

- ۱۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟
- ۲۔ غیر جانبدار قوموں کی غیر جانبداری کہاں تک تسلیم کی جائے؟
- ۳۔ شہر کی آبادی کو کس حد تک مومن و محفوظ رکھا جائے؟
- ۴۔ اعلان جنگ کو کیا اہمیت دی جائے؟
- ۵۔ معاہدہ دوستی کا کس حد تک احترام کیا جائے؟
- ۶۔ اپنے تحفظ کے لئے دوسروں کے امن و عافیت میں کہاں تک خلل ڈالا جائے؟
- ۷۔ غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغلوب قوم سے کیا برتاؤ کیا جائے؟

۸۔ تادان جنگ کی کمیت، کیفیت اور نوعیت کیا ہو؟
 ۹۔ دوران جنگ میں انسانیت کا ادب و احترام کیونکر ملحوظ رکھا جلتے؟
 ۱۰۔ جنگ کے دوران میں شہر کار جنگ سے جو عدد سے کئے جائیں۔ ان میں کتنا جھوٹ
 ہو اور کتنا سچ؟

۱۱۔ اعلان جنگ کی فیاد و اس میں کیا ہو؟
 ۱۲۔ جنگ کے دوران میں دشمن کو زندہ رہنے کا حق کہاں تک دیا جائے؟
 ۱۳۔ جنگ کے دوران میں مدد منگولوں کی کیا جائے یا ظالم کی؟
 ۱۴۔ مفادات کا تعلق کچھ بھی خفی و باطل سے ہے یا نہیں؟

اب میں ان میں سے ہر ایک پر مختصر سی گفتگو کروں گا۔

۱۔ جنگی قیدی

دوسری عالم شوب جنگ میں دیمانے دیکھا ہٹلر کے کنسریشن کمپ میں قیدیوں پر
 بولرڈہ خیر منظام بعا رکھے جاتے تھے۔ وہ اپنی نوعیت میں کسی طرح بھی ان منظام سے کم
 نہیں تھے۔ جو روس نے اپنے قیدیوں کے ساتھ، جاپان نے اپنے قیدیوں کے ساتھ اور دوسری
 شریک جنگ قوموں نے اپنے اپنے اسیران جنگ کے ساتھ روا رکھے تھے۔ جاپان آج
 لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی شکوہ سنج ہے کہ اس کے ان لاکھوں باشندوں کا پتہ نہیں چلتا۔
 جنہیں روس کے سپاہیوں نے گرفتار کیا تھا۔ اٹالیہ کے جو قیدی برطانیہ کے ہاتھوں اسیر ہوئے
 اور جاپان کے جو سپاہی امریکہ کے آگے سپرانداز ہوئے۔ ان کی زبان سے اگر ان کی رعداوستے
 کو معلوم ہو گا۔ تہذیب تمدن کے اس دور میں بھی گرفتار شدگان جنگ میں ہی ختم آریوں کے
 مستحق سمجھے جاتے ہیں جن کا مظاہرہ تاریخ کے ابتدائی دور میں ہوا کرتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کو بھی جھوٹے کویا میں جو کچھ ہوا۔ اور یا کے قیدیوں پر جو ظلم ہوا۔

گئے۔ ان کی آواز بازگشت کو جسے کی فضائوں میں اب بھی گونج رہی ہے۔ اور یہ قیدی جاپان کے ہوں یا کوریا کے چین کے ہوں یا روس کے۔ امریکہ کے ہوں یا برطانیہ کے۔ سب ہم آواز ہو کر ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں۔

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اس کو پر تیر قضا سمجھے

۲۔ غیر جانبداری

گزشتہ جنگ عظیم میں انقرہ، قاہرہ، کابل اور ہسٹون کو اپنی غیر جانبداری پر شدید امر لگا تھا۔ ترکیہ کا محل وقوع ایسا تھا کہ وہ کافی مدت تک اپنی غیر جانبداری بناہ سکا۔ وہ روس، جرمنی اور برطانیہ تینوں کا ہتھیار تھا۔ برطانیہ روس کے اندیشے سے۔ روس، جرمنی کے خوف سے۔ جرمنی اور برطانیہ اور روس کے ڈیسے ترکی پر حملہ کرتے چکچاتا تھا۔ لیکن جب جرمنی شکست کے تریب پہنچ گیا۔ روس اتحادیوں کا حلیف بن گیا۔ تو برطانیہ نے چند لمحوں کے اندر ترکی کو شریک جنگ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایران کے رضا شاہ کو یہ یقین تھا کہ ان کی غیر جانبداری پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ لیکن برطانوی اور روسی افواج نے بیک وقت طہران کی طرف کوچ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کو اتحادیوں کا اتحادی بن جانا پڑا اور تاخیر تعمیل کی سزا یہ ملی کہ رضا شاہ کو جن پران کی قوم کو فوج کو پارلیمنٹ کو اور مجلس دوزا کو مکمل اعتماد تھا۔ تخت حکومت سے جبراً دستبردار ہو کر جلا وطن ہو جانا پڑا۔ کابل میدان جنگ سے بہت دور تھا۔ وہ کسی طرح بھی کسی راستہ سے محوری (Axis) حکومتوں کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ عرصہ تک اہل کی غیر جانبداری برداشت کی گئی۔ جب ضبط کا پیمانہ لبر ہو گیا تو حکم دیا گیا کہ دشمن قومیت کے جتنے افراد افغانستان میں موجود ہیں، انہیں خارج البلد کر دیا جائے۔ افغانستان اہل مطالبہ کی مزاحمت نہ کر سکا۔ تعمیل ارشاد کرنی پڑی۔ قاہرہ غیر جانبدار تھا۔ لیکن ہر سو پر اتحادیوں کے تصرف میں تھی۔ قاہرہ کا ہوائی اڈہ (AIR PORT) اتحادیوں کے فوجی طیاروں

کی جولانگاہ تھا۔ قاہرہ کی گلیاں یونان کے پناہ گزینوں اور مہاجر کے مستمدیدوں سے بھری ہوئی تھیں۔
مصر کی ہر وہ ذراست مستعفی یا برطرف ہونے پر مجبور ہو جاتی تھی جس کے مارے میں گمان
ہوتا تھا کہ یہ واقعی غیر جانبدار ہے۔ ایک دفعہ تو خود شاہ فاروق کو تخت و تاج کے لالے پڑ گئے
جس کا انکشاف جلاوطنی کے بعد انہوں نے اپنی داستانِ حیات میں کیا ہے۔

دنیا کی ہر قوم کو جس طرح لڑنے کا حق ہے اسی طرح نہ لڑنے کا حق بھی ہے جس طرح کالج حنیف
(All India) بننے کا حق ہے بالکل اسی طرح غیر جانبدار رہنے کا بھی حق ہے۔ لیکن ترقی یافتہ اور ہندوب دنیا میں
حصول کو تسلیم نہیں کرتی وہ کہتی ہے جو بڑے ساتھ نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔۔۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوری
حکومت کے نمائندے سر مارٹن ہیلٹ یو پی کے گورنر نے ۱۹۵۲ء میں یہی تو کہا تھا۔

۳۔ شہری آبادی

تہذیب انسانی کا یہ دور عروج جنگجو اور غیر جنگجو آبادی میں فرق نہیں کرتا۔ جس
طرح مسلح فوجوں سے جنگ کی جاتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ خونریز، دہشت انگیز اور
ہوشربا جنگ ننتی اور غیر مصافی آبادی سے کی جاتی ہے۔ جس طرح مقامات جنگ یعنی چھاؤنی
پل اسٹیشن۔ بند گاہ۔ ہوائی اڈے۔ ذخائر کارخانے اور سیکرٹریٹ پر اندھا دھند بمباری کی
جاتی ہے۔ اسی طرح اہل بومری جنگ عظیم میں ننتے شہریوں پر بھی آتش افروزیم اور مرگ آفریں
راکٹ برمائے گئے

بڑی بیدری سے رنگون، سنگاپور، لندن، برلن اور لینن گراڈ وغیرہ کے ننتے شہریوں پر
آگ اور موت کی بارش کی گئی۔ ہسپتالوں اور عبادت گاہوں کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ اور اس سلسلہ کا
آخری شاہکار وہ اٹیم بوم ہے جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرا۔ اور جس نے ان کی آن میں کئی لاکھ
شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جہاں سے روئیدگی ختم ہو گئی۔ جہاں کی آب و ہوا تک
مسموم ہو گئی۔ جہاں کی فضا پر اب بھی موت کا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ جہاں ماہرین سائنس
جا جا کر اب بھی تجربہ کرتے ہیں کہ یہ شہر سابقہ حالت پر کب عود کر سکیں گے؟

۴۔ اعلان جنگ

یہ بات اصولی موضوع کی طرح طے ہے کہ اعلان جنگ کے بغیر جنگ کے کوئی معنی نہیں۔ اعلان جنگ سے مطلب یہ ہے کہ اگر فریق ثانی صلح کرنا چاہے تو کرے۔ وہاں کے شہری اپنے تحفظ کا سامان کر لیں وہاں کی حکومت دفاع اور ہجوم کے بارے میں آخری فیصلہ کر لے۔ لیکن جاپان سات آٹھ برس تک چین سے برسہا برس پیکار رہا۔ اس کے لاکھوں آدمی ہلاک کر دیے۔ اس کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اسے بری طرح تباہ و برباد کر دیا لیکن اعلان جنگ نہ کرنا تھا نہ کیا۔ اوداں کے اٹھادی۔ جن میں امریکہ اور برطانیہ بھی شامل تھے۔

خاموشی سے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی نے روس پر حملہ کیا لیکن اعلان جنگ کی ضرورت محسوس نہ کی:

۵۔ معاہدہ دوستی

معاہدہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس پر عمل ہو دوستی کے پیمان اس لئے باندھے جاتے ہیں کہ دشمنی کا کوئی امکان باقی نہ رہے لیکن اس بیسیویں صدی کی دونوں جنگوں میں دینا نے بڑے بڑے عجیب تماشا دیکھے اور بلاوجہ و بلاسبب دوستی کے رشتے ٹٹتے ہوئے دیکھے۔

۱۳ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمن چانسلر نے برلن میں جو تقریر کی تھی۔ اس کے تقریبات لندن ٹائمز نے مشائخ کئے تھے۔

حضرات! ہم ضرورت کے عالم میں ہیں اور ضرورت قانون سے نا آشنا ہے۔ ہماری فوجوں نے لکسمبرگ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور شاید وہ اس وقت تک بلجیم پر قدم زن ہو چکی ہوں گی۔ حضرات! ہمیں ماننا ہوں، یہ اقدام بین المللی قانون کے خلاف ہے۔ لیکن ہمارے سرحدی بازو پر فرانس کی فوج کی نقل و حرکت ہمارے لئے ایک آفت ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں لکسمبرگ اور بلجیم کے جائز اعتراض کو مجبوراً پامال کرنا پڑا۔

ہم غلطیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک حق تلفی کے ترکیب ہوئے ہیں۔ مگر جو نہی ہمارا فوجی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ ہم فوراً تلافی کی کوشش کریں گے۔ جو کوئی بھی ہماری طرح خطرہ میں ہو گا۔ وہ صرف ایک ہی بات سوچ سکتا ہے کہ کسی طرح قطع و برید کر کے اپنا راستہ نکال جائے۔

اور دوسری جنگ عظیم میں بھی ایسے ہی ہوشیار واقعات پیش آئے ابائیہ اور اٹلی میں دوستی کا معاہدہ تھا۔ ابائیہ کے بادشاہ احمد بے زوٹو کی شادی پر مسوینی نے خود اپنی طرف سے تحائف بھیجے تھے۔ لیکن جب جنگ چھڑی تو دوستی، دوستی کا معاہدہ، تحائف کا اہتمام سب رکھا رہ گیا۔ اٹلی نے بغیر کسی وجہ اور سبب کے ابائیہ پر چڑائی کی اور اسے فتح کر لیا۔ احمد بے زوٹو بھاگ کر لندن پہنچے اور وہاں پناہ گزین ہو گئے۔

پولینڈ اور روس میں دوستی کا معاہدہ تھا۔ پولینڈ پر جرمن قبضہ سے صرف چند دن پہلے پولیسٹ کے سفیر اور اسٹالن میں گھل مل کر رابطہ و ضبط کی باتیں ہوئی تھیں۔ دوستی کا رشتہ اور زیادہ مستحکم ہو گیا تھا۔ لیکن جب جرمن فوجیں فاتحانہ یلغار کرتی ہوئیں پولیسٹ میں داخل ہوئیں۔ تو فوراً ہی بغیر کسی عند کے باقی نصف حصہ پر روس نے قبضہ کر لیا اور جب پولینڈ کے سفیر نے اپنی چند روز پہلے کی دوستانہ ملاقات کا اسٹالن سے ذکر کیا تو اس نے بڑی معصومیت اور سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

”پولینڈ اب ہے کہاں۔۔۔“

یعنی تم کس کی طرف سے بول رہے ہو؟ کیا اس کی طرف سے جو ہمارے دندانِ آڑ کا شکار ہو چکا؟

۶۔ اپنا اور دوسروں کا تحفظ

اپنا تحفظ ایک معقول بات ہے، شخص کو تباہی اور کرنا چاہیے۔ ذاتی تحفظ کے لئے اگر اگر نادانستہ یا اتفاقی یا غیر ارادی طور پر کسی کو شہر پہنچ جائے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں لیکن

محض تحفظ کے خیال سے دوسروں پر حملہ کر دینا، دوسرے ملک پر قبضہ کر لینا غیر ذمہوں کو غلام بنا لینا کہاں تک جائز ہے؟ — اس سوال کا جواب موجودہ ہند متقدم لوہا نسانیت نواز دنیا تو یہ دیتی ہے کہ بالکل جائز ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں تو بتایا جائے کہ دوسری جنگ عظیم میں مشرقی یونان پر کیوں اپنے پیرا شوٹ اتارے تھے؟ جرمنی نے معاہدہ دوستی و اخلاص کے باوجود وختہ روس پر کیوں حملہ کر دیا تھا؟ چرچل کی فوجیں افریقہ کے ایک دور دراز مقام زیمبارہ پر کیوں تباہ کن ہو گئی تھیں؟ روس، برطانیہ اور امریکہ کی فوجوں نے ایران میں کیوں ڈیرہ خیمہ ڈال لیا تھا؟ جاپان نے صلح و مفاہمت کی گفت و شنید کرتے کرتے پل ہار پر کیوں دھاوا بول دیا تھا؟

۱۔ مغالب اور مغلوب

جنگ جب ہوتی ہے تو فریقین میں سے ایک جیت جاتا ہے۔ دوسرا ہار جاتا ہے۔ اب جیتا ہوا ہارے کے ساتھ کیا کرتا ہے؟

بہد مظالم میں جنگیز اور ہلاک کے بارے میں ہم نے تاریخ میں یہ پڑھا تھا کہ وہ جس شہر کو جیت لیتے تھے اس کے باشندوں کو شہر سے باہر ایک میدان میں جمع کر کے قتل کر دیتے تھے اور شہر کھال کا سبب اور زر نقد لوٹ کر لگا لگا کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ لیکن آج کے عہد ارتقا اور دور مدوج میں ہم کیا دیکھتے ہیں؟ ہندی سوڈانی کو شکست دینے کے بعد لارڈ آف خرطوم "لارڈ کچنر نے کیا کیا تھا؟ جلش پر جب مسوینی کی فوجیں تباہ کن ہو گئیں تو ایک امریکی سیاح نے اپنے تاثرات سرفہر میں لکھا تھا —

اللہ کی سپاہیوں کی بوس پرستی کا شکار جلش کی ہر وہ عورت ہو چکی ہے جو تلخ ہے! — پہلی جنگ عظیم کے بعد بھی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی جرمنی میں بے روزگاری اور بے عصمتی، بے اوسپانی کی طرح عام ہو گئی۔ جاپان میں آج دو لاکھ سے زیادہ بن باپ کے بچے موجود ہیں۔ یہ بچے یتیم نہیں ہیں۔ ان کے باپ زندہ ہیں۔ داؤد جلش سے رہے ہیں۔ لیکن یہ ان کے ناجائز بچے ہیں۔ جو ممالک مفتوح و مغلوب نہیں ہوتے تھے بلکہ دوست اساتذتی اور شریک جنگ تھے۔ مثال بھی بالادستوں نے زیر دستوں کے ساتھ کیا کچھ

نہیں کیا، کھاتے سے لے کر رنگوں تک کے سارے علاقے ہیں اتحادی سپاہیوں نے جس
ہوسا کی کامظاہرہ کیا اس سے کون واقف نہیں ہے؟

درازدستی ایں کوتاہ آستیناں ہیں!

کھیتوں میں کام کرنے والی لڑکیاں، ٹرک پر گزرنے والے سپاہیوں کی دستبرد سے نہ
بچ سکیں اور جو لڑکیاں فوج کے مختلف شعبوں میں ملازم نہیں، ان کے بارے میں تو کچھ کہنے کی
ضرورت نہیں ہے۔

۸۔ تادان جنگ

جب ایک فریق شکست کھاتا ہے اور دوسرا فتحیاب ہوتا ہے تو جیتنا ہوا فریق ہارے
ہوئے فریق پر تادان جنگ عاید کرتا ہے۔ اصل اور اصل کے ساتھ سو دور سو دور بھی، تمام ماہرین
سیاسیات بین الاقوامہ اس پر متفق ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کا سبب پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ
معائدہ ویسٹفالن تھا جس نے جرمنی پر اتنا نامتصفانہ اور ظالمانہ بوجھ لا دیا تھا، جسے وہ برداشت
نہ کر سکا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مٹلرا ابراہام اس نے ایک مرتبہ پھر دنیا کو ہلاکت کے خطرہ میں
ڈال دیا۔

اور اب دوسری جنگ کے بعد پھر ہم نے دیکھا کہ تادان جنگ عاید کرنے کے سلسلہ
میں جس حدیادلی اور جن نا انصافیوں کا مظاہرہ کیا گیا۔ انہوں نے پھر تیسری عالمگیر جنگ کے
لئے فضا ہموار کر دی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آتش نشاں کب پھٹے اور لگنے لگے؟

۹۔ انسانیت کا احترام

جنگ بہر حال انسانوں میں ہوتی ہے نہ درندوں اور جانوروں میں نہیں ہوتی۔ انسان
اور جانور میں باہر الامتیاز صرف یہ ہے کہ انسان اخلاق عالیہ سے متصف ہے اور جانور
میں محروم ہے۔ لیکن اخلاق عالیہ کی نمائندگی صرف اس وقت تک ہے جب تک لڑائی نہیں
چھڑتی۔ جب جنگ کے میدان میں توپیں آگ لگنے لگتی ہیں تو اخلاق عالیہ کے صفات حسہ

یکسر اخلاق ذمیرہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

بھرم کھل جائے ظالم پیری قامت کی ودازی کا
اگر اس طرہ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

وہ جنگ ہی ہے جب بڑی آسانی سے دن دہائے اور ظاہر ظہور میں طرہ پر پیچ و خم کا
پیچ و خم نکل جاتا ہے۔ انسانیت کبریٰ کا وعظ کہنے والا عظیم و جلیل انسان تربیت لگا ہوں اور
ہسپتالوں، کالجوں اور سکولوں، عبادت گاہوں اور صوم خانوں تک کو معاف نہیں کرتا۔
اس کی شدہ ذوری کا نشانہ مقابل فوج نہیں ہوتی۔ میدان جنگ سے دور اور جنگ سے نفور
نہتے اور عاقبت پستہ شہری اور دیہاتی ہونے میں جن پر ہم بھینکے جاتے ہیں جن کا پانی
بند کیا جاتا ہے جن کی غذا کی رسیدیں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں جن کے ہسپتالوں اور سکولوں
کو مسمار کیا جاتا ہے تاکہ وہ سہم جائیں ان میں ہراس پیدا ہو۔ اور گھبرا کر اپنی حکومت اور قوم کے
لئے پورے کے ہاتھی ثابت ہوں۔ پھرین حربیات کا خیال ہے۔ جنگ ختم کرنے کا اس سے
بہتر کوئی تیر بہدف نسخہ نہیں ہے۔

• اور دوران جنگ کے وعدے

دوران جنگ میں وعدوں کا کاروبار خوب چلتا ہے۔ یہ موسم بہار میں وقت تک
قائم رہتا ہے جب تک جنگ جاری رہتی ہے۔ ان وعدوں کی نوعیت بھی بڑی دلچسپ
ہوتی ہے۔ لڑنے والے اپنے گروہ کو بڑھانے، اپنی جتنی ہمدی میں افسانہ کرنے اور اپنے نثر کا
اور خلفا کی تعداد زیادہ کرنے کے لئے خوب خوب وعدے کرتے ہیں۔ ان وعدوں سے انہی کے
وعدے کرتے ہیں۔ مگر وردوں کو نئے نئے مسائل و ذرائع کی بشارت دیتے ہیں۔ برابر کے
ساتھیوں کو مال غنیمت اور مفتوح ممالک کی باہمی تقسیم کا لالچ دیتے ہیں۔

اور ————— جب جنگ سر ہو جاتی ہے۔ تو ان وعدوں کا ایسا صرف
اسی حد تک کیا جاتا ہے۔ جس حد تک نئے حالات اجازت دیں جس حد تک تقاد اور مصلحت

کاتنا تھا ہو جس حد تک فتح مندی کی آگ اور شان میں فرق نہ آئے پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کے خلاف عربوں کو بھڑکایا گیا تھا کہ وہ ترک حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں تاکہ آزاد عرب مملکت قائم ہو سکے۔ ترکوں کے خلاف مصر میں، حجاز میں، شام و لبنان میں، عراق میں ہر جگہ بغاوت ہوئی۔ خلیفۃ المسلمین کے خلاف عرب مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ بڑی بیداری سے ترکوں کو ماداد اپنے ملک سے نکال باہر کر دیا۔ اتحادی عربوں کی اس سعادتمندی سے بڑے خوش تھے۔

وعدوں کے الفاظ اس زیادہ پر زور ہو گئے لیکن جب اتحادی غالب آئے اور ترک ہار گئے تو انہوں نے اپنے وعدوں کا ایسا اس طرح کیا کہ مصر اور عراق برطانیہ کے اقتدار میں آ گئے۔ شام و لبنان پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ فلسطین میں اسرائیلی حکومت قائم کرنے کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ پطرس وغیرہ کے علاقے اطالیہ کے تصرف میں رہے۔ جو مٹی سے اولیٰ کی جو نو آبادیاں چھینتی گئیں۔ وہ بھی اتحادیوں نے آپس میں تقسیم کر لیں۔ آزادی کسی کو نہ ملی مقبوضہ شہر کار نے سب کچھ لے لیا اور کرد و ترکوں کے حقے بخرے ہو گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد میثاق اوقیانوس عالم وجود میں آیا۔ اس معاہدہ کے باوجود نہ پولیس آزاد ہوا نہ مراکش۔ نتیجہ کو آزادی ملی نہ ملایا برطانوی اقتدار کی قید و بند سے رہا ہوا۔ انڈیا، نیپال، ایلینڈ کی مدد کے لئے ہندوستان سے انگریزوں نے اور دوسرے مقامات سے دوسرے اتحادیوں نے فوجیں بھیج دیں۔ پھر وہ آزاد ہوا تو بالیڈ نے پولیس ایکشن کے ذریعہ آزادی چھین لی۔ حالات سے مجبور ہو کر پھر آزاد کیا۔ لیکن آزادی کے باوجود بہت سی ترجیحات حاصل کر لیں اور نیوگنی کا علاقہ دیا گیا۔ غرض کوئی وعدہ بھی صحیح معنوں میں شرمندہ تکمیل نہ ہوا۔

۱۱۔ اعلان جنگ کی بنیاد

موجودہ دور میں جنگ کی بنیاد مذہب نہیں ہے۔ عقائد کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ دنیا کے اخلاقی مفاسد کی تطہیر بھی نہیں ہے۔ صرف سیاست ہے اور سیاست بالعموم

اسباب و دلائل کے تابع نہیں ہوتی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں مسٹر چرچل نے اعلان کیا اگر امریکہ نے جاپان کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ تو ہم گھنٹہ میں برطانوی فوجیں جاپان کے خلاف صفا آ رہی ہوں گی۔ روز ویٹ اور چرچل مل کر عصمت انونو کے پاس پہنچے کہ شریک جنگ ہو چاہیے۔ روس نے فن لینڈ سے کہا ہمارے ساتھ مل کر بے جانے بوجھے دشمنوں سے لڑو ورنہ ہم تم سے لڑیں گے۔ چنانچہ دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ان لڑنے والوں میں متعدد ایسے تھے جو ایک دوسرے کے قطعا دشمن نہ تھے لیکن سیاست نے انہیں جنگ کے میدان میں پہنچایا۔ اور وہ لڑنے لگے یہ جانے بغیر کہ جنگ کا مقصد صالح ہے یا غیر صالح؟ ظاہر ہے۔ ملک گیری، جوع الارض اور توسیع مملکت کے جذبہ فاسد کو صحیح بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا۔ نہ استحصال بالجزیر کاروباری فروغ اور استعمار پسندی کو مناسب بنیاد مانا جاسکتا ہے:

۱۲۔ دشمن کا حق

میدان جنگ میں اُن کے بعد دشمن تمام حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس صرف ایک ہی حق رہ جاتا ہے کہ ہلاک کر ڈالا جائے۔ آبدوز آدمیوں سے بھرے ہوئے جہازوں کو غرق کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ڈوبنے والے دشمن "تھے، جہاز سے شہری آبادی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں کہ "دشمن" حکومت کی رعایا تھے۔ سرحد جو "دشمن" کے ہسپتالوں کے لئے انٹرنیشنل ریزرو اور شہروں کے لئے طاقت آفرین جرائم بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں مقصد دشمن کی جان لینا ہے اور حصول مقصد کے لئے ہر طریقہ اور طریقہ جائز اور مباح ہے:

ظاہر یا مظاہر؟

ہم مانتے جتے ہمارے کسی نابینا کو دیکھتے ہیں تو اس کی لاشی پکڑ کر صحیح راستہ پر پہنچا دیتے ہیں کسی کو گرفتار ہلا دیکھتے ہیں تو اس کی مدد میں تامل نہیں کرتے کسی کو ایذا رسانی پر آمادہ دیکھتے ہیں تو اسے ملامت کرتے ہیں کسی کو چوری کرتے، ڈاکارتے قتل کرتے دیکھتے ہیں تو

اسے کیفر کرنا تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھتے کہ اپنی عام اور روزمرہ کی زندگی میں ہم ظالم کو برا سمجھتے ہیں اور مظلوم کی مدد پر کمر بستہ رہتے ہیں لیکن جنگ کے میدان میں یہ اصول یکسر ہل جاتا ہے۔

جنگ کے دوران میں ہم ظالم اور مظلوم کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ صرف دوست اور دشمن کو دیکھتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو بے نال ظالم کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں اور مظلوم کی سرکوبی کرتے ہیں۔ چورس بظیر اہل قانون کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اور جو ٹٹے گئے، قتل کئے گئے۔ ان پر روانی کے ساتھ تلوار چلا دیتے ہیں۔

جنس مظلوم تھا لیکن بددلی کی جارہی رہی۔ البانیہ بھی مظلوم تھا لیکن مسوینی کا ہاتھ کوئی نہ پکڑا۔ چین کی مظلومیت بھی ایک حقیقت تھی، لیکن جاپان سے سفارتی اور دوستانہ تعلقات سب کے قائم رہے۔ ہندوستان بھی مظلوم تھا لیکن کسی اتحادی نے برطانیہ سے کہا نکل جاؤ، فلپائن بھی مظلوم تھا لیکن اس کے لیے یہ مطالبہ کرنے سے حال کوئی نظر نہ آیا کہ اسے آزاد کر دو۔ پیونس۔ الجزائر۔ مراکش بھی مظلوم ہیں لیکن مجلس اقوام متحدہ تک ہیں یہ ہمت نہیں کہ وہ فرانس کو یہ حکم دے کہ ان مظلوموں کو اور زیادہ سزاؤ۔ جنوبی افریقہ میں وہاں کے قدیم باشندوں کا قتل عام ہو رہا ہے اور جن لوگوں کا دامن ماؤ ماؤ تحریک سے ذرا بھی واقف ہے بلکہ جن پر یہ شبہ بھی ہے کہ یہ ماؤ ماؤ کے ممبر ہیں۔ ان کا نشانہ کیا جا رہا ہے۔ تلوار سے، بتوں سے، مشین گن سے، ہر چیز سے۔ غرض ہر جگہ ظلم کا بول بالا ہے اور مظلومیت کی فریاد و نعرہ خانیں طوطی کی آواز سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ جنگ ظالم اور مظلوم کے فرق کو مٹا دیتی ہے۔ ایک بیا فرق پیدا کر دیتی ہے۔ دوست اور دشمن، دوست کی ہر سفائی اور خن آشامی کا رخیرو اور دشمن کی زیادہ سے زیادہ ہلاکت اور بربادی کا رثواب!

۱۴۔ مفاد کا مسئلہ

جنگ و پیکار کے اسباب و وجوہ میں جہاں اور بہت سے عوامل کار فرما ہوتے ہیں وہاں

ایک سب سے بڑا سبب مفاد ہوتا ہے۔ ہمارے مفاد کا تقاضا تھا۔ لہذا ہم نے جنگ کی۔
 برطانیہ کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ملابا میں موجود رہے لہذا ہے۔ اسی کے مفاد کا تقاضا یہ
 ہے کہ اس کی فوجیں جاپان میں موجود ہیں لہذا ہیں۔ ہندوستان کے مفاد کا تقاضا یہ تھا۔ کہ
 جیدر آباد آزاد نہ رہ سکے۔ ٹرانس جیکور آزادی کا جھنڈا نہ لہرا سکے۔ لہذا ایک کے خلاف پولیس ایکشن
 ہوا دوسرے کے خلاف نہ کہ بندی، کشمیر کے چالیس لاکھ باشندے صرف اس لئے بھارت
 کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں کہ بھارت کا مفاد اسی میں ہے۔ برطانیہ اگر
 جل الطارق رجب الطرا، اسپین کے حملے کر دے تو اس کا مفاد "مخروج ہو جائے گا۔ وہ نہر سوینز
 کا علاقہ خالی کرتے ہیں بھی اسی لئے بیت و محل سے کام لیتا رہا۔ کہ "مفاد" نے اس کے پاؤں
 پکڑ رکھے تھے۔ غرض مفاد کا لائق ہی سلسلہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔ مفاد جب بھی
 لکھتا ہے جنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جب تک زیادہ سے زیادہ خوفناک صورت
 میں یہ جنگ رونما نہیں ہوتی۔ مفاد کی لڑکھائی ختم نہیں ہوتی۔

مفاد کا زیادہ سچا نام خود غرضی ہے! ہمارا مفاد دوسرے کا نقصان ہے۔ گویا دوسرے
 الفاظ میں جب ہم دوسرے کو نقصان پہنچا لیتے ہیں تب مفاد حاصل کرتے ہیں۔ موجودہ دور
 میں یہ سچا ہے لیکن کیا حقیقت بھی اسے جائز ہونا چاہیے؟ کیا انصاف، نوابی اور
 مساوات عامہ کا تقاضا یہی ہو سکتا ہے؟

اداسلام؟

ہم نے دیکھ لیا آج کی دنیا جنگ میں کیا کچھ جاؤ کرتی ہے؟ محکموں اور غلاموں سے کیا
 بڑاؤ کرتی ہے؟ زبردستیوں اور مرکزوں سے اس کا سلوک کیا ہے؟ — تب ہمیں
 دیکھنا ہے۔ اسلام کا مسلک کیا ہے؟ وہ جنگی قیدیوں، دشمن سپاہیوں، محکوم لوگوں اور غیر مسلموں
 سے کیسے ربتاؤ کی تلقین کرتا ہے؟ عہد شکنی کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ غیر مصافی آبادی کے ساتھ
 اس کا کیا رویہ ہے؟ ظالم کے بارے میں اس کی پالیسی کیا ہے؟

اسلام کا نظام!

اسلام صرف ایک دین اور مذہب نہیں۔ وہ ایک دستور جہات اور ضابطہ زندگی بھی ہے۔ وہ صرف یہ نہیں بتاتا کہ ایسا کرو تمہاری روح پاک ہو جائے گی۔ وہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ایسا کرو تمہاری دنیا ستور جائے گی۔ وہ صرف آخرت ہی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ وہ دنیا کو بھی پوری اہمیت دیتا ہے۔ وہ صرف مسجد کے اندر موجود نہیں۔ اس کا نشیمن انسان کا دل ہے۔ وہ ہر کام ہر فعل، ہر خیال، ہر عمل کا جائزہ لیتا اور احتساب کرتا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، لکھنے آنے جانے ہر چیز پر اس کی قدغن ہے۔ ہر چیز کو یہ دیکھتا پرکھتا اور جانچتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ دنیا کو چھوڑ دو آخرت کو پالو گے۔ وہ یہ کہتا ہے۔

دنیا کو اچھی طرح برتو۔ آخرت بن جائے گی۔ وہ دین کے لئے دنیا کو اور دنیا کے لئے دین کو لازمی اور اساسی قرار دیتا ہے۔ وہ ایک کو دوسرے کی ضد اور مخالف قرار نہیں دیتا۔ وہ ایک کا دوسرے سے ہٹ کر تعاون لازمی قرار دیتا ہے۔ جس شخص کی دنیا اچھی نہیں اس کا دین بھی کامل نہیں جو دنیا نہیں برت سکتا۔ وہ عاقبت بھی محمود نہیں بنا سکتا۔ اس نے ہر چیز کا ایک ضابطہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ جنگ کے میدان میں، خلوت خانہ میں، مسجد کی محراب میں، کاروبار کی دکان اور دفتر میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی فرمانروائی اور سلطانی ہر جگہ قائم ہے۔ اس نے ہر عمل کو ایک مقصد کا تابع کر دیا ہے۔ مقصد اگر نہیں حاصل ہوتا تو پھر عمل بیکار ہے۔ یہ امتیاز دنیا کے ادیان و مذاہب میں صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے صاف اور واضح الفاظ میں عبادات و اعمال کی تعین و تحدید کر دی ہے تاکہ ہر وقت یہ بات پیش نظر ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا مقصد کیا ہے؟ اور ہمارے قول و عمل سے وہ مقصد حاصل بھی ہوا یا نہیں؟ اور یہ بات بغیر جائزہ اور احتساب کے نہیں حاصل ہو سکتی:

مقاصد کی تعین!

نماز کے بارے میں فرمایا

ان الصلوٰۃ تنظی عن الفحشاء والمنکر
نماز قسم کی برائیوں سے انسان کو روکتی ہے۔

روزہ کے بارے میں ارشاد ہوا

لعلکم رتقون

زکوٰۃ کا مقصد یہ قرار دیا

خذ من اموالهم صدقات

تطہرہم وتزکیہم بہا

تاکہ روزہ کے ذریعے تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ

لوگوں کے مال و دولت میں سے ایک حصہ بطور

صدقہ کے لے لو کیونکہ تم اس کے ذریعہ ان کے

بخل اور حرص و طمع کی بد اخلاقیوں کو پاک و صاف

کر سکو گے۔

حج کا مقصد یوں متعین کیا

لیشعروا منا فاعلموینفکروا

بالتوری فی ایام معلومات

حج کا اصلی مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذراؤ کو

حاصل کر سکیں اور اس کے ساتھ ہی چند مخصوص

دنوں میں خدکی یاد کر لیا کریں!

جہاد

اب جہاد یعنی جنگ کو لیجئے۔۔۔۔۔ اس بارے میں بھی اسلام نے سب

سے الگ سب سے جدا اور نہایت مناسب اور پستی برائے نصاب طرز کار اختیار کیا ہے

اس نے اس سلسلہ میں معمولی سے معمولی جزئیات تک نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اس سے کہیں

کھول کر احکام و مسائل بیان کئے ہیں اس نے وضاحت اور تشریح کے ساتھ ہر پہلو کو جاگر کیا

ہے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی یا شک و شبہ کا امکان باقی نہ رہ جائے۔ سب سے پہلی اصلاح اس

نے یہ کی کہ جنگ "کالفظ ہی ترک کر دیا۔ اس کے بجائے جہاد" کی اصطلاح وضع فرمائی۔ جنگ

کالفظ قتل و غارت، ظلم و بربریت، سفاکی اور شقاوت کا آئینہ دار ہے۔ اور جہاد کے لفظ

میں متعلقہ سے زیادہ اصلاح نفس اور تزکیہ اعمال کا مفہوم پوشیدہ ہے۔۔۔۔۔ جنگ

تواری ہے جہاد و اصلاح!

اس سلسلہ میں اگر ہم غزوی کی ایک حدیث کو پیش نظر رکھیں تو شاید ہمارا مقصد زیادہ واضح ہو سکے گا۔ جنگ میں لوٹ مار، سلب و تہیب اور قتل و غارت ایک معمولی سی چیز ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ محرمات جنگ میں ایک محرک مفتوح کے مل و اسباب کا ہونا بھی تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ لیکن اسلام کا جہاد چونکہ تزکیہ نفس اور ضبط عادات کا نام ہے۔ اس لئے مال غنیمت کبھی بھی جہاد کا لازمی جزو نہ بن سکا۔ جہاد کا مقصد اعلیٰ اعدا شرف ہے۔ وہ ایسی پست چیزوں سے اپنا دامن آلودہ نہیں کر سکتا۔

فلما کان یوم بیلد و قسوافی
الضائم قبل ان ینزل لہم فانزل
اللہ نورا کتاب من اللہ لکم فیما الذم
عذاب عظیم ۵ ترجمہ کتاب تفسیر

جب غزوہ بدر پیش آیا تو صحابہ مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ اس وقت تک مال غنیمت مسلمانوں پر حلال نہیں ہوا تھا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اگر خدا کی مشیت نے اس کا فیصلہ دیا ہی طرح اسے کر دیا ہوتا۔ تو جو مال تم نے غنیمت کے طور پر حاصل کیا ہے اس پر عذاب عظیم نازل ہوتا!

جہاد اور جنگ

مسلمانوں کے جہاد اور دوسروں کی لڑائی میں وہی فرق ہے جو آگ اور پھول میں۔ جنگ دوسروں نے بھی کی اور مسلمانوں نے بھی۔ دوسروں کی جنگ نے تباہی ہلاکت غارتگری، قتل و تہیب اور انہدام و تخریب کے سوا کچھ نہ دیا اور مسلمانوں کے جہاد نے رگستان کو لالہ زار بنا دیا۔ جاہلوں کو ظلم و پامانت اور تقویٰ کی نعمت عطا کی بناواریں اور محکوموں کو تاج خسروئی اور تخت سکندری بخشا، جہاں جہالت تھی وہاں ظلم کا دورہ نشن کیا جہاں نا انصافی تھی وہاں عدل کا بیتارہ قائم کیا۔ جہاں تعصب کی کار فرمائی تھی وہاں رواداری کا پیام پہنچایا۔ جہاں ظلم و جور کا سکہ پلٹا تھا وہاں رحم و درودت اور انصاف کے

ایوانوں کی بنا ڈالی۔ جہاں منظر ہر کی پرستش ہوتی تھی وہاں ایک خدا کا کلمہ بلند کیا۔ جہاں
 اور نیچ نیچ اور لپست و بلند کے پہلے کام کرتے تھے۔ وہاں مساوات کا معیار سامنے رکھا۔ جہاں
 رشوت، استحصاں اور ناجائز نفع اندوزی کا بازار گرم تھا۔ وہاں امانت و پابنت اور نفع خلائق
 کا درمں دیا۔ ————— اسلام جہاں پہنچا۔ اس نے وہاں کی دنیا بدل دی۔ جس پر پورے
 نہیں۔ صرف اسوہ حسنہ سے یہ کہانی بڑی طویل ہے لیکن جتنی طویل ہے اس سے زیادہ
 دلچسپ اور سبق آموز بھی ہے :

اسلام پر الزام

مسلمانوں پر ہمیشہ دشمنوں اور مخالفوں نے الزام عاید کیا کہ وہ ناروا دار ہیں،
 متعصب ہیں تنگ دل ہیں، وہ نامسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ
 غیر مسلموں کو اپنے ساتھ عزت و ابرو کی زندگی بسر کرنے کا موقع نہیں دے سکتے وہ لوگوں
 کو جبراً مسلمان بنا لیتے ہیں۔ اور جو مسلمان جنت سے انکار کرتا ہے اسے یا تو قتل کر دیتے
 ہیں یا جلا وطن کر دیتے ہیں۔ جب سے پاکستان عالم وجود میں آیا ہے۔ یہ اعتراضات
 اور الزامات اور زیادہ شدت کے ساتھ دہرائے جا رہے ہیں۔ اور دنیا کو یاد کروایا جا
 رہا ہے کہ مسلمان سرگرم سے گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے اس نئے لباس میں غیر مسلم آزادی
 اور مساوات کی زندگی بسر کریں۔ یہ اسی پروپیگنڈے کا نتیجہ تھا کہ پاکستان کے ان مقامات
 کے ہندو بھی ترک وطن پر آماسانی سے اٹھ کر لٹے گئے۔ جہاں کسی قسم کا فساد یا کشت و خون
 نہیں ہوا تھا۔ جہاں کسی کی دکان لوٹی گئی نہ مکان چھینا گیا تھا۔ جہاں کامل امن و
 امان تھا۔ اور کامل ہم آہنگی اور ربط و خلوص کی زندگی بسر کی جا رہی تھی :

تاریخ کی گواہی

اس کتاب میں واقعات و شواہد سے تاریخی دلائل سے مسلم اور غیر مسلم مورخین
 کے بیان سے میں یہ ثابت کر دل گا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے

قائمین مہر خلافت انڈس اور نواج کے واقعات بھی درج ہیں۔

(۳) تیسرا حصہ ہندوستان کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ہندوستان پر ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے حکومت کی یہ مدت بہت کافی ہوتی ہے۔ اگر رواداری کے جادوہ صحیح سے وہ ذرا بھی ڈگمگائے ہوتے تو آج ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ یہ نقشہ مسلمانوں کے مفید مطلب خواہ کننا ہی ہوتا لیکن اسلام کے نمایاں شان ہرگز نہ ہوتا۔ ہمیں نے جامعیت کے ساتھ ضروری اور سبق آموز واقعات مندرج کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس ایک ہزار سال میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ ایسی رواداریاں نہنگی بسری جس کا عشر عشر بھارت کی سیکولر حکومت میں بھی نظر نہیں آتا۔

خلاصہ کلام

مسلمانوں کی پروردہ سو برس کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس تاریخ کو اسلام کے مخصوص دستوں اور کرم فرماؤں نے خوب کھنگالا ہے۔ کڑی تنقیدی نظر سے دیکھا ہے۔ اپنی طرف سے بہت سی باتیں زیب داستان کے لئے بڑھا بھی دی ہیں۔ لیکن یہ بھی اگر کسی چیز پر دلیل اور برہان کے ساتھ گرفت نہیں کر سکتے ہیں۔ تو وہ اسلام کی رواداری ہے۔ بلکہ بعض انصاف پسند غیر مسلم مورخین (ہین پول وغیرہ) نے تو کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اسلام کی رواداری ایک روشن اور تابناک حقیقت ہے اور بعض نے قلب مجروح کے ساتھ اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ کہ ان کی قوم نے جب حاکمیت کی مستند پر قوم رکھا اور اقتدار و اختیار کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ تو مسلمانوں کی رواداری کا جواب تعصب، ظلم، مسفاکی اور بے ہمتی کے ساتھ دیا۔ انڈس، مغلیہ اور بھارت کے واقعات اس دعوے کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔

انڈس میں ہر عیسائی اور یہودی کو وہی حقوق حاصل تھے جو ایک مسلمان کو۔ لیکن جب عیسائیوں نے انڈس پر قبضہ کیا۔ تو ان مسلمانوں تک کو بندر آتش کر دیا گیا جو عیسائی بن چکے تھے لیکن جن کی عیسائیت میں اسلام کا رنگ جھلک رہا تھا۔ مغلیہ رسی میں بھی مسلمانوں

نے کسی کو جبراً عیسائی نہیں بنایا۔ لیکن جب مسلمان وہاں سے نکالے گئے تو اس طرح کہ پھر اس سرزمین پر نہ کوئی مسجد قائم رہ سکی نہ خانقاہ۔ نہ مسلمان رہ سکا نہ اسلام کی کوئی یادگار۔ بھارت میں مسلمانوں نے طویل مدت تک حکومت کی اور کسی کے مذہب پر ڈاکہ نہیں ڈالا۔ ہندوؤں کی حکومت اب چند سال سے قائم ہوئی ہے۔ لیکن مسلمان تو مسلمان، عیسائی تک پہنچنے لگے ہیں کہ ہماری زندگی وہاں دوش بتائی جا رہی ہے۔

اس پس منظر کی روشنی میں یہ ادراق انشاء اللہ نشان راہ ثابت ہوں گے :

رئیس احمد حقیقی (دہلی)

70

فراوانی در ادب و علم

کتاب اللہ کی تصریحات

ہم اپنی گفتگو کا آغاز اس کتاب سے کریں گے جس کے بارے میں مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ جس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشہ پر ان کا ایمان ہے جس کے تقدس اور جس کی طہارت کی وہ قسم کھاتے ہیں جس کا ہر حکم اور ہر ہدایت عرفت اس لئے ہے کہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کی جائے۔ حدیث رفتہ اور مجتہدات کے بعض پہلوؤں کی صحت اور عدم صحت پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مگر بعض فرقے حدیث کی دینی حیثیت کے قائل نہیں بعض فقہ کو اہمیت نہیں دیتے بعض مجتہدات پر اعتراض کرتے اور ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا ہر فرقہ جس چیز کے ہر حرف اور نقطہ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ صرف قرآن ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ آغاز سخن اسی متفق علیہ کتاب سے کیا جائے!

قرآن کا روادارانہ مسلک

انجیل، توریت، وید، گیتا اور زنداوستا وغیرہ کی تاریخی حیثیت اور قطعیت کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو چھیڑنا مقصود نہیں۔ اس کتاب میں صرف مسلمانوں سے بحث ہے۔ اور اسلام کے بدترین مخالف بھی اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جو قرآن آج ہمارے سامنے موجود ہے یہ بالکل وہی ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے محمد بن عبد اللہ بنی ہاشم و امہاتنا پر نازل ہوا تھا۔ اس میں نہ ایک شوشہ بڑھا ہے نہ ایک نقطہ کم ہوا ہے۔ لہذا قرآن کریم سے جو استنباط کیا جائے گا اور جو حوالہ دیا جائے گا وہ مشک و ریب سے بالا ہوگا۔ ایک مسلمان جس طرح سہ ماہ میں اس پر اعتقاد رکھتا تھا۔ اسی طرح سہ ماہ میں بھی رکھتا ہے۔ قرآن کی تعلیم و تفسیر، اس کے بنائے ہوئے اصول و ضابطے، اس کا پیش کیا ہوا دستور و زمین، اس کے قائم کئے ہوئے روایات و معاملات، اس کے حل کئے ہوئے مسائل و مشکلات آج بھی جوں کے توں موجود ہیں۔ ان میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور جب تک مسلمان اس کمرہ ارض کے اوپر اور اس چرخ تیلی نام کے نیچے موجود ہیں۔ ہو بھی نہیں سکتا۔

میرا دعویٰ ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری، وسعت قلب و ظرف، عالی صلگی اور مساواتِ کامل کا نمونہ پیش کیا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اور دنیا کی کوئی قوم اس معاملہ میں اس کی حریف نہیں بن سکتی۔ میرا یہ دعویٰ بھی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے محکوم غیر مسلموں کے ساتھ ہر دور اور ہر عہد میں ————— خود و عملی اعتبار سے اسلام کے اصول و تعلیم سے کتنے ہی ہٹ گئے ہوں۔

جس مساوات، رواداری اور شفقت کا بڑا نمونہ کیا ہے۔ اس کی مثال بھی تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اسلام اور رواداری کا جہاں تک تعلق ہے۔ دو باتیں خاص طور پر پیش نظر رہنی چاہئیں۔

۱. قول

۲. عمل

———— قول کے سلسلہ میں ہم قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کا دفتر کھنگالیں گے۔

کیپٹی ٹیوں چیزیں مسلمانوں کے ایمان، عقیدہ اور اقوال کا میخا رہیں۔ پھر عمل کی طرف متوجہ ہوں گے جس کی داستان تاریخ کی زبان سے ہم سنیں گے۔

رواداری کا میثاق

ہر نیا مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے ادیان ختم ہو جائیں اور وہ ان مذہب کی جگہ لے لے۔ ہر داعی مذہب یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی دعوت پھیلے اور روئے زمین پر چھا جائے۔ لیکن اس خواہش اور کوشش میں بہت جلد جبر اور جور کے عناصر شامل ہوجاتے ہیں روم وغیرہ میں عیسائیت جس طرح پھیلی وہ ایسی داستان ہے جس سے ہر بڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ اور اگر حالات کی نامساعد کمزوری اور بے بسی کے باعث جبر و جور ممکن نہیں ہوتا۔ تو تند اور سخت الفاظ کی لودش شروع ہوجاتی ہے لیکن اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ داعی اسلام کی جدوجہد کامرکز صرف یہ خیال ہے کہ دوسرے اس دعوتِ حق کو سنیں، سمجھیں، ایمان لائیں اور گنہگاروں کو دیکھیں۔ لیکن بائیں ہمدردی سے پسند نہیں کرتا کہ جبر و جود یا سب و شتم سے کام لیا جائے

وہ صاف لہر واضح الفاظ میں فرماتا ہے۔

قل یا ایہا الکافرون ہلا عبدا ما
تعبدون ہولانتہم علیدون ما عبدا
ولا اتعا بید ما عبدا تمہولانتہم علیدون
ما عبدا لکم دینکم ولی دین ہ

دا سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرود! میں ان
موجودوں کی پرستش نہیں کرتا جن کی قوم کہتے ہو۔
اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں اس کی پرستش تم نہیں
کہتے۔ نہ میں تمہارے موجودوں کی پرستش کروں گا
جن کی قوم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے
جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا
دین اور میرے لئے میرا دین۔

یہ چھ آیتیں رواداری کا ایک ایسا بیانیہ ہیں جو اپنی نوعیت میں قرونِ ہجری کی مثال
صرف ارض پر کہیں ملتی ہے۔ یہ بیانیہ صاف واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں کافروں اور مشرکوں کو اجازت

دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں، بچے روایات، معاملات اور مسائل پر قائم رہیں، حکم
دینکھ ولی دین، یہ دو الفاظ رواداری اور وسعت قلب کا ایسا چارٹر ہیں جس پر آج بھی دنیا
کی کسی قوم کا عمل نہیں۔ صرف یہی نہیں کہ عمل نہیں۔ نظری اور اصولی طور پر بھی جسے دینانے یا
دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں اور ملتوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ ہم تاریخ
تک کو جھٹلا سکتے ہیں لیکن کیا مشاہدات کو بھی جھٹلا دیں گے؟ ہماری آنکھیں آج اپنے گرد و پیش
کیا دیکھ رہی ہیں؟ کیا اس معاملہ میں دنیا کی کوئی قوم بھی دیانت داری کے ساتھ ہماری حریف
بن سکتی ہے؟ — کلامِ کلام!

تفسیر جلالین میں ان آیات کا شانِ نزول یہ بتایا گیا ہے۔

یعنی مشرکین کی ایک جماعت نے پیغمبرؐ

قال دھط من المشرکین للنبیؐ تعبد

سے کہا کہ جھوٹے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ایک برس آپ

الہتامنہ و تعبد الہک منہ

سے تفسیر جلالین ص ۵۲

ہمارے معبودوں کو پوجیں۔ ایک سال ہم آپ کے
خدا کو پوج لیا کریں گے۔

اس کے جواب میں فرما کہتا ہے نہیں، عقائد کے معاملہ میں منافقت نہیں ہو سکتی۔ ہم
اپنے مسلک سے منحرف نہیں ہو سکتے تم اپنے مسلک پر قائم رہو۔
رواداری کی اساس

لیکن آخر اسلام اس قدر وسیع القلب اور روادار کیوں ہے؟ وہ اپنی سچائی کو زور و قوت
اور طاقت کے بل پر منوانے سے کیوں گریز کرتا ہے؟ وہ صرف انہماق و تفہیم اور دعوت و تبلیغ ہی پر
زور کیوں دیتا ہے؟ وہ بھی موقع پا کر کیوں نہیں تواریکاتا اور مخالفوں، خدا مخالفوں، بدخواہوں
منکروں، کافروں اور مشرکوں کی گردن اڑا دیتا ہے؟

ہاں ایسا ہو سکتا تھا لیکن اس لئے نہیں ہوا کہ دلیل تلواری سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ اسلام
ناقابلِ فہم فلسفے پیچیدہ اور دور از کار نظریات، عوام الناس کی فہم سے بالاتر تصور است
دستانوں، قصوں کہانیوں، روایتوں اور شعروں کا مجموعہ نہیں ہے۔ جسے اگر کوئی نہ سمجھے یا سمجھنا
نہ چاہے تو اس کی اصلاح کے لئے تلواری کا نسخہ ضروری ہو سوز اپنے جلو میں آیات حکمت رکھنا
ہے۔ دلائل واضح رکھنا ہے۔ ایسی نشانیاں رکھنا ہے جو آنکھ بند کر لینے کے بعد بھی دکھائی دیتی
ہیں۔ وہ خارج از قیاس باتیں نہیں کرتا۔ ایسی باتیں کہتا ہے جتنیں ایک عالمی، ایک جاہل ایک
بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ وہ افلاطون اور سقراط کا فلسفہ نہیں پیش کرتا۔ آسمیں اور نشانیوں پیش
کرتا ہے۔ وہ زمین اور ماسخ کو مرعوب اور دہشت زدہ نہیں کرتا۔ انہیں صحیح راستہ پر ڈالتا ہے۔
وہ یہ نہیں کہتا کہ مانو اور نہیں مانو گے تو مٹ جاؤ گے۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ دیکھو اور غم سے دیکھو
سنو اور نوحہ سے سنو۔ سوچو اور غمیر جا بجا باری کے ساتھ۔ ننھو می دیر کے لئے خالی اللہ من ہو کر سوچو۔
اس دنیا کے نظام کو اور اس کی باقاعدگی کو دیکھو۔ دریاؤں کی روانی، سمندروں کا مد و جزر۔ چاند
سورج اور ستاروں کا طلوع و غروب۔ ایک ہی پانی سے سیراب ہو کر اور ایک ہی زمین میں

دفن ہو کر خدا ایک ہی زمین سے پیدا ہو کر کسی بیج کا گہوں بن جانا، کسی کا بولہ، کسی کا دھان
 کسی کا آم، کسی کا خرگوزہ، کسی کا تر بوڑ ————— یہ ٹائٹریس نے پیدا کی ہے؟ یہ
 نظام کس نے قائم کیا ہے؟ یہ اصول کس نے بنایا ہے؟ ذرا سوچو کیا ان نہیں نے جن کے
 خالق تم خود ہو؟ اور ذرا ہے تو جی کر تو وہ پھر مٹی کا ڈبھیر بن جائیں؟ کیا ان ویولوں اور دیوتاؤں نے
 جنہیں یہ توفیق بھی نہیں کہ سوچ کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کرویں؟ کیا ان مظاہر اور
 مناظر نے جنہیں تم بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے اور ملتے ہو؟ لیکن جو قدرت کی ایک معمولی ضرب
 کی تاب بھی نہیں لاسکتے ————— کیا یہ باتیں خدا کی یکتائی پر دلالت نہیں کرتیں؟ اس
 کی سلطانی اور کار فرمائی کا زندہ جاوید اور ناقابل تردید ثبوت نہیں؟ ————— جب
 سوچو گے تو دل مانے گا۔ لیکن دماغ خاندانی بندشوں، دماغی الجھنوں، روایاتی دشواریوں کا سنگ
 گناں پیش کرنے گا۔ پھر اگر تم حق کو محسوس کرنے کے باوجود نہیں ملتے تو بد قسمت ہو۔ اس
 قابل ہو کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اب حق و باطل مخلوط نہیں الگ ہو چکے ہیں
 تمہارے سامنے دونوں سائے موجود ہیں خواہ حق کو قبول کر لو خواہ باطل کو۔ چنانچہ سورہ بقرہ
 میں فرمایا۔

لا اکرافی الدین قد تبین
 دین میں نہ بوسعی کا کچھ کام نہیں۔ گراہی
 الوشد من الغی
 سے بدارت الگ ظاہر ہو چکی ہے۔

گویا ردا داری کی اساس یہ دستور پائی کہ چونکہ حق اور باطل نے جدا گانہ اور متمایز صورت
 اختیار کر لی ہے۔ لہذا اب جبر و جود کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ہاں انہما و تفہیم کا راستہ
 کھلا ہوا ہے۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ

ظہر بالایات البینات ان
 یعنی آیات بینات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے

۱۰ تفسیر جلالین ص ۱۰

کہ ایمان رشد و ہدایت ہے۔ اور کفر

”غی“ دگرہی،

اقسام تفسیر

قرآن کریم کا جتنا غائر مطالعہ کیا جائے گا۔ اتنی ہی یہ حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی۔ کہ اسلام صرف اہل تفسیر کا قائل ہے وہ دل چیتنا چاہتا ہے۔ سر اور زبان نہیں۔ وہ رواداری کے اصول پر اتنا زیادہ جما ہوا ہے کہ اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ جو شیعتیت یا غلو ہیں اگر کوئی شخص مذہب باطلہ کے معبودوں کے لئے کوئی نازیبا اور ناملائم لفظ استعمال کرے۔ وہ باطل کو باطل کہتا ہے۔ جہالت کو جہالت، کفر کو کفر، شرک کو شرک اور گمراہی کو گمراہی قرار دیتا ہے۔ لیکن اسے تسلیم نہیں کرنا کہ حقایق ثابت کرنے کے لئے دلیل کے علاوہ سبب شتم یا تمجید کا سہارا بھی لیا جائے۔ چنانچہ سورۃ النعام میں فرمایا

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

خدا کے علاوہ جو لوگ دوسروں کو پوجتے ہیں۔
انہیں برا بھلا مت کہو۔ کیونکہ پھر وہ بھی بغیر جانے
بوجھے اندر اہل عداوت خدا کو۔

غور فرمائیے۔ آپ کے سبب و شتم کے جواب میں جو لوگ خدا کو برا بھلا کہیں گے۔ ان کے لئے قرآن نے دو لفظ استعمال کئے ہیں

عدوا :

اور

بغیور علم!

یعنی جو لوگ تمہارے جواب میں خدا کے لئے نازیبا اور ناملائم الفاظ استعمال کریں گے وہ جہالت و بغیور علم اور عداوت رعدی کا کرشمہ ہو گا۔ نہ کہ واقفیت اور حقیقت کا لہذا

ایسے لوگوں کو اس کا موقع ہی نہ دینا چاہیے۔ تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کی بہانے۔ تو ضرور دوسروں کی عزت تمہیں کر پڑے گی۔ اگر تم یہ چاہتے ہو۔ کہ اپنے خدا کے خلاف ناشائستہ اور ناگفتہ بہ الفاظ نہ سنو۔ تو لازمی ہے کہ مجبوراً ان الفاظ کے خلاف بھی لب کشائی کرتے وقت احتیاط برتو۔ تم اگر نہیں برائے ہو گے۔ تو یہ کافر اور مشرک مجبور ہوں گے کہ تمہارے خدا کے خلاف یا وہ کوئی سے کام نہ لیں۔

سادہ سی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تون کے سب شیتم کی جو ممانعت

آئی ہے وہ

فقی الحقیقة والنهی عن سب اللہ

و حقیقت سبِ خداوندی سے روکنے

کے لئے ہے۔

حکمت اور عظمت

اسلام نے نہایت غیر مشکوک اور بالکل واضح طور پر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اسلام کی دعوت کس طرح دی جائے، بحث و مباحثہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نزاع و جدال کی صورت اختیار کر لیتا ہے لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا وہ اسے ناپسند ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے منع بھی کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ النحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

ادع الی صبیح ریک یا حکمتاً والوعظتہ

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور وعظمت

السنۃ وجہادہم بالتی ہی احسن

سے کام لے کر لوگوں کو دعوت دو اور ان سے جہاد

کو تو بطریق احسن!

(النحل)

حکمت اور عظمت کتنے جامع الفاظ ہیں۔ یہ نہیں فرمایا جاتا کہ لوگوں کو دین کی دعوت

تھوڑی کی ٹوک پر دو۔ یہ بھی نہیں ارشاد ہوتا کہ تبلیغ مذہب کے لئے تھوڑی تھوڑی چیزیں سے کام لیا جائے کہ یہ چیزیں زبان کو قابو میں لاسکتی ہیں۔ دل کو اثر پذیر نہیں کر سکتیں۔ تاکہ فرمائی کہ اپنے

رب کے دین کی طرف حکمت اور موعظت کے ساتھ دعوت دوتا کہ وہ دعوت دل تک پہنچے اور دل میں چیز کو قبول کر لیتا ہے پھر اس سے کبھی منحرف نہیں ہوتا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے گروہ میں باندھ لیتا ہے اور اسی کا مورثنا ہے ————— !

عام زندگی کے مسائل پر بھی جب بحث و گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔ تو بہت جلد یہ گفتگو درستی اور تلخی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ پھر وہ مسائل جو عقائد سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان پر بحث و گفتگو کا انجام عام طور پر سبب بنتم اور دست و بازو کے مظاہرہ وقت پر ختم ہوتا ہے۔ اسلام اس انداز کلام کو پسند نہیں کرتا۔ وہ سچائی کا مذاق ہے اور سچائی کے لئے نہ زور و قوت کی ضرورت ہے نہ جبر و اکراہ کی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے پیش ایسے انداز میں کیا جائے جو دل میں اثر جائے جس سے اعراض و انکار کا امکان باقی نہ رہے اور اس کے لئے حکمت و موعظت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا۔ حکمت اور موعظت کا اصول پیش نظر رکھ کر جب بھی دعوت تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیا جائے گا۔ اثر انگیز اور نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔ اور جب اس اصل الاصل کو نظر انداز کر دیا جائے گا تو حک و پیکار اور سب و شتم کے سوا کوئی اور نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ اسلام کے داعی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اسی اصول کو پیش نظر رکھا۔ اور داعی اسلام کے جانشینوں نے بھی اسی اصول کو اپنا شعار بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پھلتا پھولتا بڑھتا اور پردان پڑھتا رہا۔

کتاب تفسیر میں بھی ان دونوں الفاظ کی معنویت اور اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے چنانچہ زنجشیری (تفاضلی اور میناوی وغیرہ نے لفظ حکمت سے مراد لیا ہے الحکمة القصیبتہ“ پھر اس کی مزید تشریح کی ہے۔

دھی الدلیل الموقن الحق للشیخہ
یعنی حکمت اس چیز کا نام ہے جو شبہ کے نقایسے
میں حق کو واضح کر دیتی ہے۔

اسی طرح موافقہ حسنہ کے لئے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد القول بالرفیق ہے۔
پھر اس کی تشریح کی ہے۔

ای الذی فیہ الرفق
یعنی وہ بات جس میں رفق و مدار است کہا پہلو
قالب ہو۔

اب مجادلہ احسن کو لہجے یعنی وہ کون سا مجادلہ ہے جو احسن ہو؟
و جادلہم بالقی ہی احسن کالدعاء الی
کفار و مشرکین سے احسن طور پر مجادلہ کرو مثلاً آپہن
اللہ یا آیتہ والدعاء الی حججہ
اشد کی آیتوں اور نشانیوں اور حججوں اور دلیلوں
کی طرف دعوت دینے۔

تفسیر کبیر میں الامم لاری نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔
المجادلۃ ہی المنازعۃ لا لظہار الصواب
بل لالزام مخصص لکن المراد ہہنا
المناظرۃ لجدل الاحسن ان یکون
دیلاً موکباً من مقدمات مسلمة
فی المشہور عند الجمهور و مقدمات
مسلمة عند ذلك القائل و الکبیر
مجادلہ اس منازعہ و جھگڑے کا نام ہے۔ جس کا
مقصد اظہار صواب نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ
مقابل کو الزامی جواب دے کر خاموش کر دیا جائے۔
لیکن اس جگہ مناظرہ اور جدل احسن سے مراد ایسی
دلیل ہے جو ان مقدمات سے مرکب ہو جو جمهور
دعوام کے نزدیک طے شدہ ہیں۔ نیز ان
مقدمات سے مرکب ہو جو خود قائل کے لئے
بھی تسلیم شدہ ہوں۔

صرف تبلیغ تکہ جب ضروری ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شہر توہم خاندان اور گھر کے لوگوں کو اسلام کی
دعوت دیتے تھے۔ خالص نفسیاتی اور دل میں کھب جانے والے اندازہ میں ایک اللہ کی

باو مشاہدت کا اعلان کرتے تھے بت پرستی کے معائب اور تقالہص بیان فرماتے تھے۔ کفر و شرک کے ردائل کی طرف متوجہ کرتے تھے، ایک ایسا دستور حیات پیش فرماتے تھے۔ جو ہر اعتبار سے فطری تھا۔

آپ کی تعلیم کیا تھی؟ — عقاید میں یہ کہ خدا کو ایک مانا جائے مگر وہ شرک سے اجتناب کیا جائے۔ رسالت محمدیؐ کا اعتراف کیا جائے اور قرآن کو خدا کی آخری کتاب سمجھا جائے۔ — اور اعمال میں یہ کہ جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ جو انہ کھیلو۔ شراب نہ پیو۔ نہ مانہ کرو۔ لڑکی کو لڑکی کا، ماں کو ماں کا، بیوی کو بیوی کا، باپ کو باپ کا حق دو۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ یتیموں کے مال و دولت پر حریصانہ نظر نہ ڈالو۔ کسی کا حق نہ مارو۔ سب کے ساتھ رفق و ملاحظت کے ساتھ پیش آؤ۔ — یہ اور اسی طرح کے دوسرے اعمال و عقاید تھے جن کی طرف اسلام لوگوں کو بلا رہا تھا۔

لیکن جن کو یہ دعوت دی گئی وہ کون تھے — ؟

یہ وہ لوگ تھے جو عقائد و اعمال کی ہر گراہی میں مبتلا تھے؛

یہ ایک خدا کے بجائے سینکڑوں ہزاروں خداؤں کو مانتے تھے۔ یہ بتوں کو پوجتے تھے یہ منظر ہر کی پرستش کرتے تھے۔ یہ درختوں، دیواروں، سمندروں، جانوروں کے آگے سر جھکاتے تھے۔ یہ چاند، سورج اور ستاروں کو خالق کل اور رب اکبر مانتے تھے۔ یہ ہر وقت اور ملاحظت کے آگے سر بسجود ہو جاتے تھے۔ ان کی جبین نیاز سب کے سامنے جھک جاتی تھی سوا ایک خدا کے؛

اور اعمال میں ان کا کیا رنگ تھا — ؟

یہ دہرتے سے شراب پیتے تھے۔ یہ جو کھیتے تھے اور گھر کی آخری لپٹھی تک نہیں عزت، ناموس اور وقار تک ہار جاتے تھے۔ یہ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو بھی داؤں پر چڑھا دیتے تھے۔ یہ اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ یہ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادی

کر لیتے تھے۔ یہ حق کے لئے نہیں۔ ان کے لئے تلوار نکال لیتے تھے اور وہ تلوار اس وقت تک
 میان میں نہیں جاتی تھی جب تک خون کے دریا نہ بہ جائیں یہ جب انتقام پر اتر آتے تھے تو
 اس کا سلسلہ نسلوں اور پشتوں تک جاری رہتا تھا۔ یہ بے گناہوں کا خون کرتے تھے۔ یہ بے مال
 اور بے تکلف شریف اور پاکباز عورتوں کو قہقہہ کرتے تھے۔ یہ لڑکی کو لڑکی کا، ماں کو ماں کا اور بیوی کو
 بیوی کا حق نہیں دیتے تھے، دیتے کیا مانتے بھی نہ تھے۔ یہ ہر حق کے ٹوٹنے میں جرمی تھے۔
 معاہدات کی انکی نظریں کوئی رعیت نہ تھی۔ جو ان کا محبوب اور بہترین مشغلہ تھا۔ زنا کاری سے
 انہیں اجتناب نہیں شوق تھا۔ یہ بچوں کو قتل کر دیتے، عورتوں کو کپڑے، مردوں کو ہلاک کر دیتے،
 یہ کسی اصول کے قائل نہیں تھے۔ کسی نظم و ضبط کے خواہگر نہیں تھے۔ کسی دستور و نظام کے پابند
 نہیں تھے۔ ہر وہ بات کو گزرتے تھے جو پسند آجاتی تھی۔ جو یہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے راستے
 میں کوئی رک نہیں تھی۔ یہ جس مذہب کو مانتے تھے۔ اس کے اصولوں پر بھی عمل فرمادی نہیں
 سمجھتے تھے۔ انہوں نے بعض مہینوں کے لئے طے کر لیا تھا کہ وہ محترم ہیں۔ اور اس دوران
 میں جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن ضرورت اور مصلحت کا تعاقب دیکھتے تو بے تکلف اپنی مہینوں
 میں تلوار کھینچ لیتے۔ اور بڑے فخر سے جنگ و پیکار کا سلسلہ شروع کر دیتے۔

ان لوگوں نے جب رسول اللہ کی دعوتِ حق سنی تو کان کھڑے ہوئے۔ سوچا اگر اسلام
 کو قبول کر لیتے ہیں تو ساری مشیخت ختم ہو جائے۔ جو گھروں سے بنا رکھے ہیں وہ ڈھے جائیں گے
 جو ڈھکھوٹے قائم کر رکھے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ اور بیچ بیچ کی جو تفریق قائم کر لی ہے وہ کھلی
 کے جالے کی طرح ٹوٹ جائے گی۔ لہذا سنی کی ان سنی کر دی۔ ان کا دل قبول کر لیتا تھا۔ و ماغ
 ا بکار کرو تیا تھا۔ یہ دل سے بغاوت کرتے تھے اور ماغ کے سامنے سپرانداز ہو جاتے تھے۔ یہ
 نہ صرف خود اسلام قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا
 ان کا ہم قوم یا ہوطن اسلام قبول کرے۔ جو ایسا کرتا تھا یہ اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔ اس کی
 جان کے گھاہک بن جاتے تھے۔ اسے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتے تھے۔ اس کے

بال بچوں کو متاقتے تھے۔ اس کے لئے جینا دو بھر کر دیتے تھے۔ ان کی کوشش صرف یہ ہوتی تھی کہ جس نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ اس سے منحرف ہو جائے۔

آنحضرتؐ کفار و مشرکین کی یہ دھاندلی دیکھتے تھے، مگر خاموش رہتے تھے۔ وہ جتنے جوش و خروش اور جذبہ جوصلہ کے ساتھ دعوت پیش کرتے تھے، اس سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کفار اس دعوت کی مزاحمت کرتے تھے۔ وہ شور مچاتے تھے تاکہ آنحضرتؐ کی آواز کم سے کم کانوں تک پہنچ سکے۔ ہنگامہ آرائی کرتے تھے تاکہ کم سے کم لوگ دعوت اسلام سے آشنا ہو سکیں۔ اسی اسلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جھینا نہ بڑھاؤ کرتے تھے۔ تاکہ وہ اپنی دعوت سے باز آجائیں۔

قد زنا ایک انسان کی حیثیت سے دعوت حق کے جواب میں کفار کا یہ طرزِ عمل اسلوبِ دیکھ کر آپؐ دل بداشتہ ہو جاتے تھے۔ آپؐ کے قلب کو تکلیف ہوتی تھی کہ جب حق اس لئے ہے کہ قبول کیا جائے اور سچائی کی غایت یہ ہے کہ وہ حکمرانی کرے۔ تو یہ کیا بات ہے کہ حق کے سنے سے اعراض کیا جاتا ہے اور سچائی کے سنے سے انکار کر دیا جاتا ہے؟

خدا کے بزرگ بہتر اپنے آخری نبی اور رسول کی یہ ذہنی کلفت دیکھتا تھا اور تسلی دیتا تھا کہ مبلغ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ نتائج کی طرف نظر رکھے۔ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کو انجام دیتا رہے۔ وہ صاف الفاظ میں اپنے رسولؐ سے مخاطب ہو کر فرماتا تھا تمہارا کام یہ نہیں ہے کہ وہ کھیلو، غم اٹھاؤ، پریشان ہو اور وہ رسول کے لئے فکر مند ہو۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں، وہ اجر پائیں گے۔ جو نہیں قبول کرتے ان سے خدا سمجھ لے گا۔

چنانچہ سورہ نحل میں ارشاد فرمایا :-

فان تولانا فما علينا البلاغ

اگر یہ لوگ سمجھائے پر بھی امانہ موطا لیں۔ تو اسے

پیغمبر تمہارے ذمہ صرف کلمے طوہر پر پیام کا

المبین

پہنچا دینا ہے۔

بلاغ مبین ————— یعنی ایسی تبلیغ جو واضح ہو انبیاء ہوں شک و شبہ

اور شبہات سے بالاتر ہو جس میں پیچ و خم نہ ہو کبھی نہ ہو۔ جو ناقابل فہم اور ناقابل قیاس نہ ہو۔
جو گتھلک نہ ہو جس میں کسی قسم کا پیچ و خم نہ ہو۔ ایک لفظ مبین ان تمام مفہوموں پر حاوی ہے
پھر جب تم نے تبلیغ کا فریضہ انجام دے لیا اور تمام شرائط و حدود کے ساتھ
اس فرض سے عہدہ برآ ہو گئے یعنی تبلیغ مبین کر لی۔ تو اب تمہیں افسردہ اور بول ہونے کی
ضرورت نہیں نتیجہ خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دو۔

یعنی اگر وہ لوگ روگردان ہو جائیں۔ تو اسے محمدؐ

ای فلا لوم علیک و هذا تسلیۃ

آپ پر کوئی الزام نہیں ————— ان الفاظ

لہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵

میں گویا آنحضرتؐ کو خدا کی طرف سے تسلی دی گئی

ہے کہ وہ پریشان نہ ہوں ۵

دعوت اسلام کے جواب میں

کفار و مشرکین کا اعراض و انکار

جب کوئی تھی دعوت کسی قوم یا ملت کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اس کی خدمت
تدریجاً لوگوں کو قبول کی جائے رہے اور آمادہ کر دیتی ہے۔ پھر اسلام کی دعوت تو اپنے اثرات و
نتائج کے اعتبار سے بالکل ہی نیا اور چیز تھی۔ اس کے قبول کرنے سے مرنے والی عقائد کا فلسفہ ہی
منہدم نہیں ہونا تھا بلکہ ان مرغوبات سے بھی دستبردار ہونا پڑتا تھا۔ جو قلب و
دماغ کے لئے نشاط و مسرت کے موجب تھے۔ ان رشتوں کو بھی چھوڑنا پڑتا تھا۔ جو گوشت و
ناخن کی طرح ناقابل انفصال تھے۔ ان تعلقات سے بھی علیحدگی اختیار کرنا پڑتی تھی جن کے
استحکام پر نہ جانے کیسے کیسے مہد و پیمان گواہ تھے۔ اسلام کا قبول کر لینا صرف ایک لفظ کا زبانی

سے نکال دیا ہمیں تھا۔ ایک بالکل نئی اور جدید زندگی کا اختیار کر لینا تھا اور پرانی زندگی سے
یکسر قطع تعلق کر لینا!

دعوت اسلام کا جواب

دعوت اسلام کے جواب میں کفار و مشرکین جن اعراف و اغراض کا مظاہرہ کرتے تھے۔
اس سے آپ بہت زیادہ دل تنگ اور پریشان ہوتے تھے۔ اگر سونے کی جگہ تیل اور چاندی
کے بدلے بنا چلتے لگے۔ تو قدرتا جس کے پاس سونے اور چاندی کا ذخیرہ ہے وہ کڑھے گا۔
یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ اپنی آنکھوں سے اپنی قوت نیر سے اپنے
اور اک و احساس سے کام کیوں نہیں لیتے؟ چنانچہ رسول اللہ پر بھی کفار و مشرکین کا اعراف
و اغراض دیکھ کر یہ کیفیت بار بار طاری ہوتی تھی۔ آپ نے یہ خالص پیش کرتے تھے لیکن لوگ
اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور پسلی کی طرف لپکتے تھے یہ رنگ دیکھ کر نلب
نبوی پر صدمہ گزرتا تھا۔ چنانچہ اس کیفیت کے بارے میں قرآن کریم نے ہمارا سورہ شوریٰ،

ذات اعرصوا فما ارسلناک علیہم
جھینطان علیک الا البلاغ

اگر دیکھانے پر ہی یہ لوگ روگردانی کریں۔ تو ہم
نے تم کو ان پر وار نہ بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارے

ذمے تو صرف حکم الہی کا پہنچانا ہے۔

اس آیت میں دعا سخت کے ساتھ یہ حد بندی کر دی گئی کہ دوسروں کے لئے کڑھنے
اور رنج اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ فریقہ تبلیغِ خوبی اور خوش اصولی
سے انجام دے لو اور بس!

گناہوں پر آپ کو وار نہ بنا کر تو ہمیں بھیجا گیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے
ہوئے صوابی نے کہا ہے۔

یعنی آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ یاد دہریے الفاظ میں

فلا تمعونوا لاعتاب علیک

ان آیات میں خدا نے رسول اللہ سے فرمایا ہے کہ تم زندہ رہو یا نہ رہو —
 کیونکہ موت بہر حال انسان کو آتی ہے۔ — کفار کے مدد ان و طغیان کے جواب
 میں ہم ان کے خلاف عقاب و عقاب کا فوری فیصلہ کریں یا نہ کریں۔ یہ ہمارا کام ہے
 اور یہ ہم ہی جلتے ہیں کہ ہمیں کون سا کام کرنا چاہیے اور کون سا نہیں؟ اور جس کام
 کو کرنا چاہیے اس کے صدور اور وقوع کے لئے کون سا وقت منتخب کیا جائے؟
 بہر حال ہر شخص کے اعمال کا ہم محاسبہ کریں گے۔ جو کھرا ثابت ہو گا وہ بچ جائے گا
 جو کھوٹا ثابت ہو گا۔ اسے سزا ملے گی۔ لہذا تم بغیر کسی فکر کے اپنا فریضہ تبلیغ انجسام
 دیتے رہو۔ اور اس بات پر ذرا بھی رنج نہ کرو کہ تمہاری دعوت مسوع ہوتی ہے یا نہیں؟

اطاعت اور بلاغ

جو لوگ یہ سمجھ لیں کہ اسلام دین حق ہے، جو اسے مان لیں کہ قرآن خدا کا آخری
 کلام ہے۔ جو اسے تسلیم کر لیں کہ محمد خدا کے آخری نبی ہیں۔ ان کا فریضہ یہ ہے کہ
 سب سے پہلے جو احکام خدا اور رسول کی اطاعت کریں۔ جو خدا کہے اسے مانیں۔ جو رسول
 بتائے اس کے آگے گردن جھکا دیں۔ لیکن جو لوگ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں
 خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ تو ہم ان سے سمجھ
 لیں گے۔ ہمارے رسول اور پیامبر کا کلام بس اتنا ہی ہے کہ وہ پوری صفائی اور مچائی کے
 ساتھ بندوں تک ہمارا پیغام پہنچا دے یہاں سے اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ
 سورہ تغابن میں ارشاد فرمایا

اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر من الله
 ان يطعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر من الله
 ان يطعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر من الله
 ان يطعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر من الله

یعنی اگر یہ لوگ اسلام سے منہ موڑ لیں

تو نہ ہمارے رسول کو کوئی نقصان پہنچے گا نہ

فلا ضرر ولا یاس علی رسولنا

اس کا کوئی حرج ہوگا۔

اہل کتاب سے خطاب

اہل کتاب اور مشرکین کو بھی قرآن نے مخاطب فرما دیا۔ چنانچہ سورہ آل عمران

میں فرمایا:-

اہل کتاب و ذواقفوں سے کہہ دو کہ تم بھی اسلام

قل للذین اوتوا الكتاب والامیین

لا تم ہو رہا نہیں؟ پس اگر اسلام سے آمیں

ما سلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا وان

تو بے شک راہ راست پر آگئے۔ اور اگر منہ

تولوا فما انا علیک البلاغ والله بصیر

مور لیں، تو تم پر صرف حکم الہی کا پہنچا دینا ہے

بالعبادہ

گویا سارا زور تبلیغ ہی پر ہے۔ نہ کہ اس کے اثرات و نتائج پر۔ یہ خطاب یہود

نصاری اور مشرکین عرب سے ہے۔

مزید وضاحت:

سورہ نور میں ان لوگوں کو مخاطب کیا جن تک رسول اللہ نے دعوت پہنچائی

تھی، فرمایا

دان سے کہو کہ خدا اللہ رسول کا حکم مانو،

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول

لیکن اگر تم روگردانی کرو گے تو جو ذمہ داری رسول

فان تولوا فانا علیہ ما حمل وعلیکم ما

پر ہے اس کے جوابدہ وہ ہیں اور جو ذمہ داری تم پر ہے اس

حملتم وان تطیعوا تہتدوا وما علی

کے جوابدہ تم ہو گا اور اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت

الرسول الا البلاغ المبین

پاؤ گے۔ اور رسول کے ذمہ تو صرف (حکم خدا کا) پہنچا دینا ہے۔

نہ صفحہ ۶۶ (جلا لیلین) ۱۰ صفحہ ۶۷ (جلا لیلین)

قرآن مجید میں اس طرح کی متعدد آیات ملیں گی جن میں آنحضرتؐ کو تسکین دی گئی ہے کہ وہ رد دعوت پر ملول و افسردہ نہ ہوں۔ نتائج کو خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دیں اور اپنے فریضہ کی طرف متوجہ رہیں۔ ان آیتوں میں خواہ یہ کئی ہوں یا مدنی یعنی خواہ اس دور میں نازل ہوئی ہوں۔ جب ہجوم کفار کے مقابلہ میں آپؐ بالکل یکہ و تنہا تھے۔ یا اس زمانہ میں جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اور پرورانہ دار مسلمان آپؐ پر جان نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ اور تیار تھے۔ ہر دور میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ تم راے محمدؐ، اپنا دھیان صرف تبلیغ کی طرف رکھو۔ اس کی فکر نہ کرو کہ دعوت سنی جانی ہے یا نہیں؟ کسی موقع پر بھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو لوگ دعوت اسلام کے ماننے سے انکار کریں یا مننے سے گریز کریں۔ ان پر سختی کرو، ان پر جو رکرو، انہیں مجبور کرو کہ وہ تمہاری دعوت قبول کر لیں اور تمہارا پیام گوش ہوش سے سنیں۔

تذکیر اور عذاب اکبر

سورہ غاشیہ میں آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا

فدکرا امتانت مذکرہ لست	داے پیغمبر تم لوگوں کو، مجھاؤ۔ اور تم صرف
علیہم بصیطرہ الامن تولی و کفرہ	مجھا دینے والے ہو۔ تم ان پر داروغہ کی طرح
فیعدبہ اللہ العذاب الاکبرہ	تو مسلط ہو، نہیں۔ ہاں جو روگردانی کرے اور
	انکار کرے تو خدا اس کو بڑا عذاب دے گا۔

اس آیت مبارکہ میں تین باتیں علی الخصوص فکر و تامل کی مستحق ہیں

۱۔ آنحضرتؐ سے فرمایا کہ لست علیہم بصیطرہ — یعنی تم ان کافروں اور مشرکوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔ اگر یہ تمہاری باتیں نہیں سنتے، اسلام نہیں قبول کرتے، حق کے ماننے سے انکار کرتے ہیں تو کرنے دو۔ تم نے تبلیغ کر لی اور اپنے فریق سے عہدہ برآ ہو گئے، تمہیں ملول اور افسردہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

صرف اپنے اعمال و افعال اور خیالات و عقاید کے ذمہ دار ہونے کے دوسروں کے ذمہ دار ہوتے پر قائم رہو۔ دوسرے راہ راست اختیار کرتے ہیں یا نہیں۔ اس سے تمہیں قطعاً کوئی سروکار نہیں۔

۲۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ جو لوگ اسلام کی دعوت قبول نہیں کرتے وہ حق، صداقت اور سچائی کو ٹھکراتے ہیں۔ اور اس طرح ایک بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ گناہ کی سنگینی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایسے منکروں کے لئے فرمایا ————— **فِي عَذَابِ الْاَكْبَرِ انِ الْخَاطِئِ الَّذِي يَنْدِرُ فِيهِ مِنَ الْكُفْرِ** زور ہے۔ یعنی خدا ان منکروں کو عذاب اکبر میں مبتلا کر دے گا جس گناہ کی سزا صرف عذاب اکبر ہے بلکہ عذاب اکبر ہو۔ اس کی سنگینی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ گو یا رسولؐ کو اور اس کے ذریعے ساری دنیا کو یہ بھی بتایا کہ یہ دعوت کتنی زبردست اہمیت کی حامل ہے؟

انہی عظیم و جلیل دعوت جس سے جو ذرا انکار عذاب اکبر کا موجب ہو۔ پھر بھی وہ سنگین اور تلوار کے بجائے تذکیر ہی اپنے جلو میں ساتھ لاتی ہے۔ —————
تذکیر یعنی یاد دہانی! اس سے زیادہ کچھ نہیں! بذاتِ ذات طاعت نہ جو نہ جبر، بلکہ جس شدت کے ساتھ عذاب اکبر کی ذمہ داری سنبھالی۔ اسی زور کے ساتھ رسولؐ کو یہ بھی بتا دیا انمانت مذکورہ یعنی تم صرف تذکیر کرنے والے ہو۔ یاد دہانی کرنے والے۔ اور پیام پہنچانے والے ہو۔ اپنا کام کرتے رہو، پیام پہنچاتے رہو۔ یہیں تمہارا کام ختم ہو جاتا ہے۔

مصیطہ یعنی داروغہ کی تشریح مفسرین کے الفاظ میں یہ ہے۔
ای بسلطہ تیکرہم علی الیمان
مصیطہ کے معنی ہیں اس شخص کے جو مسلط

من السطر بمعنی تسلط یقال سطر
علیہ ای تسلط

ہو جائے اور کفار کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کرے
سطر کے معنی تسلط کے ہیں چنانچہ عربی میں کہتے
ہیں سطر علیہ یعنی اس پر مسلط ہو گیا۔

عذاب اکبر کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے۔ عذاب آخرت مراد ہے اسکے مقابلہ میں
عذاب اصغر وہ سمجھا جاتا ہے۔ جو دنیا سے متعلق ہو مثلاً قتل، گرفتاری، سزا پائی وغیرہ۔
یا وہ گوئی اور درشت کلامی

دعوت اسلام کے جواب میں کفار بڑی یا وہ گوئی اور درشت کلامی کا مظاہرہ کیا
کرتے تھے۔ ان کے الفاظ جو مسز سرکشی، تمرد، شرارت اور بدنفسی پر مبنی ہونے لگے تینرو
نشرین کو آپ کے دل پر اثر انداز ہونے لگے یہ کافر اور مشرک اسلام کی تعلیمات کے
خلاف، خدا کے خلاف، اسلام کے اصول اور عقائد کے خلاف طرح طرح کی یا وہ گوئیاں کیا
کرتے تھے آپ سنتے تھے اور خاموش رہتے تھے لیکن دل پر تو ان کا اثر پڑتا ہی تھا۔ لاکھ
لاکھ ضبط کرنے پر بھی ذہن و دماغ میں یہ سوال بہر حال پیدا ہوتا تھا کہ آخر ان کی بد مذہبانی اور
بد کلامی پر خدا کی طرف سے کبھی کیوں مل رہی ہے؟ چنانچہ سورہ ق میں ارشاد ہوا

نحن اعلم بما یقولون وما انت
علیہم مجبار فذکر ما لقوان من
نجاف و عیدہ

یہ دیکھو جو کچھ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں، تم
ان پر (حکم) جابر نہیں ہو۔ جو شخص ہمارے عذاب
سے ڈرتا ہے۔ اس کو ذرا ان سے گزرتے رہو۔

جبار کی تفسیر کرتے ہوئے صاوی نے لکھا ہے۔

وما انت علیہم مجبار تجبرہم
علی الایمان من الاجبار والجبیر

اے محمد آپ کافروں پر جبار نہیں بنائے

گئے ہیں کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔

بدکلامی کا جواب

سورہ جن میں اور زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیام اسلام اس کی حقیقت اور نتائج و عواقب پر گفتگو کی۔ صاف اور کھلے الفاظ میں کفار، منکرین و مشرکین کو بتایا کہ ہم میں سے ہر شخص خود ہی اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو خود ہی اپنے افکار و تصورات، عقاید و خیالات اور نظریات کو ٹوٹنا چاہیے کہ ان میں اور حقیقت میں کہاں تک مطابقت اور ہم آہنگی ہے؟ میرا کام یہ ہے کہ میں خدا کو پوجوں، اس کا پیام ان لوگوں تک پہنچا دوں جو حقیقت حال سے ناواقف ہیں۔ اور پھر بھی جو لوگ نہیں مانتے، نہیں سنتے، نہیں دیکھتے، انہیں یہ بھی بتا دوں کہ منکروں کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔ گو میں ان پر جبر و جور نہیں کر سکتا، لیکن خدا کی گرفت سے وہ بہر حال نہیں بچ سکیں گے۔

چنانچہ سورہ جن میں ارشاد ہوا

اسے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو۔ کہ
میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا
ہوں۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا۔ ان
سے کہو کہ تمہارا نقصان یا فائدہ میرے اختیار
میں نہیں (ان سے کہو کہ خدا کے غضب سے
کون سی کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ اس
کے سوا کہیں مجھ کو ٹھکانہ مل سکتا ہے۔ میرا
بچاؤ تو اس میں ہے۔ کہ خدا کے حکم اور اس کے
پیغام پہنچا دوں۔ جو شخص خدا اور اس کے رسول
کی نافرمانی کرے گا۔ اس کے لئے دوزخ کی آگ
ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

قل إنما ادعوا سربى دلا اشرک
به احد اقل اتى لا املك لکھ
ضراً ولا رشداً قل انى لا یجیرتى من
الله احد ولن اجد من دونه ملجداً
الابلخا من الله ورسالته و من
یعص الله ورسوله فان لهنا سار
جہنم خالدین فیها ابدآء

الابلاغ کی تفسیر کرتے ہوئے عادی نے لکھا ہے۔

ای لا املک لکم الا البلاغ البیکر یعنی تمہارے اوپر اس سے زیادہ میرا کوئی اور

اختیار نہیں ہے کہ پیغمبر الہی تم تک پہنچا دوں۔

مبارک ہیں اس کی تفسیر یوں آئی ہے۔

ای ان لم یبلغ لم اجد من

یعنی اگر میں خدا کا پیغام تم تک نہ پہنچاؤں تو

دوستہ ملتیم اولاً عجبر الی پھر اس سے مجھے پناہ دینے والا کون ہو گا؟

یعنی میری تبلیغ کی بنیاد خود اپنا نخط ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں!

مشرکین کے ایرادات

آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اسلام کا پیغام سن کر کفار و مشرکین عجیب عجیب قسم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ طعن، تشبیح، تعریف، انکار، جھوٹ، طعنان، سرکشی سب کچھ

وہ صرف یہی نہیں کرتے تھے کہ اسلام کے قبول کرنے سے انکار کرویتے ہوں۔ وہ دل

دکھانے والے الفاظ بھی استعمال کرتے تھے۔ وہ دل شکن، الفاظ میں دعوتِ حق کا مذاق

بھی اڑایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ ان سب باتوں کو سنتے تھے اور دعوتِ حق کا سلسلہ جاری

رکھتے تھے۔

یہ کفار اگرچہ جاہل اور ناخواندہ تھے۔ لیکن اعتراض کرنے میں جہالت کے باوجود

زیادہ سے زیادہ ذہانت کا ثبوت دیتے تھے۔ یہ آنحضرتؐ سے پوچھا کرتے تھے۔ جب

خدا خالق کائنات ہے اس کے انشاء پر یہ سارا نظام کائنات چلتا ہے۔ وہ جو چاہے

کر سکتا ہے۔ پھر وہ چاہے تو ذروں کو بھی بدل سکتا ہے۔ تصورات اور معتقدات میں بھی

انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ وہ کیا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ آپ کو رحمت تبلیغ و تائید کیوں دیتا

ہے کہ کوئی ماننا ہے اور کوئی نہیں ماننا۔ کوئی سنتا ہے اور کوئی سنتے سے انکار کر دیتا ہے

بیدھا اور صاف دانت یہ ہے کہ خود خدا ہمارے دل بدل دے۔ ہماری زبان انکار، انفراد

سے آشنا ہو جائے گی ہمارا شرک تو جیسے بدل جائے گا۔ ہمارا مجود و طغیان، اطمینان
والقیاد کا لباس پہن لے گا۔ پھر نہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف، یا ذریت سے دو پیارہ ہو تا پڑے
گا نہ ہمیں، ساری دنیا موحدین جائے گی۔ کائنات کا گوشہ گوشہ پیغام اسلام سے
آشنا ہو جائے گا۔ اس کورہ ارض کا ہر باشندہ دین حق قبول کرے گا۔ اور اگر خدا ایسا
نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خود اس کی مرضی یہی ہے کہ ہم کفر پر جمے رہیں۔

ان باتوں میں کتنا گہرا طنز تھا؟ کتنا کھلا ہوا انکار تھا؟ کتنے استقلال و استحکام کے
ساتھ راہ ضلالت پر اعتماد رہنے کا عزم تھا؟ یعنی آپ لا کھڑے دعوت و تذکیر کا سلسلہ جاری
رکھیں ہم تو اپنے مسلک و مذہب پر قائم رہیں گے!
چنانچہ سورہ نحل میں خدا نے کفار و مشرکین کے ان الفاظ کو نقل کر کے جو وہ
دعوت اسلام کے جواب میں اندراہ طنز و تہنیں استعمال کیا کرتے تھے۔ اسخوی جواب
دے دیا ہے۔

مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ
ہم اس کے سوا کسی اور چیز کی پرستش کرتے اور
نہ ہمارے بڑے ہی۔ اور نہ ہم اس کے حکم کے
بلوں کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسا ہی ان
سے پہلوں نے کیا تو پھر اب رسول پر سوا
اس کے کیا ذمہ داری ہے کہ وہ تبلیغ کافر لیفہ
واقع طور پر بسر انجام دے لیں۔

وقال الذين اشركوا الموشاء
اللهم ما عبدنا من دونه من شئ
ولا ابائنا ولا احدا منا من دونه من
شئ اذن لك فعل الذين من قبلهم
فهل على الرسول الا البلاغ المبين، ۵

”بلاغ مبین“ کی تفسیر میں ہماوی نے کہا ہے۔

یعنی پیغمبر کی ذمہ داری صرف تبلیغ

والا بلاغ المبین ویس علیہم

ہے۔ ہدایت نہیں!

ہدایۃ

مشک امن کی جگہ پہنچا دیا جائے

کوئی مشرک مسلمانوں میں اگر کسی طرح پہنچ جائے تو اس کے ساتھ اسلام نے
حسن سلوک کی بلند ترین تعلیم دی ہے

تذیب اور عقیدہ کا اختلاف بہت قدیم ہے اور قتل یا قیدیم ہے اتنا ہی مہلک اور
جانسوز بھی ہے پہر گناہ معاف کیا جاسکتا ہے ہر خطا بخش دی جاسکتی ہے۔ غلطی سے
صرف نظر کر لیا جاسکتا ہے۔ لیکن کبھی اور کسی حالت میں اس شخص کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔
یونہی ہی اختلاف رکھتا ہو اور اگر معاف بھی کر دیا جائے تو بھی اس کے ساتھ واداری۔ حسن
سلوک، سادہ وسعت قلب کا مظاہرہ تو ہرگز نہیں کیا جاسکتا، اسے پناہ نہیں دی جاسکتی۔ اس
کی رہنمائی نہیں کی جاسکتی۔ اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا برتاؤ نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اسلام میں طرح اپنی تمام چیزوں میں منفرد اور یگانہ ہے۔ اسی طرح اس معاملہ میں
بھی اس کا مسلک دوسرے کا بیان سے جدا ہے۔ وہ صاف الفاظ میں حکم دیتا ہے۔ کہ اگر
کوئی مشرک ————— یعنی وہ شخص جو ایک خدا کو نہیں مانتا۔ بلکہ بہت سے دیوتاؤں

دیوتاؤں اور معبودوں کو پوجتا ہے ————— تم سے ————— بے بس اور مجبور ہو کر
جائز کی امان طلب کرے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اسے پناہ دو اس کے کانوں تک
اپنی دعوت اور پیام پہنچاؤ، اور پھر بھلائی تمام اسے کسی امن اور عافیت کی جگہ پہنچاؤ۔
اس سے بڑھ کر ایک غیر مذہب کا اور ایک غیر مذہب کے پرستار کے جذبات کا احترام اور کیا
ہو سکتا ہے؟

چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا

ان احد من المشركين استجارك

فاجروا في لسمع كلام الله ثم ابلغوه

مأمنه ذلك بانهم قوم لا يعلمون ۵

اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو

اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ داخلینان سے

کلام خدا کو سن لے پھر اس کو اس کے امن کی

جگہ: آپس پہنچا دو۔ یہ (سب لوگ) اس لئے ذکر نہ
 فرمودہ ہے کہ یہ (مشرک) نادانقت روگ ہیں
 کافر کو اس کے مفاد میں تک پہنچا دینے کا جو ذکر قرآن میں آیا ہے اس کی تفسیر
 کرتے ہوئے صحابی نے کہا

... ابلغة ما منه اى ان اسراد
 الانصراف ولم يسلط وصله الى قومه
 ليتدبر في امرة
 کافر کو اس کے مفاد میں تک پہنچا دو۔ یعنی
 گو کہ موت اسلام سننے کے بعد وہ آپس جانا چاہے
 اور اسلام نہ قبول کرے تو اسے اس کی قوم تک
 حفاظت سے پہنچا دو تاکہ (بعد میں) وہ راہِ طیبان
 کے ساتھ نبی الازہن ہوگی معاملہ پر نور کر سکے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ پناہ طلب کرنے والا کافر وہ ہے جو

استأمنك من القتل
 تم سے جان بخشی چاہ رہا ہو!

یعنی جس کی زندگی اور موت تمہارے ہاتھ میں ہو

اس آیت کریمہ سے جو نتائج و ہدایات علامہ جصاص نے پیدا کئے ہیں۔ ان کا ذکر

اس جگہ ضروری ہے۔ فرماتے ہیں۔

اس آیت کا اقتضا یہ ہے کہ جو جی

قد اقتضت هذی الایة

جب ہم سے امان طلب کرے۔ تو اسے امان

جو انما امان المحرری اذا طلب ذلك

دے دینا جائز ہے۔ تاکہ وہ اسلام کی

ما یسمع دلالت صحیحۃ الاسلام

صحت اور صداقت کے دلائل سن سکے۔ کیونکہ

لان قولہ تعالیٰ را استجارک معناه

اللہ کا قول را استجارک۔ اگر تم سے پناہ کا

استأمنک وقولہ تعالیٰ فا حبرہ

خواہتہ گار ہو، یہ معنی رکھتا ہے کہ اگر وہ تم

معناه فامنه حتی یسمع کلام

سے طالب امن ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول

اللہ الذی فیہ الدلائل علی صحیحۃ

تو حید و علی صحیحہ نبوتہ النبی صلی
 اللہ علیہ وسلم ہذا یدل علی ان
 الکافر اذا طلب من اقامة الحججة
 و بیان توحید اللہ و صحیحہ نبوتہ النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم و انہ غیر جائز
 لتاقتله اذا طلب ذمۃ من الا بعد
 بیان الدلائل و اقامة الحججة لای
 اللہ قنا امرنا باعطاء الایمان یصح
 یسمع کلام اللہ و فیہ الدلائل
 ایضا علی ان علینا تعلیم کل من
 النفس من تعریقہ شیئاً من امور الدین
 لان الکافر الذی استجارنا یسمع
 کلام اللہ انما قصد التماس معرفۃ
 صحیحۃ الدین و قویۃ تعالیٰ رثم ابلغہ
 ما منه ایضا علی ان علی الامام
 حفظ ہذا الحربی المستجیر و منع
 الناس من تناولہ لبشر لقولہ
 رنا جردہ اذ قولہ رثم ابلغہ الی ما منہ
 فی ہذا الدلیل ایضا علی ان علی الامام
 حفظ اصل الذمۃ و المنع
 من اذیتہم و التخطی الی

نہیں اسے پناہ دو؟ یہ معنی رکھتا ہے کہ
 اسے امن دے دو۔ تاکہ وہ اللہ کا کلام
 سن لے۔ جس میں صحت نبوت کے دلائل
 ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت
 نبوت کی دلیل ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت
 ہوتی ہے کہ اگر کوئی کافر اللہ کے بیان نبوت اور
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت نبوت کے بارے میں انکسرت
 دلیل دیر بیان کا مطالبہ کرے۔ تو ہمارے لئے
 اس کا قتل کر دینا جائز ہے۔ جبکہ اس
 سلسلہ میں وہ ہم سے طالب امن ہو۔ ہوا
 اس سے اس سے کہ ہم دلیل بیان کر چکیں۔
 اور صحبت قائم کر لیں۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ
 نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسے ایمان دیں۔
 یہاں تک کہ وہ کلام الہی سن لے۔ اور اس
 سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر
 کوئی ہم سے ابور دین کی تشریح و تبیین چاہے
 تو ہم اسے تعلیم دیں۔ اس لئے کہ وہ کافر
 ہمارے پاس اس لئے پناہ گزین ہوا ہے کہ
 صحت دین کی معرفت حاصل کرے۔ اور
 اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ پھر اسے کافر یا
 مشرک کہ، اس کے مامن میں پہنچا دو۔ دلیل

ہے۔ اس بات کی کہ مشیر عربی کی حفاظت

..... امام وقت پر واجب ہے۔ اور

لوگوں کو اسے گزند نہ پہنچانے سے روکنا فرض

ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اسے امان

دو" اور خدا کے اس قول سے کہ اسے اس کے

ہاں تک پہنچا دو۔ یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ امام

وقت کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل ذمہ رکازو

مشرک اسے جان و مال کی حفاظت کرے۔

انہیں کسی طرح کی اذیت اور تکلیف نہ پہنچنے دے

اور انہیں ہر طرح کے ظلم و جور سے بچانے

غور کر لیجئے۔ یہ سورۃ توبہ کے الفاظ ہیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے۔ یعنی مدینہ منورہ میں

آنحضرتؐ پر نازل ہوئی ہے۔ یعنی اس کے نزول کا زمانہ وہ ہے جب اسلام بڑھ پکڑ چکا

تھا۔ مسلمان طاقت اور شوکت حاصل کر چکے تھے۔ بے بسی اور بے کسی کا یعنی کئی زندگی

کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اس دور میں بھی رواداری پوری شان جمال کے ساتھ اپنی جھلک

دکھا رہی ہے۔ کہیں سے بھی رحم رعایت اندرون کے بجائے جبر اور زیادتی کی

حوصلہ افزائی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ خود فرمائیے نہ صرف یہ کہ روایت پر کسی

قسم کے انقباض اور برہمی کا اظہار نہیں فرمایا گیا ہے۔ بلکہ اسے "ناواقفیت" سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ انہم لا یعلمون۔ اس سے بڑھ کر کوئی مثال اس

آسمان کے نیچے آج تک رواداری حسن سلوک اور ختم پوشی کی مل سکتی ہے؟

اظہار و افتخار

سورہ مائدہ میں ————— یہ سورہ بھی سننی ہے ————— کفار و مشرکین کی حقیقہ اور غلامیہ گھاتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا نے بتدک و بوز نے فرمایا۔

ما علی الرسول الا البلاغ والله
یعلم المتبدون و ما لتکتون
یعنی صرف دہار سے حکم پہنچا دینے کا ذمہ دار ہے اور اسے کافر اور مشرکوں اللہ تمہاری کھلی پچھی دسب باتوں کو جانتا ہے۔

یعنی تم یہ نہ سمجھو کہ تم طی اہر ظہور اور ڈھکے چھپے جو کچھ کہتے اور کرتے ہو۔ وہ صرف تم ہی تک محدود ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے ہی نوع تمہاری باتوں کی سن گن نہ پا سکیں۔ تمہاری گھاتوں کی نہ تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن تم خدا سے تو اپنی کوئی چیز تمہیں چھپا سکتے۔ اس کی نظر سے نہ تمہارا خیال چھپ سکتا ہے نہ عمل۔ رسول تو صرف اتنا ہی کرے گا۔ کہ ہمارا پیغام پہنچا کر فارغ ہو جائے گا۔ باقی رہے تمہارے مکتوبات اور مکتوبات۔ سوان کے بارے میں یاد رکھو کہ ہم نہیں خوب جانتے ہیں!

نہ ماننے کی اجازت

قرآن میں کہیں بھی کوئی اشارہ اس امر کا نہیں مل سکتا کہ جو شخص یا جماعت دعوت اسلام کا جواب انکار کی صورت میں دے اس کے ساتھ کسی قسم کی بھی نہ باوتی دوار بھی جلسہ۔ قرآن جتنا جتنا اپنی دعوت کی حقانیت اور صداقت پر زور دیتا ہے، اتنا ہی زور وہ اس امر پر بھی دیتا ہے۔ کہ اس پیغام حق کو سننے کے بعد جو تمہارا ضمیر کہے، جو تمہاری رائے ہو وہی پر عمل کرو۔ اگر بات دل میں آئے جائے تو مان لو، نہ آئے تو نہ مانو۔ مان لو گے تو دین و دنیا دونوں جگہ فلاح و نجات کے دروازے تم پر کھل جائیں گے نہیں مانو گے تو عذاب و عتاب کے سزاوار ٹھہرو گے۔ لیکن یہ عذاب و عتاب جو کچھ بھی ہو گا اور جس درجہ میں بھی ہو گا وہ صرف خدا کی طرف سے ہو گا۔ رسول کی طرف سے مسلمانوں کی طرف سے

مسلم حکومت، معاشرے اور مومنانہی کی طرف سے نہیں۔۔۔ اس لئے کہ اسلام اس کا قطعاً قائل نہیں ہے کہ گونہالی کر کے کسی کو راہ ہدایت دکھائی جائے۔ چنانچہ سورہ کہف میں ارشاد ہوا

قل الحق من ربك فمن شاك
فليؤمن ومن شاء فليكفر
دان سے کہو کہ حق خدا کی طرف سے ہے
جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے
نمانے۔

سورہ زمر کی تشریح و وضاحت اور زیادہ نمایاں ہے

قل الله اعلم مخملاً له
ديق فاعبدوا ما شئتم من دونه
دان سے کہو کہ میں تو خدا ہی کی فرمائنداری
در نظر رکھ کر اس کی عبادت کرتا ہوں۔ تم اس کے
سوا جس کو چاہو پوجو۔

بصائر و نظائر

خدا نے انسان کو پیدا کیا، اسے بصارت بھی شرط کی اور بصیرت بھی، چشم ظاہر بھی اور چشم باطن بھی۔ ساتھ ہی ساتھ اسے فکر و شعور کی نعمت سے مالا مال کیا۔ اسے یہ صلاحیت دی کہ وہ اندھیرے اجالے میں تمیز کر سکے، نیکی بدی کو پہچان سکے، حق اور باطل کو پرکھ سکے۔ اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کتابیں بھیجیں، پیغمبر بھیجے۔ بھلائیوں سے رغبت کا اور برائیوں سے استنکراؤ و انقباض کا ملکہ پیدا کیا۔ پھر بھی اگر وہ دل کی آنکھیں بند رکھتا ہے، بصیرت سے کام نہیں لیتا، چشم باطن کو معطل کر دیتا ہے۔ تو اس کی ذمہ داری پیامبر پر نہیں۔ خود اسی شخص پر ہے کہ وہ ماحول اور دوسرے عوامل سے اتنا متاثر ہو جائے کہ حق کو چھوڑ دیتا اور باطل کو اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

قد جاءكم بصائر من ربكم
من ابصروا نفوسهم ومن علمها
لوگو، تمہارے خدا کی طرف سے دل کی
آنکھیں تو تمہارے پاس آچکی ہیں۔ پھر اب،

وما انا علیکم بحفیظ ۵

جو دیکھتا ہے تو اس کا نفع، اس کی ذات

کے لئے ہے۔ اور جو اندھا ہو جاتا ہے تو اس

کا وبال، اسی کی جان پہ ہے ان سے کہو، کہ میں

تم لوگوں کا کچھ محافظ تو ہوں نہیں!

”وما انا علیکم بحفیظ“ کی تفسیر مفسرین نے یوں کی ہے۔

سرتیب لاعمالکم انما یعنی اسے لوگو! میں تمہارے اعمال کا

نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں تو صرف تیار

انانذیر

ہوں یعنی خدا کے غضب سے تمہیں ڈرانا رہنا

ہوں، خواہ ڈر دیا نہ ڈرے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہ ساری دنیا مسلمان کیوں نہیں ہو جاتی؟ خدا کے قبضہ و اختیار میں سب کچھ ہے

وہ جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے جہاں

پھر وہ کیوں نہیں چاہتا۔ کہ یہ کفر و شرک کا امتیاز ختم ہو جائے؟ اور ساری دنیا

خدا کی بیکتائی کے سامنے سر جھکا دے؟ یہ خیال ہر انسان کے دل میں آتا ہے، اور

اسکتا ہے۔ وہ سوچتا ہے میری دعوت حق ہے مگر وہ مقبول نہیں ہوتی۔ لوگ ناحق اور

ناستی کی طرف بے تکلفی اور شوق و ذوق کے ساتھ لپکتے ہیں۔ ایسا کیوں نہیں ہونا کہ

خدا لوگوں کے دل بدل دے۔ ان کے اندر یہ صلاحیت پیدا کر دے کہ وہ کفر و شرک کی طرف

راغب نہ ہوں اور حق و صداقت کو بے چون و چرا تسلیم کر لیں؟

لیکن یہ کارگاہ عالم اپنا ایک مستقل نظام رکھتا ہے یہاں ہر چیز صرف اس لئے نہیں

واقع ہو جاتی۔ کہ اسے واقع ہونا چاہیے۔ ہر چیز کے ذوق و صدور کے لئے کچھ خاص شروط و

حدود ہیں۔ اس دنیا میں ہر شے ضروری ہے تیار کی جی اپنی ضرورت کا ثبوت رکھتی ہے۔

فرشتوں کے گردہ میں ابلیس، انسان کی عقول میں فرعون، شداو، امان، ابو جہل —
 بظاہر یہ کتنی تعجب خیز بات ہے، کہاں فرشتوں کا گردہ اور کہاں ابلیس، کہاں
 انبوت المخلوقات، انسان اور کہاں نمرود و ابو جہل۔ کہاں نطق محمد اور کہاں کفار و مشرکین مکہ
 کی دیدہ و منہی۔ لیکن اس دنیا میں کسی امر کا وقوع و صدور، صرف تقدیر اور صداقت کی بنیاد
 پر نہیں ہوتا۔ کچھ دوسرے عوامل اند محرمات بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ اثرات بہر حال ہر دے کا راکر
 رہتے ہیں لہذا باطل کے وجود، طغیان کے وقوع، نمرود کے صدور اور حق سے مرض و انکار
 کے اظہار پر دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ نتائج سے بے پردہ ہو کر اور زیادہ شدت
 کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنے کی ضرورت ہے۔ کفار و مشرکین کی روش پر آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی دل گرفتگی کے بارے میں تیران نے یہی کہا ہے چنانچہ سورہ
 انعام میں ارشاد ہوا

ولو شاء الله ما اشركوا
 وما جعلناك عليهم حفيظا. وما
 ات عليهم بوكيل ۵
 اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ہم نے
 تم کو ان پر کوئی محافظ مقرر نہیں کیا۔ اور تم
 ان کے وکیل ہو کہ انہیں بچھکنے نہ دو

اس مفہوم کو اور زیادہ کھول کر سورہ یونس میں خدا تعالیٰ نے فرمایا

ولو شاء ربك لامن في الارض
 كلهم جميعا اذ انت تعجزه الناس
 حتی يكفوا مؤمنين ۵
 اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو دنیا کے تمام
 آدمی سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو یک
 تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب کے سب
 ایمان لے آئیں؟

اس کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے کہا ہے۔

افانت تعجزه الناس ما
 لم يشاء الله
 کیا تم خدا کی مرضی کے خلاف لوگوں
 کو مجبور کر سکتے ہو؟

صاوہی کا قول ہے :-

یوں رسول اللہ کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ

تسلیۃ للنبی عن حرمہ

یہ تمنا رکھتے تھے کہ سب کے سب کافر اور

علی ایمانہم کلہم

مشرک مسلمان ہو جائیں ۛ

اسلام کے عمیرات اور خصوصیات

غیر مسلموں کو اعتقاد اور عمل کی آزادی

اسلام کے نکتہ چینیوں نے نہ جانے کیوں اسلام کو فطرانگ میں پیش کرنے کی ہمیشہ نامناسب اور ناروا کوشش کی ہے ایک بڑی طبقہ اس خیال پر مصر ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ یہ لوگ ایسا نہیں سوچتے کہ اگر واقعی اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ تلوار اس کے ہاتھ میں آئی کہاں سے؟ اسلام کی صدا جب تک میں بلند ہوئی تو اس کی مطلوبیت کا یہ عالم تھا کہ داعی اسلام پر آواز کے کسے جاتے تھے۔ اس کی دعوت کا مذاق اڑایا جاتا تھا، اس کے دانشوروں میں کائنات بچھانے جاتے تھے۔ سجدہ کی حالت میں اس کی پٹھ پر لومڑی کی زندگی اور بوجھل اور چھڑی رکھ دی جاتی تھی۔ شور و غل اور ہنگامہ آرائی میں اس کی آواز دیا دی جاتی تھی۔ اسے زخمی اور بے ہوش کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ آخر اس نے ہجرت یعنی ترک وطن اور نقلِ اقامت کی ٹھانی۔ اس لئے کہ اب تک میں رہنا اور یہ مظالم سہتے رہنا اس

کے اور اس کے رفقا کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔

ہجرت کے بعد اسلام کا فائدہ مدینہ پہنچا۔ مدینہ آنے والے مسلمان اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے۔ ضروریات زندگی کی معمولی سے معمولی برتنے والی چیزیں بھی اپنے ساتھ نہ لاسکے تھے۔ مدینہ میں جب یہ پہنچے ہیں تو عاظم یہ تھا کہ نہ تو ان کے پاس تلوار تھی نہ چھری نہ تیغ نہ نیزہ نہ لٹھی نہ ڈنڈا نہ نیزہ نہ سنگین۔ یہ مختلفہ حال تھے۔ پریشان روزگار تھے۔ ان کے بدن پر جو کپڑے تھے وہ بھی ثابت نہ تھے۔ ان کے کھانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ انصار نے گنے چنے انصار نے ————— انہیں بھائی بنا لیا تھا وہی کھلاتے پلاتے

تھے۔ البتہ ان کے پاس صداقت کی قوت تھی۔ اور یہ صداقت کا پرچار کر رہے تھے۔ مدینہ میں یہود بھی تھے۔ عیسائی بھی اور مشرک بھی اور یہ سب اسلام سے متنفر تھے۔ داعی اسلام سے بیزار تھے۔ دعوت اسلام کے مخالف تھے اور ان سب کے پاس جھکتی ہوئی دھار دار تلواہیں بھی تھیں اور وہ ان تلواہوں کو استعمال بھی کرتے تھے۔ پھر بھی اسلام پھیلتا رہا، پروان چڑھتا رہا۔ دلوں میں گھر کرتا رہا، تلوار کے زور سے نہیں اس لئے کہ تلواہ کھلی ہی نہیں، صداقت، راستی اور سچائی کے زور سے اس طاقت سے اسلام کبھی محروم نہیں ہوا یہ طاقت ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہی۔ اور ماننا چاہیے کہ یہ طاقت اپنی کاٹ میں تلوار سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی؟

جو اپنے لئے وہی دوسروں کیلئے

اسلام کے پیروں نے جس طرح گمراہی کے مفسدوں اور مدینہ کے باشندوں سے اپنے لئے حریت، جلال و اعتقاد کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی طرح دوسروں کے لئے بھی یہ حق تسلیم کیا تھا۔ مسلمانوں کو یہ حق کبھی نہ ملا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے کسی کو یہ حق دینے سے انکار کیا ہو۔ کسی دور میں بھی نہیں۔ بلکہ طاقت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اس حق کو فرض بنا دیا۔

سلسلے جو ابده ہے۔ اور ایک دن اسے چھوٹے اور بڑے، اچھے اور برے، ظاہر اور پوشیدہ
ہر کلمہ اور ہر فعل کا جواب دینا پڑھے گا۔ ایک دن میزان عمل میں اس کی ہر چیز تولی جائے گی۔
اور اس دن جس نے نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس سے بدی کا ارتکاب ہوا ہوگا۔ وہ
بھی اسے محشم نمود و بیکہ لے گا۔

ممن یعمل مشقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل
مشقال ذرۃ شریرا یرہ۔ چنانچہ ان ناکیدوں، اختیار طول، اپنی پیش بندیوں کے
بہر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر سورہ مادہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا

ولا یجر منکر شان قوم علیٰ کسی جماعت سے پشمنی کے باعث ایسا نہ

ان لا تعجلوا اعداؤا هو اقرب للتقویٰ جو کہ عدل سے منہ موڑ لو دہر حالت میں، عدل کو د

کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

دوستی کا اگر

یہ سچ ہے کہ نیکی اور برائی میں مساوات نہیں قائم ہو سکتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ
حق اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ اور باطل صرف اس لئے ہے کہ مٹ جائے اور عطا دیا جائے
جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل مکان زھوقا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ
انتہا پسندی کا جو شقیہ نیکی کو بدی بنا دے۔ ہاں نیکی بھی بدی بن سکتی
ہے۔ اگر اسے غلط طریقہ سے پیش کیا جائے۔ اور بدی بھی مظلوم ہو سکتی ہے اگر اس کے
دفاع اور اندفاع میں ان حدود و شرائط کا خیال نہ رکھا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی
آخری کتاب میں یہ فداحت کے ساتھ بیان فرمائیے ہیں۔ پس ہر مسلمان کے لئے لازمی
اور لا بدی ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی اسلام کے حدود و شرائط میں نہ تبدیل کرے۔ نہ ان
میں کو میسر کی کوشش کرے۔

سورہ حم سجدہ میں خدا نے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں اپنے نیک اور صالح

بندوں سے ارشاد فرمایا

لاستوی المحسنه ولا الميئته
 تکی اور برائی یکساں نہیں ہو سکتیں نعمت
 ارفع بالقی ہی احسن فاذا انی یبیتک
 کا فریضہ بہ طریق احسن اور در اس کا نتیجہ یہ
 دینہ عداۃ کاٹھ ولی حبیب
 ہوگا کہ تمہارے اور میں کے مابین عداوت
 ہے وہ پتکار دوست بن جائے گا۔

خدا کی ذمہ داری

رسول اللہ کو بار بار اس طرف متوجہ کیا گیا۔ کہ کون ہدایت کو قبول کرے۔ اور
 کون ضلالت پر قائم رہتا ہے۔ یہ کلام تمہارا نہیں۔ ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اور
 گمراہی پر جسے رہنے کی رجحانت ہے۔ یہ باتیں خدا کی طرف سے ہیں نعم ان کی
 فکر میں سرگردان نہ ہو نعم ان کے بارے میں اپنے ذہن و دماغ کو پریشان نہ کر دو نعم انہیں سوچ
 سوچ کر اپنے اوپر افسردگی، غم، صدمہ اور بے چینی کی کیفیت طاری مت کرو۔ یہ چیزیں تمہاری
 حدود سے خارج ہیں۔ اس دنیا کا پیدا کرنے والا اس دنیا کو قائم رکھنے والا اس دنیا کی ہر
 چیز پر تصرف، اقتدار اور کامل و غیر مسئول اختیار رکھنے والا صرف خدا ہے۔ اور یہ اسی کا
 کام ہے کہ وہ جسے چاہے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت عطا کرے اور جسے چاہے
 گمراہی اور ضلالت کے راستے پر رہنے دے۔ تم یہ باتیں سوچ سوچ کر کہیں ہلکان ہوتے ہو؟
 چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا

لیس علیکم هذا الهم ولكن الله
 کفار و مشرکین کی راہ یا بی تمہارے ذمہ
 بھدی من یشاء
 نہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے جسے چاہے ہدایت
 عطا کرے۔

گمراہوں کا حشر

پھر یہی بات اور زیادہ تسکین دہندہ ہے کہ نبی کے پیچھے میں سورہ بقرہ میں فرمائی
 انما علیک البلاغ وعلینا الحساب
 تمہارا کام صرف تبلیغ ہے اور ہمارا

نہیں دلیگیر اور بلوں و افسردہ ہونے کی کیا مزوت ہے؟
مسلمانوں کا طعنے اتیانہ

کوئی انسان بھی یہ دعوئی نہیں کر سکتا کہ لغزشوں سے اس کا ذہن پاک ہے۔
مسلمانوں سے بھی تاریخ کے ہر دور میں کچھ نہ کچھ غلطیاں سرزد ہوئیں لیکن غیر مسلموں کے ساتھ
رد اداری، الاظفت، وسعت قلب اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کچھ اس طرح مسلمانوں کی فطرت
میں رچ گیا ہے کہ انہوں نے بھی غیر مسلموں کو مسلمان ہو جانے پر مجبور نہیں کیا نہ تو غیر مسلم
ہونے کے سبب انہیں عام انسانی حقوق سے محروم کیا مسلمان فرمانرواؤں نے خود مسلمانوں
کو بہت ستایا، پریشانی کیا، اسپس کی جنگ میں خون کی ندیاں بہا دیں لیکن غیر مسلموں کا
جب سوال آیا تو ان کی پریشانی، دشمنی، رحم و مروت کی علامت بن گئی۔ انہوں نے کبھی بھی
غیر مسلموں کو بدست و ستم نہیں بنایا۔ یہ کہ داد نتیجہ ہے ان واضح قرآنی ہدایات کا جنہیں
مسلمانوں نے اپنے اہم جذبہ کر لیا اور اس طرح جذب کیا کہ یہ پیران کی طبیعت کا جزو
بن گئی۔ اور اس خصوصیت کا اعتراف خود غیر مسلموں نے بڑی صفائی اور بے باکی کے
ساتھ کیا۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

سب سے بڑی بڑائی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کرنے پر مجبور ہو جائے۔
چنانچہ کئی جمیں بیکر کا حسب ذیل تاریخی بیان خاص طور پر قابل ذکر و مطالعہ ہے۔
کریل جمیں بیکر لکھتے ہیں:-

ایک شخص جارج برنیکو وچ نے جو گریک چورچ کا پیر و تھا۔
ایک روز کئیھو لگ شخص ہینا وٹس سے پوچھا کہ اگر تم فتحیاب ہوئے
تو کیا کرو گے؟ اس نے جواب دیا۔ تمام باشندوں کو جبراً روزن کئیھو لگ
بنائوں گا اس کے بعد برنیکو وچ سلطان دہلی کی ہکی خدمت میں گیا۔ اور ان

رومیوں اور ترکوں میں یہی توفیق ہے کہ ترکی میں عیسائیوں کے تمام فرقے مسلمانوں کی طرح آزادی کے ساتھ حاصل اپنے ہر سے اور کتنے ہی قائم کر سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں بھی داخل کر سکتے ہیں لیکن روس میں کسی روسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ سلطنت کے کلیسا سے منحرف ہو سکے اور نہ کسی بت پرست یا تاناری ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سوائے سلطنت کے کلیسا کے کوئی دوسرا مذہب قبول کر سکے ورنہ سزا کا مستوجب ہو گا۔ ترک لڑائی کے وقت نہایت خونخوار اور وحشی ہیں لیکن صلح کے زمانے میں بہت منتہل المزاج ہوتے ہیں مسیحی مذہب اور عیالیا کے حق میں یقیناً بہتر ہو گا کہ ترک یورپ میں رہیں بہ نسبت اس کے کہ روس قسطنطنیہ پر قابض ہو جائے۔

بنیادی چیز: حریت اعتقاد

حقیقت یہ ہے کہ اسلام حریت اعتقاد کے معاملہ میں بہت زیادہ فرسخ دل ہے۔ وہ کسی کو اس حق سے محروم نہیں کرتا چاہتا اور اسلام کی تاریخ میں قدم قدم پر یہ چیز میں جھلکتی ہوئی نظر آئے گی۔

علامہ عبد الوہاب غلات اپنی کتاب المسیاست، الشراعیۃ میں تحریر فرماتے ہیں اسلام نے حریت اعتقاد کو تسلیم کیا ہے۔ ہر فرد کو آزادی کا مال عطا فرمایا ہے کہ وہ اپنی عقل و نظر اور فکر و فہم کو بنیاد و اساس بنا کر جو عقیدہ چاہے اختیار کر لے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے توحید اور ایمان کی بنیاد بخت و نظر پر رکھی ہے نہ کہ جبر و جور اور محاکاتہ بت پرستی پر۔

سہ بو سٹن جرنل بحوالہ میرن ہنری ڈی ویس، کتاب انگلش پالیسی ان دی ایسٹ ممبر

لندن ۱۸۷۷ء صفحہ ۳۳ تا ۳۴

قرآن کریم کی متعدد آیات میں لوگوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ زمین و آسمان پر اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر نظر ڈالیں۔ اس دعوت کا مقصد یہی ہے کہ غور و فکر کے بعد ایمان صحیح اور دین حق کی طرف رجوع کریں۔ مثلاً قرآن کریم میں دار و ہوا ہے۔

وَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ

مِنْ شَيْءٍ

دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

أَنْ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفَلَكَ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ مَا يْبْقِعُ النَّعَامِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ
السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَاجْتَابَ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبِتُّ فِيهَا مِنْ
كُلِّ دَابَّةٍ تَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

یعنی

زمین و آسمان کی پیدائش میں اسات اور دن کے اختلاف میں
دریا کے اندر کشتی کی روانی میں جس سے لوگ نفع اندوز ہوتے ہیں
اس بارش میں جو اللہ تعالیٰ برسانا ہے جس سے مری ہوئی زمین پھر
زندگی سے آشنا ہو جاتی ہے۔ ہوا کے چلنے میں آسمان اور زمین کے
درمیان ہوا کی تسخیر میں سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔
متعدد آیات قرآنی میں ایسے لوگوں پر نثار کی گئی ہے جو
حجت و نظر کے بجائے تقلید و محاکاتہ سے ایمان لاتے ہیں۔

مثلاً قرآن میں آیا ہے۔

بل قالوا انا وجدنا آباءنا علىٰ هذا وانا علىٰ اثارهم

مہتدون ہ

یعنی

ہم نے تو اپنے باپ و ادا کو اس طریقہ پر پایا ہے۔ اور ہم تو انہیں
کے دانتے پر چلتے رہیں گے!

بہت سی آیات قرآنی ایسی ہیں جن میں اکراہ و جبر کے ساتھ
ایمان کی مذمت کی گئی ہے مثلاً

لا اكداه في الدين قد تبين الرشد من الغي

یعنی

دین کے معاملہ میں زبردستی جائز نہیں (کیونکہ اب اہدایت گمراہی
سے ممتاز ہو چکی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا

اذانت تكفر بالناس ان يكفوا مو منين

یعنی

راے رسولؐ، کیا تم لوگوں کو مجبور کرنا چاہتے ہو۔ کہ وہ ایمان
لے آئیں؟

ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے

لكم دينكم ولىٰ دين

یعنی

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین
پھر جب اسلام میں اعتقاد کی بنیاد نظر عقل اور عیث و تفکیر فی

آیات اللہ ہے نہ کہ تقلید محاکماتہ و جہر اور ترمیم و عوارق تو اس سے
بڑھ کر حریت اعتقاد اور کیا ہو سکتی ہے۔

قرآن کریم کی آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مبلغ اور
داعی کے لئے صلب سے بڑا آلہ تذکیر اور موعظہ حسنہ ہے جتنا بھر وہ
وہ اس آئے پر کر سکتا ہے کسی پر نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ
رسول سے فرماتا ہے

فَذَكَرْنَاكَ مَذَكَّرْتَهُمْ عَلَيْهِمْ بِصِيْرٍ

یعنی

یا دلاؤ تم یا دولا نے والے ہو۔ تم ان لوگوں پر وارد و غیر بنا کر
تمہیں بھیجے گئے ہو۔

ذکورہ حقائق سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ اسلام نے
حریت اعتقاد کو پورے طور پر تسلیم فرمایا ہے۔

اب دوسری شق لیجئے

اسلام نے جہاں مسلمانوں کی اقامت شعائر کی حفاظت و حیانت
کے سلسلہ میں پابندیاں عاید کی ہیں۔ وہاں اس نے یہ بھی کیا ہے۔ کہ
غیر مسلموں کے لئے اس امر کی پوری آزادی تسلیم کر لی ہے۔ کہ وہ اپنے
شعائر و نیی قائم کریں۔ اپنے کٹانس اور معاہدیں اپنی مذہبی ریت رسم
پورے اطمینان اور بے نگرہی کے ساتھ انجام دیں۔ غیر مسلموں کو اسلام نے
اس کی بھی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے معاملات اور احوال شخصی
(PERSONAL LAW) میں اپنے احکام کی پوری آزادی کے ساتھ
پیروی کریں۔ اس روحانی اور اسلامی طرز عمل اور حریت اعتقاد کی بنیاد

رسول اللہ کا وہ ارشاد گرامی ہے۔ جو آپ نے ذمیوں کے بارے میں سنرایا تھا:

لهم مالنا وعلیہم ما علینا

یعنی

ہم اگر راحت میں ہیں تو وہ بھی آرام اٹھائیں گے ہم اگر دکھ میں ہیں۔ تو وہ بھی مصیبت برداشت کریں گے۔

خفیہ عہد نامے غیر مسلموں سے کئے گئے۔ ان میں جہاں ان کی حریت ذات و مال تسلیم کی گئی۔ ان کے عقائد اور اقامت متعاہد کی آزادی بھی مانی گئی۔

اہل ایللیا سے عہد عمر رض میں جو معاہدہ کیا گیا۔ اس میں صاف صفا

مردم تھا۔

اہل ایللیا کو جان و مال کی آزادی دی جاتی ہے۔ ان کے کنیسوں کی آزادی تسلیم کی جاتی ہے۔ ان کی ساری قوم کی آزادی کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ ان کے کناس کو نہ توٹا پھوڑا جائے گا۔ نہ انہیں نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کو دین بدلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ ان میں کسی کو رذہ بہت کی اساس پر، خواہ مخواہ تکلیف دی جائے گی۔ نہ ان کی عیبوں اور دوسری چیزوں کو برباد کیا جائے گا۔

خفایق بالا سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی۔ کہ عقیدہ کا جہاں تک تعلق ہے۔ اسلام عقل کی رگام و دھلی چھوڑ دینا ہے۔ کہ وہ نظر صحیح تک پہنچ سکے۔ اور پوری وسعت کے ساتھ یہ سہولت ہم پہنچانا ہے۔ کہ بحث و تفکیر فی آیات اللہ اور دلائل واضحہ کے ساتھ ہر شخص دین عقیدہ

کو جانچ اور پرکھ کر اختیار کیے۔

ایک آیت کی شان نزول اور تفسیر

لا اکرہا فی الدین کے سلسلہ میں اگر ہم مفسرین کرام کے افکار و آراء کا تفحص کریں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر اور زیادتی کو رد رکھنا اسلام کی روح اور مسدک کے قطعاً خلاف ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ

انہا خاصة فی اهل الكتاب
الذین یقرءون علی الجذیة
یہ آیت خاص طور پر ان اہل کتاب
دیگر مسلوں کے بارے میں ہے۔ جو جو یہ پر راضی
ہو گئے پھل یعنی اسلام کی امان میں آگئے

(نیل)

اس آیت کی شان نزول علامہ جصاص نے یہ بتائی ہے کہ

انما نزلت فی بعض ابناؤ الانصاریہ
کانوا یهوداً فارساً و آباء وھم
اکراھم علی الاسلام
یہ آیت کریمہ انصاریہ کے بعض بیٹوں کے
سلسلہ میں نازل ہوئی ہے جو یہودی تھے۔ اور
ان کے مسلمان والد انہیں اسلام قبول کرنے
پر مجبور کرنا چاہتے تھے!

پھر آگے چل کر اس کے بارے میں علامہ ابو بصیر نے ایک شبہ رفع فرماتے ہیں۔ اس
آیت کے اطلاق بیان سے بظاہر ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہ گویا خبر یا مشورہ ہے بلکہ
وہ فرماتے ہیں کہ

لا اکرہا فی الدین امر
فی صورتہ الخبر
لا اکرہا فی الدین کی آیت خبر کی صورت
میں امر ہے!

۱۔ ایضاً التشریح مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ احکام القرآن مطبوعہ مصر ۱۰۵۳ھ

یعنی یہ خدا کا حکم ہے کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا۔

کسی مذہب نے کسی دوسرے مذہب کے لئے احترام اور حرمت کا یہ حق آج تک
اگر دیا ہو تو بتایا جائے۔ دینا سپاس اور ممنونیت کے ساتھ ان معلومات کا مطالعہ کرے گی!
دشمن کی گواہی

اسلام کے خلاف یورپ کے مستشرقین نے عجیب عجیب افسانے تراشے ہیں۔ طرح
طرح کی غلط فہمیاں پیدا کی ہیں۔ نت نئے الزامات لگائے ہیں۔ اسلام کے عقائد، تعلیم اور نظام پر
نکتہ چینیوں کی ہیں۔ لیکن ایسے جاہلانہ اور بھونڈے انداز میں کہ اگر کوئی شخص اسلام کے بیانات
سے بھی واقف ہے۔ تو وہ ان خرافات پر یقین نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں نے اسلام کے پیغام کو جتنا
جتنا مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اتنا ہی اتنا وہ نمایاں اور تابناک ہوتا چلا گیا ہے۔ مسلمان اگر
عہد خلافت راشدہ کے بعد بھی من حیث المجموع اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑے رہتے تو شاید آج
دنیا کا مذہب صرف اسلام ہوتا۔ اسلام کی تاریخ بالکل مختلف نظر آتی۔ پھر بھی اسلام پر پوری طرح
عامل نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ جس نہادانہ اور عادلانہ
مساوات کا بڑا نمونہ دیا ہے۔ ان کا اعتراف مسلمانوں کے دشمنوں اور اسلام کے بزرگین نکتہ چینیوں نے
بھی کہیں کھلے دل سے اور کبھی دبی زبان سے کیا ہے۔ انہوں نے جتنی تاریخی حقائق اور فریج میں
ملیں گی۔ وہ سب ایک خاص نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ مسلمانوں پر جو مظالم وارد کئے گئے،
جن کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا جو از
بغیر اس کے کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن بائیں ہمہ ان بزرگین مخالفین اور دشمنوں نے بھی مانا ہے
کہ مظلوم یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں نے جو نہادانہ برتاؤ کیا۔ اس سے پہلے وہ اس برتاؤ سے
اپنے سارے عہد محکومی میں کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ اور عیسائیوں کے ساتھ انہوں نے جو
فراخاندانہ برتاؤ مرغی رکھا۔ اس کی نظیر کسی غیر ملکی اور خارجی قوم کے ساتھ انہوں نے جو
میں یعنی تلاش بسیار کے باوجود نہیں فراہم کی جا سکتی۔

اسی طرح ہندوستان میں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک حکومت کی مہمان کے
 ناشکر گزار محکوموں نے ہمیں بدنام کرنے میں کبھی کوئی دقیقہ فرنگداشت نہیں کیا۔ لیکن سر
 جاوونا تھ سرکار نے جو محل تاریخ کے ماہر خصوصی ہیں یہ انکشاف کر کے دنیا کو جو حیرت کر دیا کہ
 بنارس کے متعدد مندروں اور بت خانوں کو اور ان کے مہنتوں اور پوجاریوں کو اور ننگ نریب مانگیر
 نے متعدد جاگیریں مرحمت کی تھیں جن کے کاغذات اور دست لوزیں اب تک اصحاب متعلقہ
 کے پاس موجود ہیں اور یہ جاگیریں عہد انگلیشیہ تک برابر قائم رہیں۔ کسی حکومت نے بھی ان میں
 ترمیم و ترمیم کی جوڑات نہیں کی۔

غرض قول اللہ عمل ہر اعتبار سے مسلمانوں کی تاریخ۔ اور اداری اور وسعت قلب کا ایک
 یادگار اور ناقابل اعتراض ریکارڈ ہے جس کے حروف مرور ایام نے ہندوستان کو دیکھے ہیں۔ لیکن
 جس کی معنویت آج بھی آج سے لے کر قیامت تک ہر صاحب نظر اور فاضل رہے گی!

مشکروں اور ذمیوں کا احترام حقوق اور مراعات

آیات شریفی اور وحی الہی کے مطابق

اسلام کا دار و مدار ایمان کی بنیاد و اساس اور اسلامیت کا معیار و مبنی کتاب و سنت کے سوا کسی اور چیز کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہر وہ فتویٰ جو کتاب اور سنت کے مطابق ہے قبول کر لیا جائے گا۔ اور جو اس کے خلاف ہو روک دیا جائے گا ہر وہ مسدک جو کتاب و سنت سے مطابقت رکھتا ہو۔ اس قابل ہے کہ اسے سرانگھوں پر جگہ دی جائے اور جو اس کے برعکس ہو وہ گو ساری دنیا کے لئے قابل قبول ہو لیکن ایک مسلمان سے کسی طرح بھی قبول نہیں کر سکتا۔

ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو نتیجہ سے ناآشنا رہے ہیں؟
غیر مسلموں کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہیے؟ ذمیوں کو یعنی ان غیر مسلموں کو جو

ہمارے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہوں کس طرح کے حقوق حاصل ہیں؟ کافروں اور مشرکوں کو آزادی خیال و عقائد، آزادی اجتماع اور آزادی عمل کہاں تک حاصل ہے؟ ان چیزوں کا فیصلہ ہم سب سے پہلے قرآن حکیم سے کریں گے۔ اور وہاں جب کوئی چیز نہ ملے اور خلش باقی رہ جائے تو پھر ہم سنت رسول اکرم سے رجوع کریں گے کتاب و سنت میں اس موضوع پر اتنا کافی مواد موجود ہے کہ اس کی روشنی میں ہر مسئلہ کا اکتھفیر بخیر ہی پریشانی اور دشواری کے ہو سکتا ہے۔

خدا کی نعت پر یہ تھی کہ دنیا میں مسلمان بھی رہیں اور غیر مسلم بھی۔ اور ضروری تھا کہ بیانات و مضامین کے ساتھ تبادلی جاتی۔ کہ ان غیر مسلموں کے انکار و طغیان، جو وہ طریقہ گیری اور بغاوت کے سلسلہ میں مسلمان کیا رہے اختیار کریں؟ پھر جب یہ پڑوسی ہوں۔ تو ہمسانی کے سلسلہ میں انہیں کس طرح مراعات دی جائیں۔ جب یہ مسلمانوں کے ذمہ ہیں آجائیں یعنی ان کے ماتحت اور رعیت بن کر زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو اسلامی حکومت، اسلامی امیر اور مسلمانوں کا برتاؤ ان کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ مسلمانوں اور نامسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب تک یہ تفصیلات اور جو بیانات سامنے نہ ہوں۔ اس وقت تک نہ مسلمان بیکوئی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں نہ غیر مسلم چین اور آرم سے رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کی تمام باتوں کو قرآن حکیم نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور سنت نبوی میں بار بار ایسی مثالیں نظر کے سامنے آتی ہیں۔ کہ پھر نہ کوئی غلط فہمی باقی رہ سکتی ہے نہ شبہ وار ہو سکتا ہے؟

دُعا کے بدلے میں مسلمان کا قتل

اسلامی سٹیٹ میں ایک ذمی غیر مسلم رعایا کی حیثیت کیا ہوگی؟

قبل اس کے کہ اس کا جواب قرآن کریم سے دیا جائے۔ ایک نظر ہمیں موجودہ اور

گذشتہ دنیا پر ڈال لینی چاہیے۔ اب تک یہ اصول تسلیم شدہ چلا آ رہا ہے کہ فاتح اور حاکم ذمہ

کے افراد جو حقوق رکھتے ہیں وہ مفتوح اور محکوم قوم کے امتداد کو حاصل نہیں ہوتے۔
 ہندوستان میں نہ جانے کتنے آدمی ہر سال انگریزوں کی ٹھیکروں سے تلی پھٹ جانے کے
 باعث ہلاک ہوتے تھے۔ مگر کسی انگریز کو قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا نہیں دی گئی۔ اٹالیہ
 نے جب حبش فتح کیا تو ہر حبشی کا خون معاف تھا۔ امریکی فاتح کی حیثیت سے جاپان میں
 داخل ہوئے نہ جانے کتنے جاپانی ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ مگر کیا مجال ہے
 کہ کوئی امریکی موت کی کسی پر ٹھسایا ہو۔ جاپان کو چھوڑ بیٹے خود امریکہ کے اٹل ہر سال ایک
 معقول تعداد حبشیوں کی امریکیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ امریکہ وہاں اپنی کا
 ملک ہے امریکی تو در حقیقت برہمنی ہیں۔

لیکن اسلام کا نظریہ اس باب میں بالکل مختلف ہے!
 وہ دین و عقاید سے نطخ نظر، شہری حقوق کا جہاں تک تعلق ہے۔ ایک مسلمان
 اور ایک ذمی میں کوئی امتیاز نہ انہیں رکھتا۔ وہ قانون ہاتھ میں لینے کی سزا جس طرح
 اور جتنی ایک ذمی کو دینا ہے۔ اتنی ہی ایک مسلمان کو بھی دینا ہے۔ وہ فاتح قوم کا
 جداگانہ شخص اور امتیاز بالکل تسلیم نہیں کرتا۔ اس نے یہ اصول دینا کے سامنے اس زمانہ
 میں رکھا۔ جب دینا میں کوئی حکومت بھی اپنے مفتوحوں اور محکوموں کے ساتھ یہ برتاؤ
 کرنے کو تیار نہیں تھی!

اسلام نے قتل کی سزا قصاص رکھی ہے یعنی

النفس بالنفس جان کے بدلہ میں جان!

ایک مسلمان اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے۔ تو وہ بھی قتل کر دیا جائے گا!

ایک ذمی اگر ایک مسلمان کو قتل کر دے۔ تو وہ ضرور قتل کر ڈالا جائے!

ایک مسلمان اگر ایک ذمی کو قتل کر دے تو قطعاً قتل کر ڈالا جائے گا!

کتب علیکد القصاص فی القتلے رفقو لین کے بارے میں تم پر قصاص

واجب کیا گیا ہے، کی تفسیر کے سلسلہ میں مفسر ابو بکر جصاص فرماتے ہیں۔

یوجب القتل المسلم بالذمی
 اذ لفرق شئی منها بین المسلم
 والذمی وقولہ تعالیٰ رکتب علیکم
 القصاص، عام فی الکل — و
 لیس فی الآیۃ غرق بین المسلم والکافر
 وجب اجراء حکمہا علیہما ویدل
 علیہ قولہ عنہ وجیل رومن تتل مظلوما
 فقد جعلنا الولیہ سلطانا

مقتول ذمی کے بدلہ میں قاتل مسلمان کا
 قتل واجب ہے۔ کیونکہ ر علم حقوق میں،
 ایک ذمی اور مسلمان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے
 اور قصاص کے واجب ہونے کا حکم عام ہے
 سب میں

اس آیت کریمہ کی رو سے ر عام معاملات
 میں، ایک کافر اور مسلمان کے درمیان کوئی
 فرق نہیں ہے۔ قصاص کا حکم دونوں پر جاری
 ہوگا۔ اور اس پر خدا تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے
 کہ جو مظلوم قتل ہوا ہم نے اس کے ولی کو
 دمتے کا حق دیا ہے۔

مسجد میں مشرک کا داخلہ جائز ہے!

مسجد مسلمانوں کا مقدس ترین مقام ہے۔ اور قرآن کریم میں صاف وارد ہے
 کہ انما المشرکون نجس یعنی مشرک نجس و ناپاک ہوتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر
 ہوتا ہے کہ مشرک مسلمانوں کی مسجد میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتا لیکن جن لوگوں کی
 نظر اسلام اور قرآن پر ہے۔ وہ اس خیال سے اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جصاص
 نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کا ایک حصہ خاص طور پر ذیل مطالعہ ہے
 وہ ارشاد فرماتے ہیں

ولیسکن اهل الذمۃ ممنوعین
 ان توضع مسلماتہن کی عبادت گاہوں میں

کہ احکام القرآن مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۶۷

من هذه المواضع

اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے

اور اپنے اس خیال کی تائید میں وہ سنت رسولؐ پیش کرتے ہیں

عن عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہما
 وقد ثقیف لہما قد مر علی رسول اللہ
 ضرب لہم قبة فی المسجد فقتلوا
 ین رسول اللہ قوم انجاس فقتل رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیس
 علی الامراض من انجاس الناس شیئ
 انما انجاس الناس علی انفسہم
 عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے
 ہیں کہ وفد ثقیف لہما جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے ان کے لئے مسجد
 میں ایک خیمہ نصب کر دیا۔ لوگوں نے عرض کیا
 یا رسول اللہ یہ لو نجس لوگ ہیں رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زمین پر لوگوں کی نجاست
 اثر انداز نہیں ہوتی۔ لوگ اپنے نفسوں سے
 قلوب کے اعتبار سے لادہ سے ہوتے ہیں۔

پھر مزید اس سلسلہ میں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

روی یونس عن الزہری عن
 سعید بن المسیب ان اباسقیان
 کان یدخل مسجد النبی وھو
 کافر
 یونس زہری سے اور وہ سعید بن مسیب
 سے روایت کرتے ہیں کہ اباسقیان مسجد
 نبوی میں داخل ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ وہ
 کافر تھا۔

ان دونوں حدیثوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ جصاص فرماتے ہیں

فاما وفد ثقیف فانہم
 جاؤ بعد فتح مکة الی النبی ص والایة
 نزلت فی السنة التي حج فیہا ابوبکر
 وہی سنة تسع فانزلہم النبی ص
 جہاں تک وفد ثقیف کا تعلق ہے یہ لوگ
 فتح مکہ کے بعد آنحضرت کی خدمت میں
 حاضر ہوئے تھے اور یہ آیت اس وقت نازل
 ہوئی تھی جس سال ابوبکر نے حج کیا تھا۔ یعنی

سنة احکم القرآن ج ۳ ص ۱۹۱

نبیوں ہجری سال کا واقعہ ہے۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو مسجد میں اتارا اور بتایا کہ ان کا نجس ہونا ان کے مسجد میں داخلہ کے لئے مانع نہیں ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر کا نجس ہونا اس کے مسجد میں داخلہ کے لئے روک نہیں ہے۔

فی المسجد واخبر ان كونهم اجناساً
لا يمنع ذلك لهم المسجد وني ذلك
دلالة على ان نجاسة الكفر لا يمنع
الكافر من دخول المسجد

صدقات میں مشرک کا حصہ

صدقات یعنی رعنائے الہی کے سلسلہ میں مسلمان جو رقمیں صرف کرتے ہیں کیا وہ مشرکوں اور غیر مسلموں پر صرف کی جا سکتی ہیں؟ جو نہ تو حید باری تعالیٰ کے قائل ہیں نہ اس کی الہامی کتاب کے اور نہ اسلام کی صداقت کے؟

بظاہر اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ نہیں۔ مشرکوں اور غیر مسلموں کو صدقہ کی رقم نہیں دی جا سکتی۔ لیکن یہ جواب غلط ہے اسلام نے اس مسئلہ کو کہیں زیادہ وسیع نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ اس کا نقطہ نظر اس بارے میں یہ ہے کہ ایسے تمام معاملات کا صرف انسانیت کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ مذہب و ملت کو پیش نظر رکھ کر نہیں۔

چنانچہ آپ کریمہ

ان کافروں اور مشرکوں کی ہدایت
آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ وہ تو اللہ ہی
ہے جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے
اور جو کچھ تم حصول خیر کے لئے خرچ کرتے
ہو وہ اپنی بھلائی کے لئے کرتے ہو

ليس عليك هداهم ولكن
الله يهدي من يشاء وما تنفقوا
من خير فلا يفسدكم

۱۰ احکام فقہ ح ۲ ص ۱۱۱

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابو بکر حبصا ص فرماتے ہیں۔

ان المراد اباخترا المصدقة
 علیہم وان لم یجکونوا علی دین الاعلایا
 و ساری ذلک عن جماعتنا من
 السلف و ساری الحجاج عن
 صالحا ملک عن ابن الحنفیة قال
 کراه الناس ان یتصدتوا علی
 المشرکین فانزل الله فتصدق
 الناس علیہم
 اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکوں اور
 کافروں کو صدقہ دینا مباح ہے۔ اگرچہ وہ دین
 اسلام کے پیرو نہ ہوں یہی مسدک سلف کے
 ایک گزہ سے مراد ہے۔ اور حجج، سالم
 مکی سے اور وہ ابن حنفیہ سے روایت کرتے
 ہیں۔ کہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے کہ مشرکین
 کو صدقہ دین۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے
 یہ آیت نازل فرمائی۔ اور پھر لوگ مشرکوں کو
 صدقہ دینے لگے۔

پھر اس سلسلہ میں اپنے قول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ مروجہ ہوت ایک
 دوسری آیت کریمہ لایطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیماداسیرا سے
 استشہاد کرتے ہوئے کہ امیر جنگ سے مراد غیر مسلم اور مشرک ہیں۔ فرماتے ہیں۔

فردی عن الحسن قال هم
 الاساس من اهل الشرك و ردی
 عن سعید بن جبیر و عطاء قال هم
 اهل القبلة و غیرهم قال ابو بکر
 الاول اظہر لان الاسیر فی دار الاسلام
 لایکون الا مشرکاء و نظیرها
 ایضاً قولہ تعالیٰ رلا ینہاکم الله
 حسن سے روایت ہے کہ اسرار سے
 مراد اہل شرک ہیں۔ اور سعید بن جبیر اور عطاء وغیر
 سے روایت ہے کہ یہ لوگ اہل قبلہ اور غیر
 اہل قبلہ ہیں۔ ابو بکر حبصا ص کہتے ہیں۔ کہ یہ
 بات تو بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے کہ دارالاسلام
 میں کوئی امیر جنگ مشرک ہی ہو سکتا ہے۔ اور
 اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے کہ

لہ احکام العتبان ج ۱ ص ۱۰۵

”جو لوگ تم سے دین کے معاملہ میں مخالفت کر رہے ہیں۔ اور تمہیں نیک وطن پر مجبور نہ کریں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور بھلائی کا برتاؤ کرنے کو اللہ منع نہیں کرتا، یعنی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ برادریت کو مباح قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہم سے ہر سہ پیکار نہ ہوں۔ اور صدقات کا شمار بر یعنی حسن سلوک اور بھلائی میں ہوتا ہے۔ پس امتقناتے کلام یہ ہے کہ مشرکوں کو صدقہ دینا جائز ہے۔ اور ظاہر اہل بیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے علاوہ ہر قسم کے صدقے کی رقم نہیں دی جاسکتی ہیں۔

پھر آگے چل کر علامہ ابو سعید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ زکوٰۃ

کے سوا ہر صدقہ اہل ذمہ کو دیا جاسکتا ہے۔

البتہ زکوٰۃ اہل ذمہ پر نہیں نزل کی جاسکتی ہے

کیونکہ ان کے مسامتہ مندر ہیں، البتہ

کفار سے، تدر اور صدقہ فطر کی رقمیں اہل ذمہ

کو دی جاسکتی ہیں

عن الذین لورینا تلوکم فی الدین
ولہم یخیر جو کہ من دیار کھان
تبروہم وتقتطوا الیہم فاباح
برہم وان کاوا مشرکین اذا لہم
یکونوا اهل حرب لتاد الصدقات
من البوناقضی جو اس دفع المصدق
الیہم دخلوا ہر الاکی توجب جو اس
صاثرہ الیہم رالا التزکوۃ

قال ابو حنیفہ کل صدقہ

لیس اخذھا الی الامام فحیث

اعطاؤھا اهل الذمت وما کان

اخذھا الی الامام لا یعطی اهل

الذمت فیجوز اعطاء الکفار

والذموس وصدقہ فطر اهل

الذمۃ

لشہ احکام مشرکین ج ۱ ص ۵۲۸

کافر کا خون بہا

اسلام میں قتل کی سزا قتل ہے لیکن اگر مقتول کے ورثہ یا بغیر کسی جبر و اکراہ کے رضا کارانہ طور پر خون بہا (دیت) لیتے پر رضا مند ہو جائیں تو اس کی اجازت بھی ہے اور کوئی مشبہ نہیں یہ رخصت اور اجازت بہت سی مصلحتوں کی حامل ہے۔ مقتول کے چند چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بڑھئی ماں ہے۔ بیکار باپ ہے۔ قاتل اگر قتل کر دیا جائے تو ذمہ داری طور پر ایک قسم کا اطمینان ضرور حاصل ہو جائے گا ان ورثہ دار کو لیکن عملی طور پر کوئی نائدہ نہ ہوگا۔ بستہ اگر ان ورثہ دار کو اتنی رقم مل جائے جس سے یہ اپنی زندگی کی گارنٹی کھینچ سکیں۔ تو زیادہ بہتر صورت ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرض کر لیں کہ قاتل بھی ایک باپ ہے، ایک شوہر ہے، ایک بھائی ہے، ایک بیٹا ہے، ایک دوست ہے۔ کسی وجہ سے اس سے یہ غلطی ہو گئی۔ اب اگر اس کی زندگی واپس مل جائے۔ تو سارا کنبہ تباہ ہونے سے بچ جائے گا۔ اس کی زندگی سنو رہے گی۔ اس کے متعلقین کی آسودگی اور عافیت قائم رہے گی۔ لہذا اگر وہ خون بہا دے۔ تو زیادہ اچھی اور مناسب صورت ہے۔ اسلام کا قانون نہی فیصلہ کرے گا کہ جس نے قتل کیا ہے۔ اس کی گردن اٹھادی جائے لیکن اس میں اتنی لچک بھی ہے کہ اگر قاتل خون بہا دینے پر اور مقتول کے ورثہ یا بغیر کسی دباؤ کے خون بہا لیتے پر رضا مند ہوں۔ تو اس کی جان بخشی کی جاسکتی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قاتل تو مسلمان ہو اور مقتول ذمی یعنی کافر ہو، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قاتل تو حکمران قوم کا ایک فرد ہو اور مقتول محکوم قوم کا ایک فرد تو اسلام کا قانون کیا کہتا ہے؟ دنیا کی سب سے ہند ب اور متمدن حکومت برطانیہ کا قانون تو ہم نے اپنے ذور غلامی میں دیکھ لیا۔ نہ جانے کتنے قتل، خانسامان اور بیرے صاحب کی ٹھوکروں سے اسٹیشن کے پریٹ فارم پر، کوٹھی کے صحن میں اور کلب کے کپاؤنڈ میں جان بحق

تسلیم ہونے لیکن نہ خون بہا کا سوال پیدا ہوا نہ سزائے قتل کا۔ خواجہ رنگین قبا کے واسطے
 جلال شہر پارسی کی اس سے بڑھ کر توہین کیا ہو سکتی تھی کہ اسے قاتل کی حیثیت سے عدالت
 کے کھڑے ہیں کھڑا کیا جاتا۔ اور پھر اس کے لئے پھانسی کا پھندا تیار کیا جاتا۔ دلی سے لے
 کر لندن تک ایک قیامت مہربا ہو جاتی لیکن اسلام نے انسانی جان کی قیمت یکساں مقررہ
 کی ہے۔ اس معاملہ میں وہ مومن و کافر کی تفریق پسند نہیں کرتا۔

علامہ جصاص نے اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو قرآن کی روشنی میں کی ہے۔ اس کا

ایک حصہ یہ ہے۔

ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد اور زفر اور عثمان

ابن ابی اور سفیان ثوری اور حسن بن صالح کا قول

ہے کہ کافر کی دیت خون بہا، مسلمان کی دیت

کی طرح ہے۔ یعنی یہودی، نصرانی، مجوسی اور

معاہد اور ذمی کی دیت یہی ہے جو مسلمان کی۔

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ کافروں اور

مسلمانوں کی دیت کی مساوات اللہ تعالیٰ کا

یہ قول ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی مسلمان

کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مسلمان غلام کا آزاد

کرنا اور اس کے ورثہ کو دیت سے دینا ہے۔

اور اگر تم میں اور کافروں میں کوئی عہد ذمہ

ہو تو مقتول کے ورثہ کو پوری دیت دی جائے گی۔

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں۔ اس سلسلہ کی تین اصطلاحوں کو ذہن نشین کر لیں

قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و

محمد و ثور و عثمان البتی و سفیان

الثوری و الحسن بن صالح دینہ الکافر

مثل دینۃ المسلم الیہودی و النصرانی

و المجوسی و المعاهد الذمی سواہ

قال ابو بکر الدلیل علی مسألتہم

المسلمین فی الدیات قولہ عزوجل

رد من قتل مؤمنا خطأ فتخیر برقبۃ

مؤمنا و دینۃ مسلمۃ الی اہلہ الا ان

یصلن قوال الی قولہ رزان کان من قوم

بینکرمینہم میثاق فدینۃ مسلمۃ

الی اہلہ

چاہیے۔ ایک چیز تیرے تار۔ یہ بدلہ اور انتقام کے معنی میں آتا ہے۔ اور کسی اصول کا پابند نہیں ہوتا۔ اسلام اسے ناجائز سمجھتا ہے۔ دوسری چیز ہے قود یعنی قصاص۔ یہ اسلام میں جائز ہے اور قاتل کی سزا اس نے مقرر کر دی ہے یعنی موت تیسری چیز ہے دیت یعنی خون بہا۔ اگر مقتول کے ورثہ مند ہوں تو دیت پر تصفیہ ہو سکتا ہے۔ دیت کا نصاب سواوتھ ہے یعنی قاتل، مقتول کے ورثہ مند سواوتھ بیان کی قیمت دے گا۔ پھر آگے چل کر علامہ موصوفت آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والدیۃ اسم لمقدار معلوم	اور دیت ایک مقدار معلوم کا نام ہے
من الاعمال بدل لاصون نفس المحرلان	جو ایک نفس حر کا بدلہ سترامہ پائی ہے۔ اس
الذیات قد كانت متعالمۃ	لئے کہ اسلام سے پہلے بھی دیت کا رواج تھا
صحة ذلک بقیۃ ہم قبل الاسلام و بعدہ	اور اسلام نے بھی رضوری اصلاحات کے
فراجع الکلام ایہا فی قولہ فی قتل	ساتھ اس رواج کو قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ
المؤمن خطأ تم لبعاطف غلبہ	نے جہاں مسلمان کی دیت کا ذکر نہ کیا ہے
تولم تعالیٰ روان کان من تتوم	وہیں عطف کر کے معاہدہ اور ذمی کی دیت
بیتکر ویتھد میثاق سندیۃ	بھی دہی قرار دی ہے جو مسلمان کی یہ دیت
مسئۃ الی اہلہ) کانت ہدۃ	ایک بدیہی چیز تھی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو
الذیۃ المذکورۃ بیہا اذ لولہ	دیت کا لفظ استعمال نہ ہوتا۔ اس لئے کہ دیت
تکن کذلک لما کانت ذبیۃ لان	تو ایک مقدار معلوم کا نام ہے کسی جان کے
الذیۃ اسم لمقدار معلوم من	بدلہ میں۔ اس میں نہ اضافہ ہو سکتا ہے نہ کمی
بند النفس لا یزید ولا ینقص	ہو سکتی ہے۔ اور لوگ فقہاء یہ دیت سے پہلے
وقد کانوا قبل ذلک یصر فوان	ہی واقف تھے۔ مگر مسلم دنیا کی دیت کے

یعنی سواوتھ بیان کی قیمت

مقلدیر الدبیات ولم یکنوا یعرفون
الفرق بین دینہ المسلم والکافر توجب
ان تكون الدینة المذكورة للکافر
اللتی ذکرتم للمسلم

فرق سے ناواقف تھے۔ پس واجب ہوا کہ
کافر کی دینت بھی وہی ہو۔ جو مسلمان کی ہے

اسلام نے مسلم اور کافر کا خون بہا برابر رکھا۔ اور اس میں کسی طرح کا امتیاز نہ
تسلیم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیاوی معاملات میں وہ بالکل "سیکولر" ہے۔ وہ
صرف انسانیت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اور کافر و مسلم کا فرق پیدا کر کے ہرگز مسلمانوں کی
حاکمانہ بالادستی تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ مساوات کامل کا چارٹر عطا کرتا ہے۔

ایک یہودی کے باعث آل حضرت کو استغفار کا حکم

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ نازک سے نازک موقع پر بھی عدل کا
سرشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ وہ ہر حالت میں انصاف کو مقدم رکھتا ہے۔ وہ کسی طور پر
بھی اسے گوارا نہیں کرتا کہ کسی غیر مسلم کے ساتھ شتمہ برابر بھی زیادتی یا بے انصافی ہو سکے
اس معاملہ میں اسلام کا اللہ اپنے محبوب رسول اور برگزیدہ بندے تک کا سختی سے
انصاف کرتا ہے۔ اور اگر کسی معاملہ میں ذرا بھی لغزش دیکھتا ہے تو ٹوکتا ہے۔ اور
استغفار کا حکم دیتا ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص آیا کہ میری دلالت کن للمخائین خصیما
رجحانت کرنے والوں کی پاسداری مت کرو، کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لقدی انتہ نزل فی رجل سرق
در عا فلما خاف ان تظلم علیہ
رعى بنہا فی داس یہودی فلما
وجدتہ المدرع انعکس الیہودی

اس آیت کی نشان نزول یہ ہے۔ کہ یہ
اس آدمی کے بارے میں نادل ہوئی ہے
جس نے ایک ذرہ چروالی تھی۔ اور جب
انڈیشہ ہوا کہ چوری کمل جائے گی۔ تو ایک

یہودی کے گھر میں پھینک دی۔ جب زرہ
یہودی کے گھر میں پائی گئی۔ تو اس نے انکار
کیا چوری سے۔ اور اصل چور یہودی پر چوری
کا الزام دھرنے لگا۔ اور مسلمانوں کی ایک
جماعت نے یہودی کے مقابلہ میں مسلمان کا
ساتھ دیا۔ پتا پتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم بھی مسلمانوں کے قول کی طرف مائل ہو گئے
لیکن اللہ نے آپ کو اصل واقعہ کی اطلاع دی
اور یہودی کو بری قرار دیا۔ اور اس کے خلاف
فیصلہ کرنے سے روک دیا اور استغفار کا حکم دیا۔

پھر آگے چل کر علامہ جصاص اس پر بحث کرتے ہوئے اور صورت مسئلہ کے
بعض پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
یہ بات ناجائز ہے۔ کہ آدمی کسی معاملہ
میں اثبات حق یا اس کی نفی میں بغیر حقیقت
اور علم کے حصہ لے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ
نے ایک ایسے ہی موقع پر اپنے نبی ص پر
عتاب کیا اور استغفار کا حکم دیا حالانکہ اگر
اس طرح کی بات جائز ہوتی۔ تو نہ عتاب
کی ضرورت تھی نہ استغفار کی۔

ان یحکون اخذہا و ذکر السارق
ان الیہودی اخذہا فان تتوم
من المسلمین ہذا لاخذ علی الیہودی
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الی قولہم فا طلع اللہ علی
الاخذ و براء الیہودی منہ و نہاہ
عن مفاصم الیہودی و اما
بالاستغفار ما کان منہ

وہذا یدل علی انہ غیبر
جائز لاخذ ان یخاصم عن غیبر
فی اثبات حق و نفیہ و ہو غیر
عالم بحقیقۃ امور لان اللہ تعالیٰ
قد عاتب نبیہ علی مثلہ و امرہ
بالاستغفار منہ

اس سلسلہ میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں، اور جو ایذا دہاں کئے جا سکتے ہیں اور جو اعتراضات نارہم ہو سکتے ہیں ان کا ذکر کرنے ہوئے علامہ جملہ اہل فرماتے ہیں۔

وقوله تعالى ولتتكم بين
الناس بما اراكم الله امر بحد
به من يقول ان النبي صلى الله
عليه وسلم لم يكن يقول شيئاً من
طريق الاجتهاد وان اقواله وافعاله
كلها كانت تصدر عن التصوص
وانه كقولنا تعالى رومانطق عن
الهموى ان هو الا وحى يوحى وليبين
في الآيتين دليل على ان النبي صلى
الله عليه وسلم لم يكن يقول
شيئاً من طريق الاجتهاد وليس في
الآية دلالة على ان الاجتهاد من
النبي صلى الله عليه وسلم في الاحكام
وقد تبين في قوله تعالى رولا تكن
للتخائمين حصيماً انه جاز ان يكون
النبي صلى الله عليه وسلم ميلا الى
المسلمين دون اليهودي اذ لم يكن
عنده انهم غير محقين فاما ان كان

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اللہ جو کچھ
آپ کو بتائے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔
اس کے لئے یہ دلیل لانا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہیں فرماتے تھے
جو بہ طریق اجتهاد ہو۔ اور یہ کہ آپ کے
اقوال اور افعال سب کے سب نص پر
بنی ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے قول کے
مطابق آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے
تھے، جو کچھ کہتے تھے وہ وحی ہوتا تھا۔ تو ان
دو ذیل آیتوں میں کوئی بات ایسی نہیں ہے۔
جس سے یہ دلیل لائی جا سکے کہ ان حضرت
بہ طریق اجتهاد کچھ نہیں کہتے تھے، کیونکہ آپ مبارک
میں نفی اجتهاد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے
بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے۔ آپ خائنین کی پامساری
نہ کیجئے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم یہودی کے مقابلے میں مسلمانوں کی
طرف میلان رکھیں۔ اس لئے کہ آپ ص کے

نزدیک رہتی تھیں۔ جبکہ ظاہری
 صیرت اعمال یہ تھی۔ کہ نہ یہ یہودی کے پاس
 بتائی گئی تھی۔ پس یہودی تمہمت کا اور مسلمان
 بریت کا مستحق تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ
 کو حکم دیا۔ کہ قرظیقین میں سے کسی کی طرف
 میل نہ رکھیں۔ نہ کسی کی مدافعت کریں۔ اگرچہ
 وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اور وہ سراسر یہودی
 کیوں نہ ہو۔ پس اصل یہ فتر اور پائی۔ کہ حاکم
 کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ کہ وہ قرظیقین میں
 کسی کی طرف میل رکھے۔ اگرچہ ان میں سے
 ایک اس کی نظر میں صاحب حرمت ہی
 کیوں نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے
 کہ کسب انسان کے قبضہ سے پوری کا مال برآمد
 ہوتا اس کے پور ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ اس
 پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے کہ اللہ
 تعالیٰ نے یہودی پر ایسا فیصلہ صادر کرنے
 سے روکا۔ جبکہ اس کے قبضہ سے پوری کا
 مال برآمد ہوا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ ایسے احکام وہی شریعت سے لے سکتی ہیں۔ جو حقیقی معنی میں
 رہائی ہو۔ انسان اتنا علیٰ طرفت کہاں سے لائے گا؟

۱۔ احکام و عقوبات صحیح ۲ ص ۱۱۳

ظاہر الحال وجود الدرع عند
 اليهودی مکان ایہود ادلی بالتعمیة
 والمسار ادلی ببراء المساحة فامورا
 اذہ تعالیٰ بتوکل المیل الی احد
 الخصمین والدفع عنہ وان کان
 مسلماً والاخر یہودی یا فصار ذلک
 اصلاً فی ان المحکم لا یكون له میل
 الی احد الخصمین علی الآخر وان
 کان احدہما اذا حرمة له والآخر
 علی خلافہ وھذا یادل ایضاً ان
 وجود السرقة فی ید الانسان لا یوجب
 المحکم علیہ بہا لان اللہ تعالیٰ نہاھا
 عن المحکم علی ایہودی بوجود السرقة
 عندہ اذا کان جاحداً ان ینوی
 حوالاً خذ۔

یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ انسانیت کا احترام ہر چیز پر بالا رکھتا ہے۔ اسلام کا خدا صرف مسلمانوں کا خدا نہیں۔ رب العالمین ہے۔ سارے جہانوں کا پالنے والا۔ جو اس کی بندگی کرتے ہیں انہیں وہ جنت نعیم کی بشارت دیتا ہے۔ لیکن جو اس کی بندگی نہیں کرتے ان کے ساتھ بھی بے انصافی نہیں کرتا۔ ان کے ساتھ بھی احسان کرتا ہے۔ اس کی ہوا۔ پانی اور زمین میں جس طرح ہر فرد بشر کے لئے ہے۔ اسی طرح اس کے نظام مدنی میں بھی کسی طرح کی اونچ نیچ نہیں۔

فیصلہ ظاہر پر ہو گا نہ کہ باطن پر!

”کفر کا فتویٰ“ ہمارے علما کی ایک جماعت کثیرہ کا مشغلہ بن چکا ہے۔ جسے اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے راستہ سے ذرا ہٹا ہوا پایا۔ اسے کافر قرار دے دیا۔ بعض فتاویٰ کفر و جدت اور ندرت سے اتنے پُر ہیں کہ سود مرکب کی طرح ان کا سلسلہ بھی نہ جانے کہاں سے شروع ہوتا ہے اور نہ جانے کہاں ختم۔ جسے کافر قرار دے دیا گیا ہے اسے اگر کوئی کافر نہ مانے تو وہ کبھی کافر اس سے ملنے والا کافر۔ اس کی بیوی مطلقہ۔ اس کی اولاد محروم الارث وغیرہ ذلک من الخواتم لیکن یہ اسلام کی بالکل غلط اور بے رحمانہ ترجمانی ہے۔ جو اسلام کافروں، مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاحظت اور نرمی، حسن سلوک اور شفقت کا بڑا نمونہ کرتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ان لوگوں کے حق میں مجسم قہر و جلال اور شمشیر برتاؤ بن جائے۔ جو اپنے اسلام کے اپنی اسلامیت کے معترف اور مقرر ہیں۔ چنانچہ قرآن کہیم عارف کہتا ہے لا تقولوا عن النبی الیکم السلام لست مؤمنون جو کوئی تمہیں مسلمانوں کا سا، سلام کیسے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے، اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ فیصلہ ظاہر پر ہو گا باطن پر نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے۔ تو ہمیں حق نہیں ہے کہ اسے کافر کہہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط علما اور قیما

کا اصول یہ ہے۔ کہ اگر ۹۹ وجوہ کفر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی موجود ہو تو ۹۹ وجوہ کفر کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اور اس کا اسلام بان لیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے۔ کہ الفاظ تسلیم کر لئے جائیں گے بول نہیں مٹوا جائے گا۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ جصاص فرماتے ہیں۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ جو شخص چوری چھپے کا نسب ہے۔ میں اس کی توبہ نہیں قبول کرتا۔ تو معلوم ہوتا چاہیے۔ ہم حقیقت اقتداء کے اعتبار سے کسی کا مواخذہ نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظن سے کام لے کر حکم لگانے پر ہمیں منع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے "بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی گناہ ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "بدگمانی سے بچو اس لئے کہ اس سے بڑھ کر جھوٹ کوئی نہیں" خدا تعالیٰ فرماتا ہے جس بات کا تمہیں علم نہیں۔ اس کے پیچھے نہ پڑو! ایک اور موقع پر فرمایا۔ "جب تمہاریسے پاس مہاجر عورتیں آئیں۔ تو ان کے احوال کی پڑتال کرو۔ ایمان کی نہیں کیونکہ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ان کے ضمائر اور اعتقاد کی حقیقت یحییٰ کہتے مت جا بچو۔ مقصود

وقول من قال لا اعترف
توبته اذا كفر سراناً لا تاخذ
باعتبار حقيقة اعتقاده لان ذلك
لا يصل اليه وقد حظر الله علينا
الحكم بالظن بقوله تعالى را اجتنبوا
كثيراً من الظن ان بعض الظن باثم
وقال النبي اياكم والظن فان
الذب المحدث وقال الله تعالى
ولا تقف ما ليس لك به علم وقال
را اذ اجابكم المؤمنات الهما جوات
فاقمنوهن الله اعلم بايمانهن
ومعلوم انه لم يرو حقيقة العلم
بضمائرهن واعتقادهن وانما
اساد ما ظهر من ايمانهن بالقول
وجعل ذلك علماً ضدل على انه لا
اعتبار بالضمير في احكام الدنيا وانما
الاعتبار بما يظهر من القول وقال

تعالیٰ رولا تقولوا لمن اتقى اليكم اسلام
 لست مومنا، وذلك عموم في جميع
 الكفار وقال النبي صلى الله عليه وسلم
 لاسامة بن زيد حين قتل الرجل
 الذى قال لا اله الا الله فقال انما
 قالها متعوذا قال هلا شقت
 عن قلبه

صرف یہ ہے کہ ان کے ظاہر ایمان کو مان لو
 یعنی ایمان بالقول، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ
 احکام دنیا میں ضمیر کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔
 صرف ذل (اعتزاز) کا اعتبار کیا جاتا ہے
 چنانچہ خدا عزوجل نے جو تمہیں مسلمانوں کی
 طرح اسلام کرے۔ اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن
 نہیں ہے۔ اور یہ ہدایت تمام کفار کے بارے
 میں عام ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اسامہ بن زید سے جبکہ انہوں نے ایک ایسے
 شخص (کافر) کو قتل کر دیا تھا۔ جو زبان سے
 لا الہ الا اللہ کہہ رہا تھا۔ خدا سے پناہ مانگتے ہوئے
 پوچھا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا یا تھا؟

کیا یہ قرآنی ہدایت فیصلہ کن نہیں ہے؟

ذبحہ کا مسئلہ

اسلام چھوت چھات کا قائل نہیں ہے۔ وہ انسانیت کے مجدد و شرف کا
 قائل ہے۔ اختلاف عقائد، اختلاف خیال اور اختلاف دین بھی اس کی نگاہ میں
 انسان کو انسانیت کے درجہ سے ساقط نہیں کرتا۔ وہ پاکی اور پاکیزگی کو صرف اپنے
 ہی لئے مخصوص نہیں کرتا۔ دوسروں کی بھی پاکیزگی تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ دین و مذہب کے
 معاملہ میں ان دوسروں کا مسلک کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ دوسرے
 مذاہب میں اور خاص طور پر ہندوؤں میں تو یہ روزِ دادی بالکل مختلف ہے۔ ان کے ہاں

پھوت بھات کو مذہبی حیثیت حاصل ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتے۔ بلکہ اپنے ہم مذہبوں میں سے بھی دوسری ذائقوں کے ہاتھ کا یا عمومی پورے چھوڑنے یعنی نچلے طبقے کے ہاتھ کا یا انھیں نہیں کھا سکتے۔ لیکن اسلام اس معاملہ میں پوری قیافتی اور واداری کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ عام کھانا تو الگ رہا۔ غیر مسلموں کے ذبیحہ تک کی اجازت دے دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔

و طعام الذین ادنوا للکتاب

اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے

حل لکم

حلال ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں۔

ابن عباس۔ ابو ذر۔ حسن۔ مجاہد

روی عن ابن عباس والبی

ابو ایمن قتادہ اور سدی سے مروی ہے کہ

المداد اور الحسن و مجاہدنا بوایم

اس آیت میں طعام سے مراد غیر مسلموں کا

وقتادہ والسدی انه ذباٹھم

ذبیحہ ہے۔ اور ظاہر کلام سے بھی یہی ثابت

وظاہرہ یقتضی ذلک لان ذباٹھم

ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ذباٹھ اور طعام لازم

من طعامهم ولو استعملنا اللفظ

مردوم ہیں۔ اور اگر اس لفظ کا ہم عمومی اطلاق

علی عمومہ لانتظم جمیع طعامهم

کریں۔ تو تمام کھانے جن میں ذباٹھ وغیرہ

من الذباٹھ وغیرہا والاظہران

بھی شامل ہیں۔ حلال ماننا پڑے گا۔ لہذا

یکون المراد الذباٹھ خاصۃ

ظاہر تزیات یہ ہے۔ کہ اس جگہ طعام سے

مراد ذبیحہ ہے۔

رسول کی مثال

اپنے اس وعظے کی دلیل میں علامہ جصاص آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

سہ احکام القرآن ج ۲ ص ۳۱۳

مثال پیش کرتے ہیں جس سے ہر قسم کا شک و شبہ رفع ہو جاتا ہے۔

ان التبی صلی اللہ علیہ وسلم
اکل من الشاة المسومة المشویة
التي اهدت الیه الیہودیة ولم یسألها
عن ذبیحتها اخی من ذبیحة المسلم
بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودیہ کا
ہدیہ کیا جو اگری کا بھینا گوشت جس میں زہر
ملا دیا گیا تھا کھا لیا۔ اور اس سے یہ نہیں دریافت
قربا یا کہ اسے مسلمان نے ذبح کیا تھا یا
یہودی نے؟
ام الیہودی

اہل کتاب کے ذبیحہ کے بارے میں یہ اتنی واضح مثال ہے کہ اس کے بعد پھر کسی
طرح کا شک و شبہ اس کے جواز اور حلت کے بارے میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

اہل کتاب اور مشرک

اسلام توحید کا مذہب ہے۔ وہ مشرک کو گوارا نہیں کرتا۔ وہ جب نودار ہوا۔ تو
یہ دنیا ایک تہذیب بنی ہوئی تھی۔ مٹی کے بنے ہوئے بت بھی تھے۔ اور عقاید کی گمراہیوں
کے اعصاب خرابی بھی موجود تھے۔ اس نے پوری قوت اور شدت کے ساتھ ان بتوں پر
ضرب لگائی۔ اس لئے کہ وہ اس معاملہ میں کوئی مفاہمت نہیں کر سکتا۔ یہ ایسا اصول ہے
جس میں ذرا بھی لچک نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ مشرکین کی بھی انسانی حقوق سے
محروم نہیں کرتا۔ اگرچہ اہل کتاب کے ساتھ مشرکوں کی نسبت زیادہ فیاضی اور رعایتی
کا اظہار کرتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں اور اہل کتاب میں ایک چیز بہر حال "تندر مشرک"
ہے۔ وہ ہے "کتاب الہی"۔ یعنی اہل کتاب اگرچہ گمراہ ہو چکے۔ کتاب الہی کو فراموش کر چکے
اس میں تخریف اور تغلیط کے ترکب بھی ہو چکے۔ لیکن بہر حال یہ وہ لوگ ہیں جن پر کتاب
الہی نازل ہو چکی ہے۔ یہ خدا کو مانتے ہیں۔ یہ مشرکوں کے مقابلہ میں زیادہ خدا ترس
ہوتے ہیں۔ یہ بتوں کو اور دیویوں کو نہیں پوجتے۔ خدا کو مانتے اور اسی کو پوجتے ہیں۔ اسی

۱۱۸ احکام المستدرک - ج ۲ ص ۳۶

لئے مشرکوں کے مقابلہ میں اسلام ان کے ساتھ زیادہ مراعات کرتا ہے۔
ہمیں واضح طور پر بھی معلوم ہے کہ یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں۔ جو جس
صدیقین اور منور و غیرہ کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہ بھی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟
چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

وہذا کتاب انزلنا
مبارک فاتبعوہ واتقوا لعذابکم
ترحمونہ ان تقولوا انما انزل الکتاب
علی طاقتین من قبلنا۔
یہ وہ مبارک کتاب ہے جسے ہم نے
نازل کیا پس اس کی پیروی کرو۔ اور خدا
سے ڈرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور یہ کہو
اشد ہم سے قبل دو گروہوں (عیسائی اور یہودی) پر
یہ کتاب نازل کر چکا ہے۔

علامہ جصاص اس آیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واختلف فی المجوس فقال
جیل السلف واکثر الفقہاء یسوا
اہل الکتاب وقاتل آخرون ہم اهل
الکتاب وقاتلون بذاک شواذ
والدلیل علی انہم یسوا اهل الکتاب
قولہ تعالیٰ (وہذا کتاب... الخ) فاحیرو
تعالیٰ ان اهل الکتاب طاقتان
فلو کان المجوس اهل الکتاب لکانوا
ثلاث طوائف
مجوس کے بارے میں اختلاف ہے۔
کہ یہ اہل کتاب ہیں یا نہیں؟ مسکت کہا ایک
بڑا گروہ اور اکثر فقہاء یہ مسلک رکھتے ہیں
کہ مجوس اہل کتاب نہیں ہیں۔ اور بعض دوسرے
لوگ کہتے ہیں کہ مجوس بھی اہل کتاب ہیں۔
لیکن جو لوگ انہیں اہل کتاب مانتے ہیں۔ وہ
بہت کم ہیں۔ اور ان کے اہل کتاب نہ ہونے
کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے جن اہل کتاب
گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تعداد دو بتائی
ہے۔ تبین نہیں۔

۱۔ احکام اللہ۔ ج ۳ ص ۱۱۹

یہ تو ایک علمی اور لفظی بحث تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو بھی جو واضح طور پر اہل کتاب نہیں تھے، ان حضرات نے اہل کتاب کے ذمہ میں شامل فرمایا ہے یعنی ان کے ساتھ وہی سلوک مرعی رکھا ہے جو اہل کتاب کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ حصص مجوس کے بارے میں یہ ثابت کر چکے کے بعد کہ وہ قطعاً اہل کتاب نہیں تھے یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ص نے ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک مرعی رکھا۔

فان المجوس لا ینتعلون شیئاً
من کتب اللہ المنزلة علی انبیاءہ
وانما یقرءون کتاب شمس داشت
وکان متنبیاً کذاباً فلیسوا اذا هل
الکتاب ویدل علی انہم لیسوا اهل
الکتاب حدیث یحیی بن سعید
عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال
قال عمرو ما اذ شری کیف اصنع
بالمجوس ولیسوا اهل الکتاب فقال
عبد الرحمن بن عوف سمعت
رسول اللہ ص یقول سنجا لہم سنة
اهل الکتاب نصح عمر بن الخطاب
لیسوا اهل کتاب ولسوا لہم
عبد الرحمن ویاغیة من الصحابة
وسروی عبد الرحمن بن عوف عن
النبی انه قال سنوا بہم سنة اهل

بلاشبہ مجوس، اللہ کی ان کتابوں کو
نہیں ملتے جو انبیاء پر نازل ہوئی تھیں۔
وہ ذرہ ذرہ کی کتاب کو مانتے ہیں جو معنوی
نہی اور جھوٹا تھا۔ لہذا یہ لوگ اہل کتاب
نہیں ہو سکتے۔ اور ان کے اہل کتاب نہ ہونے
پر، یہ حدیث دلیل ہے یحیی بن سعید جعفر
بن محمد سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے
ہیں۔ کہ حضرت عمر نے کہا میری سمجھ میں
نہیں آتا کہ مجوس کے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔
کیونکہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ اس پر عبد الرحمن
بن عوف نے کہا میں نے رسول اللہ ص سے
اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ان کے
ساتھ وہی طریقہ برتاؤ جو اہل کتاب کے ساتھ
برتنے ہو۔ گویا ان کے اہل کتاب نہ ہونے
کا ذکر عمر نے کیا۔ اور عبد الرحمن اور دوسرے
صحابہ نے اس قول کی مخالفت نہیں کی اور

الكتاب فلو كانوا اهل الكتاب
لما قال سنوا بهم سنة اهل الكتاب
ولما قال هم من اهل الكتاب وفي
حديث اخر انه اخذ الجزية من
مجوس هجرو قال سنوا بهم سنة
اهل الكتاب له

عبدالرحمن بن عوف کی روایت یہ ہے کہ رسول
اللہ ص نے فرمایا مجوس کے ساتھ اہل کتاب کا
معاہدہ نہ کرو۔ اگر یہ اہل کتاب ہوتے تو آپ ص
یہ کیوں فرماتے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا معا
ہدہ نہ کرو۔ بلکہ آپ ص فرماتے۔ یہ بھی اہل کتاب
ہیں۔ ایک دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے
کہ آپ ص نے اہل کتاب کی طرح ہجر کے مجوس
سے جزیہ قبول فرمایا۔ اور فرمایا ان کے ساتھ
اہل کتاب کا معاہدہ نہ کرو۔

گویا یہ طے ہو جانے کے باوجود کہ مجوس اہل کتاب "تہیں ہیں۔ ان کے ساتھ
سلوک اہل کتاب کا کیا گیا۔ اس اسوۂ نبوی ص کی روشنی میں مہندہ قول "بدھوں
وغیرہ کے بارے میں بھی حالات و مصالح کے پیش نظر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جا
سکتا ہے۔"

مشترک اور اہل کتاب میں امتیاز

جب دونوں میں ترجیح کا وقت آجائے۔ تو پھر بے تاثر اسلام اہل کتاب کو
مشترک پر ترجیح دیتا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم کتب الی صاحب الودم۔ یا
اهل الكتاب تعالوا الی کلمة سواء
بیننا و بینکم۔ وکتب الی کسری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ
روم کو لکھا۔ اسے اہل کتاب آؤ ہم اس
کلمہ پر جمع ہو جائیں۔ جو ہم میں اور تم میں
مشترک ہے۔ اور کسری کو جو

سے احکام عثمان ج ۲ ص ۱۰

ولہدینسبہ الی کتاب وسروی فی
قولہ تعالیٰ رام علیتہ الروم) الت
المسلمین احبوا غلبۃ الروم لا ینفسر
اہل الکتاب و احبت قریش غلبۃ
فارس لانہم جمیع الیسوا ب اہل الکتاب
مکتوب نثریہ فرمایا۔ اسے کسی کتاب الہی کی
طرف نسبت نہیں کیا۔ قرآن مجید میں غلبہ روم
کے بارے میں جو آیت ہے۔ اس کے بعد
مسلمان روم کی فتح چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ
اہل کتاب تھے اور قریش غلبہ فارس کے کٹمنی تھے
اس لئے کہ وہ سب کے سب اہل کتاب نہیں تھے۔

اسی طرح صحابین وغیرہ کے معاملہ پر بھی فیاس کیا جاسکتا ہے۔

اسلام کی رواداری 'وسعت طرف اور انسانیت نوازی کی یہ اہمیت ہے کہ اس نے
ان لوگوں کو بھی اہل کتاب کے زمرہ میں شامل کر لیا۔ جو واضح طور پر اہل کتاب نہیں تھے۔
اور ان کے ساتھ وہی احسن سلوک مرعی رکھا۔ جو اہل کتاب کے ساتھ از روئے عقل رکھنے
پر مجبور تھے۔ حالانکہ اگر ان کے دل رواداری کا دشمن نہ ہوتے۔ تو ان کے لئے یہ عند
بہت کافی تھا کہ چونکہ جو س اہل کتاب نہیں ہیں۔ لہذا ان کے ساتھ وہ برتاؤ کبھی نہیں
کیا جاسکتا۔ اور اگر وہ ایسا کرتے۔ تو کوئی بھی ان پر معترض ہونے کا حق نہیں رکھتا تھا!

مسئلہ ارتداد

تشریح اسلامی کا ایک مہتمم بالشان مسئلہ

اب ہم ایک اور بہت اہم اور بہت بڑے مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہے ارتداد کا۔ یعنی جو شخص ایک مرتبہ اسلام قبول کرے اس سے منحرف ہو جائے۔ اور پھر سابقہ مذہب یا کسی دوسرے مذہب کو اختیار کر لے۔ اسلام اور کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے؟

کوئی شبہ نہیں یہ بہت ہی اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق دو ذرا پیر دلائل کی کمک کے ساتھ بڑی سختی سے موجود ہیں۔

۱- ایک رائے یہ ہے کہ مرتد کی ہبزا اسلام نے قتل رکھی ہے۔

۲- دوسری رائے یہ ہے کہ اسلام مرتد کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کرتا۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ میں ان دونوں رائے کے درمیان کوئی محاکمہ کروں!

یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے!

میں اس بحث میں بھی نہیں پڑتا چاہتا کہ قتل مرتد کے جواز کے سلسلہ میں جو
سلیبس قائم کی گئی ہیں وہ مضبوط ہیں یا کمزور؟ احادیث سے اس مسئلہ میں جو استنباط
و استخراج کیا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور فقہ اسلامی نے اس سلسلہ میں جو مسلک
اختیار کیا ہے وہ کس حد تک مبرہن ہے؟ میں یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ جو لوگ قتل مرتد
کے قائل نہیں ہیں۔ اور دور نبوی صلیا خلافت راشدہ کی مثال طلب کرتے ہیں انہیں
مظہن کیا گیا یا نہیں؟ اس لئے کہ اگر ان مباحث پر میں گفتگو کر دوں۔ تو بحث کو پھیلائے
اور سمجھنے کے لئے کئی ضخیم جلدات کی ضرورت ہوگی۔ اور موجودہ حالات میں اس کا تحمل
امکان نہیں۔ بہر حال ایک ماہہ النزاع مسئلہ کو میں از سر نو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ البتہ اس سلسلہ
میں قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کا ذکر نظر انداز بھی نہیں کر سکتا۔

آیات قرآنی کا جہاں تک تعلق ہے۔ وہ کس معاملہ میں بالکل صاف ہیں۔ ایک آیت
بھی ایسی نہیں ملتی جو قتل مرتد کی ترغیب دیتی ہو یا اسے جائز قرار دیتی ہو؟
اس سلسلہ میں واقعہ رزہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ واقعہ رزہ اگرچہ قرآن کی کوئی تفسیر
نہیں۔ نہ اجمال قرآنی کی اسے تفصیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ پھر بھی اس باب کے آخر میں
اس کے بعض پہلوؤں کو میں زیر بحث لاول گا!

سب سے پہلے ہمیں آیات قرآنی پیش نظر رکھنی چاہئیں!

معنی ازداد

جو لوگ اسلام کی دعوت حق قبول کر رہے تھے۔ یہ خلیفہ فی دین اللہ افواجاً اور
خدا کے دین میں فوج نہ فوج داخل ہو رہے تھے۔ ان کا یہ فعل کفار کی نظر میں بری طرح
کھٹکتا تھا۔ وہ خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کوئی دوسرا اسلام
قبول کر لے۔ جن لوگوں کو وہ دعوت اسلام پر لبیک کہتے ہوئے دیکھتے تھے۔ ان کے بارے

میں یہی سوچا کرتے تھے کہ کاش یہ لوگ کسی طرح اسلام ترک کر کے پھر اپنا آبائی دین اختیار کر لیں۔

سورۃ بقرہ میں قرآن اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مسلمانوں! اکثر اہل کتاب باوجودیکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے (پھر بھی) اپنے ولی مسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تم کو کافر بنا دیں۔ یہاں تک کہ خدا اپنا رکوعی اور حکم صادر کرے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَذَكِّرْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لِيُذَكِّرَ اللَّهُ لِيُذَكِّرَ مَنْ بَدَّلَ إِيْمَانَكُمْ كَفْرًا أَحْسَدًا
مَنْ عِنْدَ الْفَسْهَمِ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ أَلْت
اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

یہ اشارہ ہے کفار کی سعی ارتداد کی طرف، قرآن اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن یہ تمہیں فرماتا کہ ان کے پہلو سے پس آ کر جو لوگ اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ البتہ اپنے "حق" ہونے پر اصرار ضرور کرتا ہے۔ اور یہ وہ دعویٰ ہے جس سے وہ کسی حالت میں بھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔

ایک دوسری آیت

اسی سلسلہ میں سورۃ بقرہ کی ایک دوسری آیت ذیل میں پیش کی جاتی ہے اس سے عبرت منگے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے

یہ کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے۔ تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں۔ اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہو گا۔ اور کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ایسے لوگوں کا کیا کوایا دنیا و آخرت دونوں

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَكُونُوا
عَنِ دِينِكُمْ أَوْ اسْتَطَاعُوا مِنْ يَتَوَدَّ
مَنْكُمْ فِيمَت وَهُوَ كَافِرًا وَلَكِنَّكُمْ
حَبَطَتِ أَعْيَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

جگہ اکارت جائے گا۔ یہی اہل دوزخ میں اور

ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

اس آیت میں خدا نے بتایا ہے کہ جو شخص ان رکعات کے کہے ہیں اُسے گا۔ اور وہ

اسلام سے گرتا ہو جائے گا۔ اس کا کیا حشر ہو گا؟

یہ نہیں فرمایا کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ ارشاد ہوا کہ دین و دنیا میں اس کے اعمال و افعال

اکارت جائیں گے۔ اس نے جو نیکیاں اور اچھائیاں اب تک کی تھیں۔ وہ اس بدی اور برائی

سے مغلوب ہو جائیں گی۔ اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے حضور میں حاضر ہو گا

تو اسے جہنم کی سزا ملے گی۔ اس لئے کہ اس نے حق کو قبول کیا۔ پھر اس سے منحرف ہو گیا۔ دنیا

دار العمل ہے اور عقیقہ داما لحترا سے پہاں اس نے جو کچھ بویا تھا۔ وہاں وہ کاٹے گا۔ اور اپنے انجام

کو پہنچے گا۔ اس آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ارتداد کی سزا قتل ہے۔ جو شخص مسلمان

ہو کر پھر اپنا آبائی مذہب اختیار کرے گا۔ وہ ہلاک کر دیا جائے گا۔

ہدایت سے انکار

اب تک مرتدین کا ذکر صبیحہ مستقبل یا حلقہ ارکان میں تھا یعنی اگر وہ ایسا کریں تو

..... یہ ہو گا یا ایسا ہو گا!

لیکن ذیل کی آیت میں خدا صاف ظہور پیمان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اسلام

قبول کیا۔ اور پھر اس سے منحرف ہو گئے۔ ارشاد ہوا سورہ آل عمران

خدا ایسے لوگوں کو کہوں ہدایت دینے لگا

کیف یدہدی اللہ قوما کفروا

جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ حالانکہ وہ

بعد ایمانہم وشهدوا ان الرسول

انرا کر چکے تھے۔ کہ پیغمبر حق ہے۔ ایمان کے

حق و جاء ہم الیمنات واللہ لا

پس اس کے کھلے ثبوت بھی آچکے۔ اور اللہ

یہدی القوم الظالمین

ایسے ہٹ دھرم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر کے اس سے منحرف ہوں وہ اب خدا سے ہدایت اور راہِ یابی کی توقع نہ رکھیں۔ خدا ان لوگوں کو ہدایت نہیں دے گا جو کفرانِ نعمت کے ترکیب ہوتے ہیں۔ اس آیت سے بھی قتلِ مرتد کی کوئی نشانہ ہی کسی طرح کی نہیں ملتی۔ البتہ آگے چل کر یہ فرمایا ہے کہ ان کے اس فعل کی جزا یہ ہے کہ وہ اللہ ملائکہ مقربین اور سمجھ دار انسانوں کی لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہوں گے۔

چنانچہ فرمایا:-

اولئك جزاؤهم ان عليهم
لعنة الله والملكه والناس
اجمعين

ان کی جزا یہ ہے۔ کہ ان پر خدا کی اور
فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی پھٹکار
ہوگی!

پھر آگے چل کر ارشاد ہوا
خالد بن قیہ الا یخفف عنهم
العذاب ولا ہمد فی نظرہم

یہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے۔ نہ تو
ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔ اور نہ ان
کو ہمت دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کفرانِ نعمت کی جو جزا یا سزا مقرر کی ہے وہ یہ ہے۔
اب جو لوگ اسلام قبول کر کے اس سے منحرف ہو کر ہٹ دھرمی کا ثبوت دیں گے ان
پر خدا اور فرشتوں کی لعنت ہوگی۔

۱۔ یہ ہمیشہ اسی لعنت میں گرفتار رہیں گے۔

۲۔ ان کو جہنم کی سزا ملے گی۔

۳۔ عذابِ جہنم ہلکا نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ انہیں کسی قسم کی ہمت نہیں دی جائے گی۔

ان آیات سے یہی پانچ باتیں منترتب ہوتی ہیں کسی آیت سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا

کہ ایسے لوگوں کو آخرت کے بجائے یہیں ہی دنیا میں سزا دی جائے اور ہلاک کر دیا جائے
 بے شک مردین کے لئے قرآن نے بڑے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں
 اور یہ اپنے کفر و نفاق کے باعث اس کے مستحق بھی ہیں۔ ————— لیکن وہ کسی کی آزادی
 ضمیر عقیدہ پر پیر نہیں ٹھہانا چاہتا۔ وہ کہہ چکا
 لکھ دینکھولی دین تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے

میرا دین۔

اسی نے یہ بھی مسترایا

لاکھا اذنی الدین
 دین کے معاملہ میں جبر واکراہ وہ نہیں
 پھر وہ ایک شخص کو جو خواہ کتنا ہی غلط کار اور گمراہ ہو۔ دنیاوی عدالت کے
 حوالے نہیں کر سکتا۔ مرد اپنے نفس کو اور خدا کو دھوکا دیتا ہے۔ خدا اس سے سمجھ لے گا
 وہ بندوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مرتد کو واجب قتل قرار دیں۔ اور اس کی
 گردن اڑا دیں۔

معافی کی صورت

اگے چل کر اسی سورہ میں مسترکان نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ مرتدین کو عذاب اللہ
 عذاب الہی اور ملائکہ کی لعنت سے نجات کیوں کر مل سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔
 االذین تابوا من بعد ذلك
 اور اپنی اصلاح کرنی۔ تو اللہ بخشنے والا اللہ
 واصلحوافان اللہ غفور رحیم
 مہربان ہے۔

یعنی اگر

۱۔ توبہ کر لی جائے

۲۔ اصلاح احوال کر لی جائے۔

تو ایسے مرتدین پھر مسلمان بن سکتے ہیں :-

ایک اور آیت

اسی سورہ میں آگے چل کر فرمایا

جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور

الذین کفروا بعد ایمانهم

ان کا کفر بڑھنا چلا گیا تو ایسوں کی توبہ بھی قبول

ثم انشردادوا کفرالون تقبل تو تبہم

نہ ہوگی اور یہ لوگ گمراہ ہیں۔

ذالذک هم الضالون ۵

یعنی جو لوگ توبہ کر کے پھر اس سے منحرف ہوئے۔ ان کے لئے اب توبہ کا دروازہ

بند ہو گیا۔ لیکن ایسے لوگوں کے قتل کا حکم نہیں صادر ہوا۔

مسلمانوں کی وہی

جو لوگ اسلام لا کر اس سے منحرف ہو جاتے تھے۔ اور نہ باوجود تر

یہ وہ لوگ تھے جو اسلام قبول ہی اس لئے کرتے تھے کہ بعد میں منحرف ہو کر مسلمانوں میں بددلی

پیدا کریں۔ تو قدرتا مسلمانوں کو اس سے صدمہ پہنچتا تھا چنانچہ مسلمانوں

مسلمانوں یا تم میں سے کوئی اپنے دین سے

کو مخاطب کر کے سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا :-

پھر جائے۔ تو خدا ایسے لوگ موجود کر دے گا

یا ایہ الذین امتوا من یوتد

خبر کو یہ وہ دوست رکھتا ہو گا۔ اندر جو اس کو

منکم عن دینہ ضیوف یا تی اللہ

دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم

بقوم یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی

کانرڈل کے ساتھ کڑے راہی متعاضت کرنے

المؤمنین اعشرنا علی الکافرین یجاہد

اور ان کے حملے روکنے میں (اللہ جو) خدا کی راہ

فی سبیل اللہ ولا یجانون لومنا لکم

میں کوشش کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے

ذک نقل اللہ یوتیہ من یشاء

دالے کی ملامت کا کچھ (خوف نہیں رکھیں گے

واللہ واسع علیہم

یہ خدا کا ایک فضل ہے جس کو چاہے

دے اٹھا دیڑا اور صحت والا اور عظیم ہے۔
 یہ ہیں قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں ارتداد کا، مسیحی ارتداد کا اور مرتدین کا
 ذکر فرمایا گیا ہے لیکن ان میں سے کسی آیت میں اشارہ بھی قتل مرتد کا حکم نہیں دیا گیا
 لہذا قرآن کا جہاں تک تحقق ہے وہ قتل مرتد کی اجازت دیتا ہے نہ شہادت!

مرتد یا مفسد؟

آیات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام چونکہ آزادی و فکر و
 عقیدہ پر کوئی قید نہیں قائم کرتا۔ اور جبری تبدیل مذہب کا قائل نہیں۔ اس لئے
 وہ دنیا میں مرتد کو کسی قسم کی سزا اسلامی حکومت سے نہیں دیتا لیکن جو لوگ حق سے
 اعراض کریں اسے نہ مانیں یا مانیں اور مان کر ترک کر دیں۔ وہ عذاب و عتاب خداوندی
 سے نہیں بچ سکتے۔

جس طرح ایک کافر اسلام نہ قبول کرنے کی سزا آخرت میں پائے گا اور اس سزا
 سے نہیں بچ سکے گا۔ لیکن دنیا میں اس کی آزادی رائے سلب نہیں کی جائے گی۔ اسی
 طرح ایک مرتد بھی اگرچہ دنیا میں اپنی آزادی رائے سے متمتع ہو سکے گا لیکن آخرت میں
 اس کفران کی سزا سے ضرور ملے گی۔

لیکن مفسد کی صورت دوسری ہے۔ وہ ایک بہت بڑے فتنہ کا سبب بنتا ہے۔
 اس کی فساد انگیزی ملک کے امن و امان کو دہم پر دہم کر دیتی ہے۔ لہذا اس کے لئے قتل سے
 بھی بڑی سزا تجویز کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

واقعہ روضہ

اب ہم واقعہ روضہ پر بحث کرتے ہیں۔

قتل مرتد کے جوڑ میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے
 بعد بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے تھے۔ انہوں نے نہ کوئی دین سے انکار کیا تھا۔ اور حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ خدا کی قسم اگر یہ رسول اللہ کے زمانے میں رومی کا ایک لڑکا بھی دیتے تھے۔ اور اب نکال کر تے ہیں۔ تو میں ان سے جہاد کروں گا۔

اس مسئلہ پر ہمیں بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ اگر وہ لوگ مرتد ہو گئے تھے یعنی اسلام سے پھر گئے تھے تو زکوٰۃ دینے سے انکار کیوں کیا؟ زکوٰۃ غیر مسلموں پر نہیں صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔ لہذا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کسی غیر مسلم سے زکوٰۃ وصول کرنے کے مجاز نہیں تھے۔

اصل بات

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ مرتد نہیں مفسد تھے۔

مرتد ہوتے تو اسلام سے ترک تعلق کر کے اپنے آبائی دین کو اختیار کرتے! مفسد تھے اس لئے انہوں نے یہ کہا کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے! مرتد کو مسلمان اس لئے گوارا کر لیتے۔ کہ وہ مرتد ہو کر اسلامی معاشرہ سے خارج ہو جاتا اور مفسد کو اس لئے نہیں گوارا کر سکے کہ وہ اسلامی معاشرہ میں رہتے ہوئے اسلام کے نظام اسلام کی تعلیم اسلام کے اصول میں خلل انداز ہو رہے تھے۔ ایک مرتد کسی طرح بھی مسلمانوں کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک مفسدان کی زندگی کا نظام ہلا سکتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف نہیں۔ درحقیقت مفسدین کے خلاف جہاد کیا۔ اور اس طرح اسلام کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔

اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا۔ جنہوں نے ترک اسلام کا اعلان تلوار کی جھنکار کے ساتھ کیا تھا۔ یعنی اگر یہ لوگ صرف دین اسلام ترک کر دیتے۔ اسلام اور مسلمانوں کے درپے آزار نہ ہوتے۔ تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ خلافت اسلامیہ ان سے حویب و پیکار کے لئے تیار ہوتی لیکن ان کا ارتداد و فتنہ و فساد کا علمبردار تھا۔ یہ وہ سرور کو بھی اپنے ساتھ مرتد بنا نا چاہتے تھے

یہ اسلام کے رسوخ اور اثر کو ختم کر دینا چاہتے تھے یہ توحید کے دشمن بن گئے تھے اور چاہتے تھے کہ کفر و شرک کی سلطانی پھر سے قائم ہو جائے۔ انہوں نے نیک اسلام کا بڑا نفسیاتی وقت منتخب کیا تھا۔ آنحضرتؐ کے وصال سے مسلمان مضطرب اور پریشان تھے ان کی خواہش تھی کہ ان مضطرب سے فائدہ اٹھائیں نیک اسلام ہی پر اکتفاء کریں۔ بلکہ خدا نخواستہ اسلام کے استیصال کی سعی و کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوشش بغاوت تھی، فساد تھی، شرارت تھی اور اس کا جواب تلوار ہی سے دیا جاسکتا تھا اور دیا گیا۔ اور یہ جواب ہمیشہ اور ہر دور میں دیا جاسکتا ہے

بہر حال نراں کا نقطہ نظر سامنے آگیا۔ اور اس وقت موعود

گفتگو ہی تھا!

مرتد کی توبہ

مرتد کے بارے میں فقہاء کا اور بعض علمائے سلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ بہر حالت میں قتل کر دیا جائے گا پہاں تک کہ اگر توبہ کر لے تو بھی اس کی زندگی نہیں بچ سکتی جیسے ایک تانی توبہ کے باوجود سنگسار کر دیا جائے گا ایک قائل توبہ کے باوجود قصاص سے نہیں بچ سکتا۔ اس لئے کہ بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جو توبہ سے باہر ہوتے ہیں۔ اور جن کا مجرم کبھی توبہ نہ کر سکتا ہے۔ مرتد کے بارے میں علمائے اسلام کا ایک بڑا گروہ اس کا قائل ہے کہ اسے قتل کر دینا چاہیے۔ یہ لوگ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعایت برتتے ہیں۔ لیکن مرتد کے بارے میں ان کا یہ یہ سخت ہو جاتا ہے۔ توبہ کے بعد وہ عند اللہ مغفور ہو سکتا ہے۔ لیکن عند الناس تو اسے سزا ملے گی۔ جن بزرگوں کا یہ مسلک ہے۔ ان کا اخلاص اور دیانت فکر تک و شبہ سے بالکل ہے۔ جو عقلی اور قلبی دلیلیں دہ دیتے ہیں۔ وہ بھی ذنی ہیں۔ لیکن قرآن کریم اور اسوۂ رسولؐ کو گھٹکانے کے بعد ذاتی طور پر مجھے اور زیادہ اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام میں قتل مرتد نہیں ہاں قتل مفسد ضرور جائز ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف اسلام سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ تو اسلام کو اس کی کوئی پروا نہیں

اسلام اس سے بے نیاز ہے۔ وہ جس مذہب پر چاہے عمل کرے۔ اسلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں لیکن اگر وہ اسلام ترک کرنے کے بعد مفسدہ پروازی پر ناز آتا ہے (جیسا کہ اکثر ہوں) تو بلاشبہ وہ ہر تعزیر کا مستحق ہے۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں۔ اس کی دلیل بھی رکھتا ہوں۔

قد روی عن ابن عباس فی الطریق
الذی لحق بکة وکتب الی قومہ سلوا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل
لی من توبتہ؟ فانقول اللہ وکیف
یهدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانہم
الی قولہ تعالیٰ لا الذین تابوا من بعد
ذلک واصلحوا فکتبوا بما لیس فیہ فرج
فاسلم فحکولہ بالتوبة بما ظہر من
تولہ فوجب استعمال ذلک والحکم
لہ بما یتظہر منه ما حدت فی قلبہ

ابن عباس سے یہ آیت ہے کہ ایک مرتد
مکہ میں آگیا۔ اس نے اپنے لوگوں کو لکھا کہ
رسول اللہ (ص) سے دریافت کرو کہ میری توبہ
قبول ہو جائے گی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
آشدان لوگوں کو کیونکر اپنی گناہوں سے جو ایمان
لانے کے بعد کافر ہو گئے ہوں؟ سوال لوگوں کے
بجواب ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی میں اصلاح
کر لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسے یہ لکھ دیا۔ وہ
واپس آگیا اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے اسے
توبہ کی ہدایت فرمائی۔ ظاہر قول کے سلسلہ میں۔
کیونکہ کفر ظاہر کے بعد توبہ واجب ہو گئی تھی اور
حکم شریعت بھی ہے کہ حکم ظاہر پر لگایا جائے
گا۔ نہ کہ کتوبات قلب پر۔

بنیادی بات

اس سلسلہ میں اصل اور بنیادی چیز یہ ہے کہ اسلام حرمت فکر و خیال کا حامی ہے
صرف تبدیل مذہب اس کے نزدیک کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اگر کوئی شخص ماہ یا ب
ہونے کے بعد گمراہی کو ترجیح دیتا ہے۔ تو وہ اس کا مجاز ہے۔ اگر کچھ بگڑے گا تو اس کا اسلام

کا یا اسلام کے خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ دور اول میں بن مرتدین کو منرا سے قتل دی
 گئی۔ ان کا پس منظر تو اسی تلاش و تفتیش کے بعد تلاش کر لیا جاسکتا ہے جو اس کے سوا
 کچھ نہیں کہ ارتداد نے جب بغاوت، سازش، افساد اور تخریب کی صورت اختیار کر لی تو اس
 کا جواب تلوار سے دینا ناگزیر ہو گیا۔ یوں ہے کہ کٹتا ہے۔ افساد اور تخریب کا جواب نہایت
 اور شفقت سے نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ہو سکتا ہے۔ اور اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے کہ تشدد میں
 بے انصافی نہ ہونے پائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ نہ ایسا ہونا چاہیے۔ کہ اگر کوئی ایک طمانچہ مارے
 تو دوسرا گال پیش کر دے۔ کوئی تیزی جیب پر لائف ڈالنے تو اسے اپنا بھادہ بخش دے۔

غیر مذہب کی عورتیں

کیا اسلام ان سے نکاح کی اجازت دیتا ہے؟

ایک بہت ہی اہم سوال یہ ہے کہ کیا اسلام غیر مذہب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتا ہے؟ اور اگر یہ بات جائز ہے تو کیا جس طرح مسلمان مرد، غیر مذہب کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں، کیا مسلمان عورتیں بھی اپنے خیار برونغ سے فائدہ اٹھا کر غیر مسلم مردوں سے شادی رچا سکتی ہیں؟ اگر جواب انکار میں ہے اور یقیناً انکار میں ہے تو کیا یہ بات انصافی پر مبنی نہیں ہے؟

عالمِ اسلام نہ صرف عدل کا بلکہ حسان تک کا حکم دیتا ہے۔ ان اللہ یا مرقہ یا العدل والاحسان اور کیا مسلمان کے لئے غیر مسلم عورت سے نکاح کی اجازت اور مسلمان عورت سے غیر مسلم مرد کی حرمت، غیر مسلموں پر ایک کھلا بواطن نہیں ہے؟ کیا ان کی توہین نہیں ہے؟ کیا یہ طرز عمل عدل اور مساوات انسانی کے منافی نہیں ہے؟ اگر ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ ہے تو کیا اسلام کے لئے یہ بات جائز ہو سکتی ہے جو انسانی مجرد و قار کا علمبردار ہے جس کے دربار میں تمام انسانوں سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں، یکساں سلوک کا دعویٰ کیا

جانا ہے؟

بلاشبہ ان سوالات کو اور ان سوالات سے پیدا شدہ تفریحات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ اسلام جو دین و مذہب کے بارے میں تو لا اھکرا لا فی الدین کا چارٹر انسانیت کو عطا فرماتا ہو اور جو لکھو دینکم ولی دین کا اصول پیش کیے انسان کے خلی آزادی فکر و رائے کو بغیر کسی ذہنی تحفظ (MENTAL RESERVATION) کے تسلیم کرنا ہو۔ اور جو بار بار اپنے پیغمبر ص کو تسکین و تسلی دیتا ہو۔ کہ لوگوں کے مسلمان نہ ہونے سے تم دل برداشتہ نہ ہو۔ تمہارا کام تو صرف یہ ہے کہ لوگوں تک ہمارا پیام پہنچا دو اور بس نتائج کی تمہیں کوئی پروا نہ کرنی چاہیے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ دیکھیں کس نے سنا اور کس نے سنی کی ان سنی کر دی؟ اور یہ بھی ہمارا کام ہے کہ کسے چھوڑیں اور کسے سزا دیں؟ تم نہ کسی پر دروغہ بنا کر بھیجے گئے ہو لست علیہم بمصیطرہ کسی کی ہدایت اور سنگاری کی تم پر ذمہ داری ہے لیس علیک ہداہم وہی اسلام حیات عائلی اور تہذیب منزل میں اتنا تنگ نظر ہو کہ غیر مسلم عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے تو جائز قرار دے اور مسلم عورتوں کو غیر مسلم مردوں کے جمالیہ نکاح میں جانے کی اجازت نہ دے۔ تو یہ بات نہ اس کے نمایان نشان ہے نہ مناسب اور مستحسن!

ہم ان سوالات و شبہات پر آئندہ معنحات میں حسب موقع گفتگو کرنے کی کوشش کریں گے!

کتابیات سے نکاح

اسلام نے کتابیات سے مسلمان کا نکاح جائز ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔

والمحصنات من الذین اوتوا اور وہ عفت آب عورتیں جو اہل کتاب ہوں

الکتاب من تبتکم (ان سے تم نکاح کر سکتے ہو)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ جصاص فرماتے ہیں۔

والفقہ جماعة من الصحابة
على اباحة اهل الكتاب الذمیات
صحیباہ کوام کی ایک بڑی جماعت اس پر
متفق ہے کہ ذمیہ اہل کتاب عورتوں سے
نکاح جائز ہے۔

حدثنا جعفر بن محمد قال
حدثنا جعفر بن محمد بن لیثان قال
حدثنا ابو عبید قال حدثنا عبد الرحمن
بن مہدی عن سفیان عن حماد
قال سئلت سعید بن جبیر عن
نکاح اليهودیة والنصرانیة
قال لا بأس

حدیث بیان کی جعفر بن محمد نے انہوں
نے جعفر بن محمد بن لیثان سے۔ عبد الرحمن بن
مہدی سفیان سے۔ امروہہ حماد سے نہایت
کوٹھے ہیں۔ کہ میں نے سعید بن جبیر
سے یہودی اور نصرانی عورت سے نکاح کے
بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا اس
میں کوئی جوہم نہیں ہے۔

وساوی ان عثمان بن عفان
تزوج ناشلة بنت الفرافصة البکلیة
وهی نصرانیة وتزوجها علی نساہ
روى عن طلحة بن عبید اللہ انه
تزوج یهودیة من اهل الشام
وتروی اباحتہ ذلک من عامۃ
التابعین منهم الحسن و ابراہیم
والشعبی

کہ عیت ہے کہ عثمان ابن عفان درخلفہ
سوم نے ایک خاتون ناشلہ بنت فرافصہ سے
اپنی مسلمان بیوی کے ہوتے ہوئے نکاح کیا
تھا۔ حالانکہ وہ ذمیہ ایسی تھیں۔ اور طلحہ
بن عبید اللہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے
شام کی ایک یہودی عورت سے شادی کر لی
تھی۔ اہل کتاب عورتوں سے شادی کا جو از
عامۃ تابعین مثلاً حسن۔ ابراہیم اور شعبی وغیرہ
سے مروی ہے۔

کے احکام القرآن جلد ۲ ص ۳۹۵

محضات کی تعریف علامہ جصاص یکتا ہے۔

احصان اليهودیۃ والنصرانیۃ
یہودی اور نصرانی عورت کی عفت یہ
ان تغتسل من الجنابة وان تحسن
ہے کہ غسل جنابت کرتی ہو اور اپنی آبرو
فرجہا لہ
کی حفاظت کرتی ہو۔

کتابیہ لوندی سے نکاح

اس باب میں دوسرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی یعنی اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ شرط جو کچھ ہے۔ وہ یہ کہ ان کا شمار محضات میں ہو سکتا ہو۔ یعنی وہ غسل جنابت کی عادی ہوں اور اپنے ناموس کی حفاظت کرتی ہوں۔ آوازہ اور بد فحاشی اور بد اطوار نہ ہوں۔ اس طرح کی تمدن — اہل کتاب — عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ لیکن ایک ایسی عہدت سے جو اگرچہ کتابیہ ہو۔ لیکن حرارہ میں شامل نہ ہو یعنی آوازہ نہ ہو بلکہ کسی کی کتبیہ ہو نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ اور اس کا مشافی جواب قرآنی اور مذہبی نقطہ نظر سے یہ ہے کہ کتابیہ باندی کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ چنانچہ والمحضات من الذین ادتوا الكتاب من قبلک کی آیت کریمہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابو بکر جصاص نے اپنی بے نظیر کتاب میں کافی طویل اور دلچسپ بحث کی ہے۔ اس کے چند ضروری اجزاء ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

اختلف اهل العلم فیہ
فردی عن الحسن ومجاہد ومجید
بن عبد العزیز ذوالی بکر بن
عبد اللہ بن ابی مریم کراہتہ ذلک
اہل کتاب کتبیہ سے نکاح کے بارے
میں اہل علم باہم مختلف الراءے ہیں۔ چنانچہ
حسن، مجاہد، سعید بن عبد العزیز اور ابو بکر
بن عبد اللہ بن ابی مریم کے نزدیک

لہ احکام القرآن ج ۲ ص ۳۹۶

یہ جائز تو ہے۔ لیکن کراہت سے خالی نہیں
 توری کا بھی یہی قول ہے۔ اور منائیرین میں
 ابو مسیرہ جواز نکاح کے حامی ہیں۔ امام ابو حنیفہ
 کا قول بھی یہی ہے۔ نیز امام ابو یوسف۔ امام محمد
 اور امام زفر کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ امام ابو یوسف
 اسی حالت میں کتابیہ نوٹڈی سے نکاح کر وہ
 سمجھتے ہیں۔ جب اس کا مالک کافر ہو۔ کیونکہ
 اس کے لٹن سے جو لڑکا ہوگا۔ وہ بھی اس کے
 مالک کا غلام ہوگا۔ حالانکہ وہ اپنے باپ کے
 مسلمان ہونے کے باعث نہ ہی مسلمان ہوگا۔

گویا مذکورہ ائمہ کو جواز نکاح میں تو اختلاف نہیں۔ بعض اسے مکروہ ضرور سمجھتے
 ہیں۔ اور اس کراہت کی وجہ امام ابو یوسف نے بتا دی ہے کہ اس کتابیہ کنیز کے لٹن
 سے جو لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ اگرچہ نہ ہی مسلمان ہوگا۔ لیکن مال کی وجہ سے اچھے کافر آقا
 کا غلام بننا پڑے گا۔ بہر حال کراہت دوسری چیز ہے اور اباحت (جواز) دوسری
 چیز میں تو اباحت سے بحث ہے۔ آگے چل کر جواز کی دلیل دینے ہوئے علامہ جصاص
 فرماتے ہیں:

اس مسئلہ پر یعنی کتابیہ عورت سے جواز
 نکاح کے مسئلہ پر سب سے بڑی دلیل قول
 خداوندی ہے کہ عقیدہ اہل کتاب عورتوں
 سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے

ولما يختص منہا بالدلالة
 علیٰ ہذا المسئلة، قولہ (عشر رجل
 واملحصات من الذین اوتوا
 الکتاب من قبلکم)

لشہ احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۸

پھر آگے چل کر علامہ موصوف نے 'احصان' کے معنی اور مفہوم پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے
وضاحت اور تفسیر کے ساتھ فرمایا ہے۔

وثبت ان اسم المحصنات
یقع علی الکتابیات من المحرث والاماء
واخلق الله نکاح الکتابیات المحصنات
بقوله ذوالمحصنات من الذین اوتوا
الکتاب من قبلکم کان عاماتی
المحرث والاماء منهن ۱۰

یہ بات ثابت ہے کہ محصنات کا اطلاق

کتابیات پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ آزاد ہوں یا

کثیر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عقیقہ کتابیات سے

نکاح کی اجازت مطلق طور پر دی ہے۔

چنانچہ ان اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مرد کا

نکاح جائز ہے، یہ اجازت عام ہے۔ آزاد اور

باندی ہر اہل کتاب عورت پر اس کا اطلاق

ہوتا ہے۔

اس آیت اور آیت سے مستنبط شدہ حکم نے یہ بات بھی بہت اچھی طرح واضح
کر دی کہ۔

۱۔ نہ صرف آزاد اہل کتاب، عورت سے نکاح جائز ہے۔ بلکہ اس اہل کتاب
عورت سے بھی نکاح جائز ہے۔ جو آزاد نہ ہو۔ بلکہ لونڈی ہو۔

۲۔ عفت کو اسلام "حرائم" یعنی آزاد عورتوں کی اجارہ داری نہیں سمجھتا
بلکہ وہ کتابیہ باتوں کو بھی صاحب ناموس و عفت سمجھتا ہے۔ اس سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کا اور جہ کتنا اونچا کر دیا تھا۔

۳۔ اس خطرہ کے باوجود کہ کتابیہ باندی کے لطن سے مسلمان شوہر کا
جو لڑکا پیدا ہو گا۔ وہ رواج اپنی ماں کے کافر آقا کا غلام ہو گا۔ اسلام کتابیہ باندی
سے نکاح کی ممانعت نہیں کرتا۔

پھر کوئی ہے جو سوچے اور غور کرے؟

مسلمان عورت غیر مسلم مرد سے نکاح نہیں سکتی!

اب ہم اس مسئلہ کے دوسرے نازک ترین سوال کو چھیڑتے ہیں!

کوئی شبہ نہیں بظاہر یہ بڑی زیادتی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان مردوں کو تو اجازت ہو کہ وہ غیر مسلم عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن غیر مسلم مردوں کو یہ اجازت نہ ہو کہ وہ مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی مذہبی تنگ نظری ہو سکتی ہے؟

لیکن سنجیدگی سے اگر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا اس حکم کا اصل محرک عورت کا وہ

انتہائی احترام ہے جو اسلام ہر حالت میں پیش نظر رکھتا ہے۔ اسلام جب نمودار ہوا تو معاشرہ میں عورت کی حیثیت کیا تھی؟

ابہ حیثیت بیٹی کے بہن کے بیوی کے ماں کے اٹاک و جائداد کے ترکہ اور

میراث میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اسلام نے اسے یہ حق بڑی فیاضی سے عطا کیا
۲۔ شوہر کتنی ہی زیادتی کرے لیکن عورت سر تسلیم خم کر لینے پر مجبور تھی لیکن اسلام
نے عورت کو

الف :- ہر دلایا

ب :- طلاق کا حق تسلیم کیا

ج :- خلع کی اجازت دی۔

یہ وہ حقوق ہیں جو آج بھی بہت سی منہدم اور مہذب حکومتوں نے تسلیم

نہیں کئے ہیں۔ کم از کم پورے طور پر تسلیم نہیں کئے ہیں۔

۳۔ شادی کے بعد عورت اپنے نام یعنی اپنی انفرادیت اور اپنی بلکیت سے

محروم ہو جاتی ہے۔ وہ میکہ سے ایک کوڑوڑ زینہ بھی لائے وہ شوہر کا ہے۔ اس کا نام نہیں

پکارا جاتا۔ وہ "مسز قلال" بن جاتی ہے۔ وہ تنگ ہیں اپنے نام کا حساب نہیں رکھ

سکتی۔ خرید و فروخت انہیں کر سکتی۔ یہ سارے کام شوہر کو ملے گا۔ — پاکستان تک
 میں ابھی چند سال پہلے تک یہی صورت تھی۔ — لیکن اسلام عورت کی انفرادیت
 کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ اسے ملکیت کا حق دیتا ہے۔ مسلمان شوہر اپنی بیوی کی جائیداد اور
 املاک سے ایک جہ بھی بغیر اس کی رضا کارانہ اجازت کے نہیں لے سکتا۔ مسلمان
 شوہر اپنی بیوی کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ وہ
 وقتاً فوقتاً جو کچھ اپنی بیوی کو دے۔ وہ طلاق کے بعد بھی واپس نہیں لے سکتا۔ مسلمان
 شوہر کی بیوی حسب ضرورت شوہر کی جیب سے چوری بھی کر سکتی ہے۔ لہ
 حالانکہ اسلام میں چوری کی سزا قطعید ہے۔

۴۔ دوسرے مذاہب میں عورت کو صاحب الرائے "نہیں ملتے۔ حالانکہ
 اسلام مانتا ہے۔

۵۔ کافر عورت اگر اپنے مسلمان بیٹے کو جہاد پر جانے سے روکے تو اس پر
 جہاد واجب نہیں۔ نماز سے روکے تو اجازت ہے کہ اس کے سامنے نہ پڑھے۔ چھپ
 کر پڑھے لے سٹہ

۶۔ ایک مسلمان زنی غیر مسلم بیوی کو کسی حالت میں بھی مذہب بدلنے پر مجبور
 نہیں کر سکتا۔ وہ مسلمان شوہر کی بیوی رہ کر چرچ اور کلیسا میں جا سکتی ہے۔ اپنے
 تمام شعائر، رسوم اور اعتقادات پر عمل کر سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ میں
 ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک مسلمان اپنی اپنا بیچ مال کو پیٹھ پر لاد کر کلیسا لے جایا کرتا تھا
 ایک مسلمان نے اپنی عیسائی ماں کے لئے گھر کے احاطہ میں گر جانا یا تھا سٹہ

لہ ملاحظہ ہو ہندہ زوجہ ابوسفیان کا رسول اللہ سے اس سلسلہ میں سوال اور آپ کا جواب معتبر اور
 مستند کتب سیرت میں اسلئے اپنے موقع سے یہ چیزیں آئندہ ابواب میں آئیں گی ۱۲ سٹہ تمام متداول
 کتب تاریخ میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

مسلمان شوہر کی بیوی اس کی زندگی اور موت پر وہیں مخصوص حقوق و مراعات رکھتی ہے غیر مسلم کلچر میں عورت کے حق کا سوال ہی نہ تھا۔

اب پھر کیجئے ایک کتابیہ عورت یا لائڈی مسلمان شوہر کی بیوی بن کر ان تمام حقوق سے دھختہ بہرہ نہ ہو جائے گی۔ اور اگر ایک مسلمان عورت کو غیر مسلم مرد سے شادی کی اجازت ہوئی تو جن حقوق سے وہ آج تک بہرہ نہ ہوتی آئی تھی ان سے دھختہ محروم ہو جائے گی۔ اور لائڈی محض بن کر رہ جائے گی ایک مسلمان عورت پر یہ کنٹریکٹ اظلم ہوتا اگر اسے غیر مسلم مرد سے شادی کی اجازت دے دی جاتی اور ایک غیر مسلم عورت پر یہ کنٹریکٹ احسان ہے کہ اسے مسلمان مرد سے شادی کی اجازت دے دی گئی۔ دراصل اس حکم پر اسلام اور غیر مسلم کے نقطہ نظر سے نہ دیکھنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ عورت کے مجدد و قار پر اس کا کنٹریکٹ اثر پڑتا ہے۔

قابل غور بات

یوں تو کسی معاملہ میں بھی یہ جائز اور مستحسن نہیں ہے کہ خفائق کو میلان اور جذبات کا پابند بنانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن ادیان و مذاہب پر نکتہ چینی کے وقت تو ہر حال میں خفائق کو ذاتی میلان و رجحان پر غالب رہنا چاہیے۔ جو لوگ نکاح غیر مسلم کے جوڑا اور نکاح غیر مسلم کی حرمت پر معترض ہوتے ہیں۔ انہیں ذمی اور مذہبی عصبیت سے بالا ہو کر عدوت مسلمہ پر غور کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کے یہ معترضین اس پر معترض ہونے کے بجائے اس کے شکر گزار ہوتے۔ کہ اس نے عورت کی عاقبت، سر بلندی اور بہبود کے لئے کیسے کیسے وسیلے اور ذریعہ پیدا کئے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے ایک مسلمان عورت ایک غیر مسلم کی بیوی بن کر آج سے چودہ سو سال پہلے بے شک تمام حقوق سے محروم ہو جاتی ہوگی۔ لیکن اب اس بیوی صدی میں اس ریکشن جہالی کے دور میں اس آزاد مشربی اور دنیوی بے پرواہی کے زمانہ میں تو ایسا

نہیں ہو سکتا لیکن یہ محض خیال ہی خیال ہے ہم نے کئی عالی خاندان مسلمان لڑکپوں کو
 دیکھا ہے کہ انہوں نے کسی وجہ سے غیر مسلم مردوں سے شادی کی۔ یہ شادی سول میجر
 کے ماتحت ہوئی۔ ان کے شوہر ہندو تھے۔ عالی خاندان اور والد و دو ماں تھے۔ والد تھے۔
 تعلیم یافتہ تھے لیکن ان عورتوں کو جو مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ان کے گھر
 میں بیوی کی حیثیت سے جانے کے بعد زبان سے علاقہ رپبلک، انڈیا کے غیر ہندو
 بننا پڑا۔ اند پھر بھی انہیں وہ منزلت اور اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔ جو ایک بیوی
 کا حق ہے۔ وہ ہر طرح کی سعادت مند می اطاعت گزار می اور رواداری کے باوجود
 اپنے ہندو شوہر کے خاندان کا جزو نہ بن سکیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں نہ
 پہلے کبھی ایسا ہوا۔ نہ اب ایسا نظر آتا ہے۔ لہذا اسلام کا یہ حکم جتنا آج سے چودہ سو برس
 پہلے حکیمانہ تھا اتنا ہی آج بھی ہے۔

آیت قرآنی کی روشنی میں

کفار و مشرکین سے جہاد و قتال

دنیا کا کوئی مذہب بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ حالات خواہ کیسے ہی ہوں
جبر و جور، ظلم و عدوان، حرب و پیکار، سفاکی اور درندگی کا فریق مخالف کی طرف سے
خداہ کتنا ہی سنگدلانہ نظر اس پر ہو رہا ہو لیکن وہ جنگ سے پہلو بچائے گا۔ پرنسے طمانچہ
کے لئے دوسرا گال برابر پیش کرتا رہے گا:

مذہبی لڑائیاں

بہت سی مذہبی جنگیں دنیا میں برپا کی گئیں۔ ان لڑائیوں میں وہ سب کچھ ہوا
جو سیاسی جنگوں میں ہوتا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ خون ریزی، شقاوت اور سفاکی کے
لحاظ سے یہ مذہبی جنگیں دنیا کی متمدن قوموں ————— یہودیوں، عیسائیوں

میں نہیں، ہندوستان سے باہر بھی پھیلا۔

عبرت انگیز

افغانستان، ایران، عراق ————— بعض مورخین کے نزدیک شام و حجاز تک ————— سب ہی نے بدھ مذہب قبول کر لیا۔ چین و جاپان بھی اس کی زد سے نہ بچ سکے۔ لیکن ہندوستان کی ہمنیت اس کے استیصال کی دیر پردہ کوشش کرتی رہی۔ اور جب کھلی جنگ برپا کرنے کا وقت آیا تو سوامی شنکر چاریہ نے ایک طوفان کی طرح اٹھ کر خطہ ہند سے اس مذہب کو جلا وطن کر دیا۔ تو بت یہ بھی کہ چین سے زائستہ کی دستور دیا اور صورتیں بنتے ہوئے ناہیمان اور دوسرے زائر ہندوستان پہنچنے لگے۔ لہذا پتہ مذہب کے وطن کی زیارت کر کے آہ مسرور پھرتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔

آج ساہارن پور، بھوپال کی آبادی بدھ مت کی پیرو ہے۔ بھوپال انڈیا کا علاقہ بدھوں پر مشتمل ہے۔ کشمیر کے بلندو بالا مقام لداخ میں بدھوں کی کثرت ہے۔ جاپان ہمارا کاسا ملک اسی مذہب کا پرستار ہے۔ چین کی بہت بڑی اکثریت ————— چند کروڑ مسلمانوں، چند لاکھ عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے قطع نظر ————— آج بھی بدھ مت پر ہی عامل ہے۔ تھائی لینڈ کے بارہ سے ہیں بھی سب جانتے ہیں کہ بدھ ہے ————— اٹھ نوٹیا بستی جاوا، سما ترا بورنیو، ملائیشیا وغیرہ ہیں اگر اسلام نہ پھیل جاتا اندیشہ ہے کہ بدھ مسلمان نہ ہو گئے ہوتے تو آج ان مقامات پر بھی بدھ مت کا اسی چراغ جل رہا ہوتا۔ لیکن خود ہندوستان میں؟

صرف آثار قدیمہ

نسکا اور برہما وغیرہ کے بدھ زیادہ تر ان ہندوستانیوں کی اولاد ہیں جو ہمنیت کا دار نہ سہہ سکے اور لٹ پٹ کر کوئی دوسری پناہ گاہ تلاش کرنے پر مجبور ہوئے۔ ————— بہر حال متعدد ممالک جن کی آبادی کو بڑا بڑا کر ڈھ ہے۔ آج بھی بدھ مذہب کو ماننے

ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایجنٹا، ایلورا، بدھ گیا کا مندر اور چند دوسرے آثار قدیمہ کے
 سو کیا ہے؟۔۔۔۔۔ جس میں سے یہ مذہب اٹھا تھا۔ آج وہاں اس کی آبادی اتنی
 بھی نہیں کہ مرکزی اسمبلی یا صوبائی کونسل یا یونیورسٹی بورڈ یا میونسپلٹی میں وہ اپنا کوئی نمائندہ
 بھیج سکے۔۔۔۔۔ تاویح کا یہ کتنا بڑا عبرت انگیز باب ہے؟

اسلام کی تعلیم

اب اسلام کو دیکھتے۔ اسلام کے پیروؤں نے جنگ سے لپٹتیز اور دوران جنگ میں
 صلح کے ٹوٹنے سے پہلے، صلح ٹوٹنے کی حالت میں غیر غنموں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ یہ
 داستان آپ کو آئندہ اوراق میں ملے گی۔ فی الحال ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ اس
 باب میں دنیا کی آخری مذہبی کتاب۔۔۔۔۔ قرآن۔۔۔۔۔ کے احکام و ہدایات
 کیا ہیں؟۔۔۔۔۔ اور اسے اسلام کا بدترین دشمن بھی ماننے لگا کہ مسلمانوں کے نزدیک
 قرآن سے بڑھ کر محترم و مقدس اور واجب التعمیل کوئی دوسری کتاب نہیں۔ لہذا اس باب
 میں قرآن کے احکام و ہدایات آخری اور قطعی ہیں۔ ان میں نہ آج تک ترمیم و ترمیم
 ہوئی نہ آئندہ کبھی ہو سکتی ہے۔ خود رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ
 قرآن میں کوئی تبدیلی کر سکیں!

مسلمانوں کا آغاز اور انجام

مسلمانوں کو آغاز و انجام کی دو مختلف کیفیتوں سے گذرنا پڑا۔

پہلی صورت آغاز کی تھی۔ جب اسلام کی دعوت شروع ہوئی۔ اور کفار مکہ نے
 بڑی شقاوت اور بے رحمی سے نہ صرف اسے رد کر دیا بلکہ اس کے خلاف صف آرا
 ہو گئے اور عہدِ ظلم کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ انہیں اس سلسلہ میں کسی تنگ
 نسیابت حرکت سے باز نہیں تھا۔ وہ ہر نسبت سے نسبت حرکت اسلام کو ختم کرنے کے
 لئے بے تکلفی سے کوششیں کرتے۔ اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ بے بس تھے، مجبور تھے

منظوم تھے۔ نہ ان کے پاس نہ یہ تھا کہ لوگوں کو اندازن کے ضمیر و ایمان کو خرید سکتے۔ نہ فوج
تھی کہ مخالفوں اور دشمنوں سے گلہ بہ گلہ جنگ کر سکتے۔ نہ جاہت تھی کہ لوگ ان کے
خداوت کچھ کرتے ہوئے ڈرتے اور سوچتے۔

پھر وہ دور آیا کہ مسلمان حاکم اور کشور کشتا کی حیثیت سے ملک میں داخل ہوئے۔ اور نہ
صرف ملک پر بلکہ سارے جواز پر ان کی حکومت ہو گئی۔ اب ہر شخص کی گردن ان کی تلوار کی
نوک پر تھی۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے دور اقتدار میں کوئی ظلم ایسا نہیں تھا
جس کا مظاہرہ نہ کیا ہو؟

اب ہم بتائیں گے کہ دور محکومی و مجبوری اور عہد اقتدار و اختیار میں قرآن نے
مسلمانوں کی کس طرح رہنمائی کی؟

دور منظومی و مجبوری

مکہ کا دور مجبوری و منظومی اتنا صعب و سخت تھا کہ مسلمان جنگ و پیکار کا
تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

بے شک وہ ظلم سہتے تھے اور بلاشبہ وہ مجبور تھے کہ ظلم سہیں لیکن قرآن نے
پھر بھی انہیں بتا دیا تھا کہ اگر ان میں جو صلہ ہو تو وہ زور رکھ سکتے ہیں۔
چنانچہ فرمایا

ولمن انتصر من بعد ظلمه
فادلائك ما عليه من سبيل - انما
السبيل على الذين يظلمون الناس و
يسعون في الارض بغير الحق والذالك
لهم عذاب اليم

جو شخص ظلم کے بعد انتقام لیتا ہے۔ اس پر
کوئی الزام نہیں۔ الزام ان لوگوں پر ہے جو دوسروں
پر ظلم کریں۔ اور ملک میں غیر حق کو پھیلانے کے
دبے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے عذاب
الیم ہے۔

خوب غور کر لیجئے۔ ان آیات میں کہیں بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے

کہ مسلمان جبر و جور کو ہر حالت میں سہتے ہیں اس کی اجازت دی گئی ہے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو ہتھیار اٹھائیں اور دشمن کا مقابلہ کریں۔ لیکن جوابی طور پر پہل کرنے اور آغاز کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور یہ پابندی آخر تک قائم رہی۔ دینی دور حکومت میں بھی اس کے اندر کوئی لچک نہیں پیدا ہوئی۔

قرآن اور جہاد

جہاد کے بارے میں قرآن کے اندر جو سب سے پہلی آیتیں ہیں۔ وہ سورہ حج کی حسب ذیل آیات کریمہ ہیں۔

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی انصرہم لقد یرون الذین اخوجوا من دیارہم بغير حق الا ان یتولوا رینا اللہ ولولادفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہد مت صوامح و بیع و صلوات و مساجد یتذکر فیہا اسم اللہ کثیرا و لیتصرنا اللہ من یتصرہ ان اللہ لقوی عزیزہ الذین ان مکننا ہد فی الارض اتامل الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونہو عن المنکر و لیلہ عاقبۃ الامور ۵

اللہ نے ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دیتے پر پوری قدرت رکھتا ہے اور جو اپنے گروں سے بے پروا سے نکلے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہماری رب اللہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے نہ رو نہ گھٹا مار رہتا۔ تو نصاریٰ کے ظلمت خانے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ سب تہدم ہو گئے ہوتے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کی سزا دے گا۔ جو کہ اللہ کی سزا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ

اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں۔ تو یہ
لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور
نیک کاموں سے کہتے کہ ہمیں۔ اور برے کاموں
سے منع کریں۔ اور سب کاموں کا انجام تو خدا
ہی جانتا ہے۔

آیات بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ کفار و مشرکین سے "مقاتلہ" صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن پر ظلم کیا گیا ہو۔
۲۔ جو اپنے وطن سے صرف اس لئے نکلنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ وہ خدا کا ذکر

کرتے ہیں۔

۳۔ جن پر کفار نے ظلم نہیں کیا جن کے دین اور مذہب اور طریق و مسلک سے تعرض
نہیں کیا جہتیں اختیار می یا جبری اجلا وطنی پر مجبور ہونا نہیں پڑا۔ انہیں مخاطب نہیں فرمایا
گیا ہے۔ خطاب صرف انہی سے ہے جن کے لئے دنیا کے کسی اصول کے لحاظ سے بھی
جنگ کے سوا دوسرا چارہ کار نہیں رہ گیا۔

چند قابل غور امور

اب اس کے ساتھ چند اور باتوں پر بھی غور فرمائیے۔
۱۔ آیات سے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کی یہی اندر دست تعلیم
ملتی ہے۔ چنانچہ جہاں مسجد کا ذکر فرمایا وہاں

۱۔ گرجاؤں (ص ۱۷)

۲۔ اہل کتاب کی عبادت گاہوں (ص ۱۷)

۳۔ عام عبادت گاہوں (صلوات ۱)

کا بھی احترام اور تقدس کے ساتھ ذکر فرمایا اور غایت درجہ کی رواداری دیکھئے

جیسے پہاڑ اور صحرا

کا الجبال والصحاری

صلوات کی تشریح

صلوات یعنی یہودیوں کی عبادت گاہیں

وصلوات کنائس لیلیہود

اس تقسیم کے مان لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ صواعق اور بیچ سے مراد اہل کتاب یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔ اور صلوات کا لفظ عام ہے۔ اور اس کے معنی بھی عام ہیں یعنی عام عبادت گاہیں، جہاں خدا کا ذکر کیا جاتا ہو چاہے وہ عیسائیوں کی ہوں یا یہودیوں کی یا کسی اور کی۔ چنانچہ صواعق سے اس کے جو معنی بنائے ہیں یہ ہیں:

یہ ایک عبرانی لفظ ہے۔ جو معرب کر لیا گیا

ہی کلمۃ معربة اصلها

ہے۔ اس کے معنی عبادت گاہ کے ہیں!

بالعبرانية ومعناه المصلی

غرض اس نازک معنوی فرق سے ہمارے اصل دعوے میں کوئی فرق نہیں آتا۔
اصل یہ ہے کہ عبادت گاہیں خواہ مسلمانوں کی ہوں یا غیر مسلمانوں کی

مقدس اور محترم ہیں!

چند اور آیات

اب سورہ انفال کی حسب ذیل آیات کو میرے پر غور فرمائیے:

اور تم ان سے اس خندق لڑو کہ ان میں فتنہ

وقاتلوہم حتی لا تكون فتنة

ختم ہو جائے۔ اور بنی اللہ ہی کا ہو جائے۔ پھر آگے

دیكون الذين كلف الله فان اتتھوا

بذات جانیس تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب

فان الله بما يعملون بصیورہ وان تولوا

دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ گمراہی کیوں نہ تھیں رکھو۔

فان علموا ان الله سیرا کہ نعم المولى

کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے نہ بہت اچھا

ونعم النصیورہ

رفیق ہے اور بہت اچھا اور دگاہ ہے۔

ان آیات کریمہ سے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔
 ۱۔ جو لوگ مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں، ان سے مقاتلہ کیا جاسکتا ہے لیکن جنگ
 اور پیکار کی حالت میں بھی اعتدال یعنی زیادتی کی اجازت نہیں۔ صاف الفاظ میں فرمایا
 ان اللہ لا یحب المعتدین
 خدائے تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو
 پسند نہیں کرتا۔

۲۔ بدھ، جنگ کفار و مشرکین کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جاسکتا ہے۔ جو وہ مسلمانوں سے
 ردا کرتے چلے آ رہے تھے پس اس سے زیادہ کچھ نہیں!
 پھر بھی تاکید اور صراحت کے ساتھ فرمایا۔

والفنتۃ اشد من القتل
 قتل و فساد قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے۔
 ۳۔ یہ بات بھی صاف فرمادی کہ مسجد حرام کے جوار میں قتل و خونریزی جائز نہیں
 مسائل عورت کے کہ خود کھانا بچہ کر دیں

کذا اللک جزاء الکافرین
 کہ یہی کافروں کی جزا ہے۔
 ۴۔ اشد اگر جنگ و پیکار سے لڑا جائیں۔ اپنی کمزوری دیکھ کر جنگ کا ارادہ ترک
 کر دیں۔ تو

فان اللہ غفور الرحیم
 اللہ تعالیٰ جسم کرنے والا اور مغفرت

کرتے والا ہے۔
 موقع کے لحاظ سے ان الفاظ کی بلاغت اور معنویت بہ طور کیجئے۔ اس سے بڑھ کر رحم
 و کرم کا کوئی درجہ ہو ہی نہیں سکتا۔

۵۔ یہ بات بھی صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمادی کہ مسلمان کا میابی اور
 فتح مندی کے عالم میں زیادہ سے زیادہ مقہور و مجبور کافروں کے ساتھ یہی برتاؤ کر سکتے ہیں۔
 جس کے وہ شکار ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور اگر اس سے بھی باز آجائیں۔ اور

باکھل معاف کر دیں تو سبحان اللہ

۶۔ آخری بات پر غور کیجئے تاکیدی جاتی ہے۔

خدا سے ڈرو

واتقوا اللہ

اور معاً اس کے بعد اور تیرا وہ زور کے ساتھ فرمایا جاتا ہے۔

جان لو، خدا مرت انہی لوگوں کے ساتھ ہے

واعلموا ان اللہ مع المتقين

جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔

سورہ بقرہ کی چند آیتیں

اس سلسلہ جنگ و پیکار سے متعلق سورہ بقرہ کی آیات ذیل خاص طور پر غور طلب ہیں۔

اور تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین

ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑتے لگیں۔ اور حد سے

یقاتلوا کفراً لا تعتدنا ان اللہ لا یحب

امت نکلیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں

المعتدین وہ وقتلوا ہم حیث تقفتم

کو اپنا نہیں کرتا۔ اور ان کو قتل کرو جہاں ان کو پناہ

فاحوجوہم من حیث اخرجوہم

اور ان کو نکال باہر کرو۔ جہاں سے انہوں نے

والقتنہ اشد من القتل ولا تقتلوا نساء

تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ اور شرارت قتل سے

عند المسجد الحرام حتی یقاتلوا کم

بھی سخت تر ہے۔ اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے

قیہ فان قاتلوا کم فانتلوا ہرکن ذلک

جو ان میں قتال مت کرو۔ جب تک کہ یہ لوگ

جزا عن الکافرین فان استہوا عنان

وہاں تم سے خود نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ خود ہی لڑتے

اللہ غفور رحیم وہ وقتلوا ہر حتی

کامابان کرنے لگیں۔ تو تم ان کو مارو۔ ایسے

لا تکتبن فتنہ ویكون الذین ملطافان

کافرین کی ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ لوگ

استہوا فلا عدوان الا علی الظالمین

پانہ آجائیں۔ تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی۔

الشہل الحرام بالشہل الحرام والحرمات

بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔ حرمت والا

تصاصہ فمن اعتدی علیکم

مہینہ ہے۔ جو عرض حرمت والے ہیتہ کے۔

اور یہ جو نہیں تو عرض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔

سو جو تم پر زیادتی کرے۔ تو تم بھی اس پر زیادتی

کردو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ

ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مسلمانوں پر کفار سے جنگ و پیکار کے سلسلہ میں بہت سی پابندیاں ہیں۔ اور ان

پابندیوں کو بجا لانا ان کا فرض ہے۔

سب سے بڑی پابندی یہ ہے کہ وہ اجماعی طور پر یا پیش بندی کے طور پر یا کفارہ

مشیرین کی طرف سے جنگ کا آغاز ہونے بغیر اسلحہ لے کر میدان میں نہیں آتے۔ انہیں خواہ

کتنا ہی نقصان ہو۔ نقصان ہی نہیں کتنے ہی خطرات سے وہ دوچار نہیں۔ لیکن اگر صلح کو

چکے ہیں۔ تو اندیشہ ہے دور دورہ کی آڑ لے کر جیسا کہ موجودہ زمانہ میں بھی بڑی بے تکلفی

سے ہوتا ہے۔ وہ کفار سے جنگ نہیں چھیڑ سکتے۔ جب تک صلح قائم ہے۔ وہ صلح کو پانی

رکھنے پر مجبور ہیں۔ پھر جنگ کی حالت میں بھی وہ کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے ہیں۔ نہ تقویٰ

کی راہ سے منہ پھرت ہو سکتے ہیں۔ نہ انصاف سے روگردانی کر سکتے ہیں۔

پھر آج جو کفار کو یہ آسانی ہے کہ جب چاہیں میدان سے بھاگ کھڑے ہوں۔

مسلمان اس سہولت سے محروم ہیں۔ ان پر ایک پابندی یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت تک

جنگ جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔

جب تک فتنہ و فساد کا قلع و قمع ہو جائے

حتیٰ لا تکن تفتنة

نم جنگ کرنے رہو۔

ترغیب جہاد

قرآن کریم میں جہاد کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اور بڑے موثر اور جذب انگیز لہجے میں دی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ نسا میں جو مدنی سورت ہے۔ ارشاد ہوا۔

وما لکم لانقلابون فی سبیل
اللہ والمستضعفین من الرجال
والنساء والولدان الذین یقولون دیننا
اخو جنامن ہذہ القریۃ الظالم
اہلہا واجعل لنا من لدنک ولیاً
واجعل لنا من لدنک نصیراً

اور تمہارے پاس کیا قدر ہے۔ کہ تم
جہاد نہ کرو۔ اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی
خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں۔
اور کچھ بچے ہیں۔ جو دعا کر رہے ہیں۔ کہ اسے
ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال
جس کے رہنے والے سب ظالم ہیں۔ اور ہمارے
بائے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے۔ اور

ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے۔

ان آیات کریمہ سے جہاں جہاد کی تبلیغ نکلتی ہے۔ وہاں یہ بات بھی صاف اور
 واضح طور پر نظر آ جاتی ہے۔ کہ جہاد کا مقصد قتل و خون ریزی تو مسلح مملکت، حصول مفاد
 اور جنگ زدگری نہیں ہے۔ بلکہ یا تو فقط دفاع ہے یا تو اولد طغیان کی سرکوبی۔ اسلام کا
 خداوند ترین نافرمانوں کے باوجود بھی کفار و مشرکین کی جان و مال کو محترم سمجھنا ہے۔
 انہیں وہ تمام حقوق دینا ہے۔ جو ایک بلند مرتبت انسانی معاشرہ میں کسی انسان کو حاصل
 ہو سکتے ہیں۔ وہ ہرگز اسے گوارا نہیں کرتا کہ کفار یا مشرکین سے اس لئے جنگ کی جائے کہ
 وہ خدا کو ایک نہیں مانتے۔ وہ اسلام کو اپنا دین نہیں سمجھتے۔ یا قرآن کے احکام و ہدایات
 پر عمل نہیں کرتے۔ وہ نصیحت "گرتا ہے" تذکیر سے کام لیتا ہے۔ موعظت کو اختیار
 کرتا ہے۔ لیکن تلوار کو اس لئے بے نیام نہیں کرتا کہ اس سے لوگوں کے دین و مذہب
 بدلنے کا کام لیا جائے۔

صلح کی تاکید

ہمارے اس ہونے کی نائید سودہ نساری کی دوسری آیات کریمہ سے ہوتی ہے۔
فرمایا گیا ہے۔

فان اعداؤکم فاحریقواہم
والقتالیکم انما جعل اللہ
لکم علیہم مبیلا

پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم
سے نہ لڑیں۔ اور تم سے سلامت رہی رکھیں۔
تو اللہ تعالیٰ تم سے تم کو ان پر کوئی رونا نہیں دی۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر
اکفار جنگ کا سلسلہ بند کریں۔

۱۔ صلح کی درخواست کریں۔

۲۔ قتل و خون ریزی کا سلسلہ روک سکیں۔

تو پھر ان سے جنگ نہیں کی جا سکتی۔ اتفاقاً قرآنی پر شور مچا ہے

فما جعل اللہ لکم علیہم مبیلا

اکفار کی لپٹے صلح کے بعد مسلمانوں کو ان پر

دلائل کی حد کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔

”خدا“ کا حکم مسلمانوں کے لئے صلح و طاعت کے معنی رکھتا ہے۔

اسی سودہ نساری میں جہاں فتنہ جوہد بکرمہ اور کافروں سے جہاد و قتال کی تاکید فرمائی

ہے۔ جہاں انہیں زبردستی کی ہدایت کی ہے۔ جہاں ان کا تہذیب و تمدن کی ترغیب دی ہے

جہاں ان کی سرکوبی کرنے کی اجازت دی ہے۔ جہاں انہیں جدوجہد میں قتل کر دینے کا حکم

ان الفاظ میں دیا ہے۔

بعض ایسے بھی تم کو مزہور ہیں گے کہ وہ

متجربون آخرین یومیوں

یہ چلتے ہیں کہ تم سے بھی یہ خطر ہو کر رہیں۔

ان یامنونو حکم ویامنونو تو مہمہ

لہ اپنی قوم سے بھی یہ خطر ہو کر رہیں۔ جب

کلماشادوا الی الفتنۃ اسراکسوا فیہا

فان لم يعتزلوكم ويقتوا اليكم السلم
 دیکتو ایسے یہم فحل وھم وافتل وھم
 حیث تقفتمو ھم وادلکم جعلنا
 لکم علیہم سلطانا مبیتاھ

کبھی ان کو شدت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے
 تو وہ اس میں جاگرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ
 تم سے کنارہ کش نہ ہوں۔ اور تم سے سلامت
 روزی رکھیں۔ اور نہ اپنے اہتوں کو روکیں تو
 تم ان کو پکڑو اور قتل کرو چہل کہیں ان کو پاتو۔
 اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔

والا اسی سیدہ نسا میں صلح کی تجویز منظور کر لینے کا حکم بھی دیا ہے۔ جو شدت حکم
 قتال میں پائی جا رہی ہے۔ اس سے زیادہ شدت صلح قبول کر لینے کے حکم میں پائی جا
 رہی ہے جس طرح ان کی سرکوبی ضروری فراموشی تھی۔ اسی طرح سپر انگندگی کے بعد
 دعوت صلح قبول کر لینے کی تاکید بھی کی جا رہی ہے۔ مگر چونکہ یہ اہل صلح دل سے نہ ہوتے صرف
 حالات کو سازگار کر لینے، صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے ہی کی نیت سے قبول نہ کی جا رہی ہو
 کسی حالت میں بھی صلح کی ابتجا ٹھکرانی نہیں جا سکتی۔ وہ صرف اسی

لئے ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وان جنھو الاسلام فاجتمو لھا
 وتوکل علی اللہ انه ھو السميع
 العليم وان یرید ان یجد عولک
 فان حسبک اللہ ھو الذی یتلک
 بنصرہ زیالھومنین والفت بین
 قلوبھم

اگر وہ صلح کے لئے جھکیں۔ تو تم بھی
 جھک جاؤ۔ اللہ پر توکل کرو۔ وہ سمیع و
 علیم ہے۔ اور اگر تمہیں وہ دھوکہ دینا چاہیں۔
 تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔

علامہ جہاد میں فرماتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ روان الخ
 اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں

والجنوح والمیل ومنه یقاتل بفتحت
السقیة اذ املت والسلم
المسالمتہ ومعنی الآیة انهم ان مالوا
الی المسالمتہ ہی طلب السلامة من
الحرب فمالہم وابتل ذلک منہم
"صحیح" کا لفظ آیا ہے۔ جنوح کے معنی ہیں
کسی طرف مائل ہونے کے۔ پتہ پتہ جب کشتی
کسی جانب مائل ہو جاتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔
بفتحت السقیة"۔ اور سلم کے معنی ہیں مسالمت
یعنی سلامتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر
وہ مسالمت یعنی جنگ سے طلب سلامتی کی طرف مائل
ہوں۔ تو مسالمت کر لو۔ اور ان کی پیش کش

مقبول کر لو۔

یہ اتنی واضح ہدایت ہے کہ اس کے بعد کسی مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

چند اہم نکتے

ان آیات سے بائبل نظر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ قرآن اس کی اجازت نہیں
دیتا کہ کفار صلح کی التجا کریں۔ اور اسے ٹھکرادیا جائے۔ ضروری ہے کہ اسے قبول کر لیا
جائے۔ لیکن اگر امکان نظر سے آیات قرآنی کے الفاظ و مفہوم پر غور کیا جائے۔ تو چند اہم
نکتے نظر کے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ صلح کی التجا قبول کر لینے کی تاکید کے ساتھ توکل علی اللہ کی ہدایت بھی ہے
دشمن جو صلح کی درخواست کرتا ہے۔ تو فتح اور ذور آور صرف بجا طور پر سمجھتا ہے۔ کہ
اب یہ کمزور ہو چکا ہے۔ اب اس میں دم نہیں رہا۔ غاب یہ لڑ سکتا ہے۔ نہ مزاحمت کر سکتا
ہے۔ لہذا بجائے اس کے کہ اس سے صلح کی جائے۔ اسے اس کی قوت کو اس کے جذبہ
جنگ کو ہمیشہ کے لئے پھل دیا جائے۔ یعنی صلح جنگ کے میدان میں نہ ہو۔ اس کے شہر
میں ہو۔ صلح نامہ پر فریق کی حیثیت سے دونوں فریق غور نہ کریں۔ ایک حاکم بن کر

سہ احکام استراکان ج ۲ ص ۵۵

بن کر صلحنامہ کا مسودہ تیار کرے۔ دوسرا محکوم بن کر صلحنامہ پر دستخط کرے۔
 ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ آج بھی کہ دنیا عروج کی معراج حاصل کر چکی ہے یہی دستور
 چلا آتا ہے پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنوں کے سر معاہدہ ورسیلز نشوونما گیا تھا۔ دوسری جنگ
 عظیم کے بعد جاپان، امریکا، برطانیہ اور روس کے ممالک سے جس طرح صلح کی
 گئی، سب کے سامنے ہے۔ گویا اصل اصول یہ قرار پایا گیا کہ ہارے ہوئے فریق کو جب تک
 ختم نہ کر لو۔ صلح کا نام نہ لو۔ اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ہارے ہوئے فریق جس وقت اعتراف شکست
 کرے۔ اس سے ہاتھ ڈالو۔ اس کے دست بن جاؤ۔ تاکہ دلوں میں کسی قسم کی نفرت
 عداوت اور تلخی باقی نہ رہ جائے۔ موجودہ ترقی یافتہ دنیا یہ کہتی ہے کہ ہارے ہوئے فریق
 سے صلح کرنے کے بعد بھی اس کے جنگی جہازوں کو ضبط کر لو۔ اس کے کارخانوں کو بڑھا
 دو۔ بائیان جنگ سے صلحنامہ پر دستخط بھی کرواؤ۔ انہیں بھلاؤ۔ یعنی اور پھانسی کی سزا بھی
 دو۔ ان کے مال و منال پر قبضہ کر لو۔ ان کی سرزمین پر اپنی فوجیں رکھو۔ ان کے جوانی اڈوں
 کو استعمال کرو۔ ان کی تجارت کو غارت کر دو۔ ان کے بازاروں میں اپنا مال تجارت کھپاؤ۔
 ان کے سگہ کی قیمت کم کر دو۔ اپنے سگہ کی قیمت میں اضافہ کر لو۔ ان کے مردوں سے
 بیگار لو۔ ان کی عورتوں سے حرام کاری کرو۔ ان کے مزدوروں کو غلام سمجھو۔ اور اسلام
 یہ کہتا ہے کہ صلح کے بعد جب تم میں اور حریف میں دشمنی ختم ہوگئی۔ تو پھر بیستی کا پیمان
 بندھنا چاہیے۔ اور پیمان بیستی کے بعد تم کسی قسم کا نا جائزہ پاؤ اس پر نہیں ڈال
 سکتے۔ اسلام اندہ دنیا کا یہ فرق جس طرح آج سے چودہ سو
 سال پہلے قائم تھا۔ آج بھی قائم ہے اور قرآن یہ کہہ رہے ہیں کہ قیامت تک قائم
 رہے گا۔

خدا ع اور فریب کے ارادہ سے اگر دشمن التجائے صلح کر رہا ہو تو بھی اسے رد
 نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ دشمن اگرچہ اپنی دانست میں مسلمانوں کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن

خدا کو تو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ وہ تو سمیع و علیم ہے۔ وہ تو سب کچھ جانتا اور سب کچھ سنتا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ "ان حسبك الله" خدا تمہارے لئے کافی ہے دشمن اگر دھوکہ دے گا۔ اگر خدا پر تمہارا بھروسہ ہے اور تم اسے کافی سمجھتے ہو۔ پورا نہ کرو۔ اگر وہ دھوکہ دے گا تو پھر اس سے جنگ کی جا سکتی ہے۔ جس خدا کی مدد سے تم آج سرخرو اور کامیاب ہو۔ وہی خدا دوسرے سرکہ میں تمہیں تہمتانہ چھوڑے گا۔ اس کی نصرت اور اعانت تمہارے ساتھ ہوگی۔

نکست عہد

اگر انعقاد صلح کے باوجود کفار عہد نامہ پر قائم نہ رہیں۔ صلح نامہ ٹوٹے۔ اور پھر طغیان و سرکشی پر آمادہ ہو جائیں۔ تو مسلمان کیا کریں؟ سورہ توبہ میں اس صورت مسئلہ کے بارے میں ارشاد ہوا

وان نكثوا ايمانهم من بعد
عہدہم و طعنوا فی دینکے وقت اتلوا
اثمة الکفر انهم لا ایمان لہم لعلہم
یتھون ۵ الا تقاتلون قومًا تصکتوا
ایمانہم و ہوا باخواج الرسول دہم
بدو کواول مرة اتخشونہم فاعلہ
احق ان تخشوا ان کنتم مومنین ۵

اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی
قسموں کو ٹوٹے ڈالیں۔ اور تمہارے دین پر طعن
کریں۔ تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باند آجائیں
ان پیشوایان کفر سے لڑو۔ ان کے ہمراہ نہیں رہو
تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے۔ جنہوں نے
اپنی قسموں کو ٹوٹا اور رسول کے جوادین کو دینے
کی تجویز کی۔ انہوں نے تم سے خود پہلے چھپر
نکالی۔ کیا ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ اس
بات کا ناپاؤہ مستحق ہے۔ کہ تم اس سے ڈرو۔
تم ایمان رکھتے ہو۔

یعنی نکست عہد کے بعد مسلمانوں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ صلح نامہ

پر عمل کرنے کے پابند نہیں رہتے۔ پھر وہ سخی رکھتے ہیں کہ تلوار میدان سے باہر نکالیں۔ اور ان بدعہدوں پر ٹوٹ پڑیں۔ پھر انہیں اس کی رخصت ہے کہ وہ جنگ پر پا کریں۔ اور اس وقت تک اس کا سلسلہ جاری رکھیں۔ جب تک بدعہد کفارہ کا نہ وہ ٹوٹ نہ جلائے۔ جب تک ان کی سرشتی ختم نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ انہوں نے بدعہدی کر کے نکتہ عہد کر کے خود ہی جنگ کو دعوت دی ہے۔ جب وہ خود ہی جنگ کے داعی ہوئے۔ تو پھر اب انہیں نتائج بھگتنے کے لئے بھی تیار ہونا چاہیئے۔

ازمکانات جمل غافل مشور

گندم از گندم پر دید جو نہ جو

اپنے اعمال کی جڑا ہر شخص کو ٹہنی ہی چھاپنیے۔ کوئین کھا کر کوئی یہ توقع نہیں کر سکتا۔ کہ اس کا منہ پٹیا ہو گا۔ یا تو وہ کوئین نہ کھاتا۔ یا اگر اسے کام دوہن کے استعمال میں لایا تھا تو اس دن کا ذرا تقریرداشت ہی کرنا پڑے گا۔

ایک ماہ ہم نکتہ

موجودہ زمانہ میں بھی یہ سوال خالصی اہمیت رکھتا ہے کہ جنگ ختم کرنے کے لئے کون سی تدبیر عمل میں لائی جائے۔

اور عام طور پر دو ہی صورتیں دیکھا میں برتی جا رہی ہیں۔

۱۔ صرف جنگجو سپاہیوں کا بلکہ غیر جنگجو اور ان پسند آزموں کا قتل عام۔

۲۔ عہد جدید میں آتش بربتوں کی ایجاد و میدان جنگ سے زیادہ شہری آبادی

کے لئے ہوتی ہے۔ برلن۔ لندن۔ پیرس۔ اسٹان گراڈ سب ہی اس کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

۳۔ قتل عام کے بعد قتل شوہل کی باری آتی ہے۔ اور قتل خواہں میں ان تمام لوگوں کو

عبرت انگیز منرادی جاتی ہے جنہوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ میں حصہ لیا تھا۔

لیکن اسلام اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا۔

وہ قتل عام کو تو بالکل جائز قرار نہیں دیتا۔
 نہ وہ زور اس پر دیتا ہے کہ ”ائمہ کفر“ کو قتل کیا جائے۔ یعنی ان لوگوں کی جان
 لی جائے جنہوں نے صلح کے بعد جنگ کی آگ پھر بھڑکانی۔ جنہوں نے عوام کو غلط طریقہ
 سے جنگ کے لئے اکسایا۔ جنہوں نے لوگوں کی سادہ لوحی سننے والے اٹھایا۔ اور لڑائی چھیڑ
 کر ایک بہت بڑی مصیبت کھڑی کر دی۔

جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں مہرہ شیبہ اور ناگاساکی اور
 دوسرے بڑے بڑے شہر تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ کیونکہ ٹرین کے الفاظ میں جنگ
 اس کے بغیر مختصر کی ہی نہیں جاسکتی تھی! اس طرح اسلام اس کی قطعاً اجازت
 نہیں دیتا۔ وہ اصولی طور پر طے کر چکے ہے۔ کہ غیر مصافی آبادی کو نہ چھیڑا جائے۔ لہذا
 غیر جنگجو آبادی کے قتل و تباہی کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رہے شریک جنگ لوگ
 تو ان سے بھی صرف اس وقت تک جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے۔ جب تک بڑے
 ہلے۔ اگر یہ ہتھیار پھینک دیں یا صلح کی استدعا کریں۔ تو پھر ان کا قتل بھی ناجائز ہو جاتا
 ہے۔ پھر ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے اور گرفتاری کے بعد
 بھی حالات معمول پر آنے کے بعد یا تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑا پڑے گا۔ ورنہ ویسے ہی
 بطور ”حسان“ آزاد کرنا پڑے گا۔ قرآن کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس نے انہی دونوں
 چیزوں کی تعلیم دی ہے!

ایک اور حکم

یہود مدینہ کی وہ اندازوں، مفسدہ پردازیوں، عہد شکنیوں اور سازشوں کی ناپختہ
 داستان، ہمارے موضوع سے فی الحال خارج ہے۔ لیکن تاریخ کا ایک معمولی طالب علم
 بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں کہ یہود کے ساتھ آنحضرتؐ نے زیادہ سے زیادہ
 بردباری کا برتاؤ کیا۔ ان کی نعرہ شنیں معاف کیں۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا۔ ان کی

بے ہودگیوں، بدتمیزیوں، فتنہ پسندیوں اور شرانگیزیوں کو نظر انداز فرمایا۔ بار بار ہمیں ہمت دی۔ معافی عطا فرمائی۔ زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ رعایت کی۔ سعادت کا مظاہرہ فرمایا لیکن وہ نہ صرف اپنی روش پر قائم ہے۔ بلکہ ان کی شرارتوں میں یوں فیرا اضاقر ہی ہوتا ہے۔ وہ منشر کین کہہ کے سرپرست اور دوست بن گئے۔ انہوں نے منشر کین سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو، اسلام کو، داعی اسلام علیہ السلام علیہ التحیۃ والسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے حضور رسالت کے کتاب کی جان تک لیتے کا ارادہ کر لیا۔ عرض ہر طرح سے ثابت کر دیا کہ وہ کسی رحم رعایت اور مروت کے مستحق نہیں ہیں۔

تب اسلام کے خدا نے ان سے جہاد کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ ہوں سورہ توبہ کی آیات ذیل:

قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ
ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم
اللہ ورسوله ولا یدینون دین الحق من
الذین ادتوا الكتاب حتی یعطوا الجزیة
عن یدائهم صاعداً ونازل
اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں
اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو
حرام سمجھتے ہیں۔ جن کو خدا نے اور اس کے
رسول نے حرام بتایا ہے۔ اور نہ سچے دین کو قبول
کرتے ہیں۔ ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت
ہو کر اور عیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

قرآن نے ان اہل کتاب "یعنی یہودیوں کے جو اہم کی جو قہرست بیان کی ہے۔ - ۱۰
یہ ہے:

- ۱۔ یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے۔
- ۲۔ یوم آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتے۔
- ۳۔ خدا کی اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں قرار دیتے۔
- ۴۔ دین حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

معملاً ان سے متعلقہ کیا جاسکتا ہے لیکن کب تک؟
صرف اس وقت تک جب تک یہ دروازہ ہو کر حجیہ ادا کرتے پر رضامند نہ ہو جائیں
حجیہ کے بعد

حجیہ دینے کے بعد یہ ذمی ہو جائیں گے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں: ان کا
مال ہمارے مال کی طرح اور ان کی جان ہمارے جان کی طرح ہو جائے گی۔ پھر ان پر
کوئی زیادتی نہیں کی جاسکتی۔ ان کے کسی نہ کسی معاملہ میں رکاوٹ نہیں ڈالی جاسکتی، ان
کے ساتھ جنگ نہیں کی جاسکتی۔ غرض انہیں وہ تمام شہری حقوق حاصل ہو جائیں گے
جو ایک مسلمان کو اسلامی مملکت میں حاصل ہو سکتے ہیں۔

اندیہ حجیہ بچانے خود کیا ہے؟

ایک بہت ہی حقیرانہ معمولی رقم تفصیل اپنے موقع پر آئے گی، وہ بھی اس صورت
میں کہ ادا کرنے کی استطاعت ہو۔ اگر استطاعت نہ ہو تو معاف۔ اور اگر بے استطاعتی
بہت زیادہ بڑھ گئی ہو تو پھر مسلمانوں کے بیت المال سے ایک ذمی بھی بقدر کفایت رقم لینے
کا امتیاز مستحق ہے جتنا ایک مسلمان چھٹا بچہ حضرت عمرؓ نے جب ایک ذمی کو بھیج
نگتے دیکھا تو اس کا رد توجہ بیت المال سے مقرر فرما دیا۔ اور فرمایا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا
کہ تو فسخالی سکے زمانہ میں یہاں سے رقم لیں۔ اور بد حالی کے زمانہ میں بے یار و مددگار
چھوڑ دیں۔

آیات بالا اگرچہ ایک خاص موقع اور وقت پر نازل ہوئیں لیکن قرآن چونکہ وقتی چیز
نہیں مانتی ہے۔ اسی طرح اس کے احکام و ہدایات بھی وقتی نہیں رہتی ہیں۔ لہذا احکام
بھی اپنے شرط کے ساتھ ہر جگہ واجب تعمیل ہیں!

مشرکین سے حکم جہاد

اہل کتاب کے بارے میں آیات بالا سے کافی امور پر روشنی پڑ چکی۔ اب مشرکین سے

حکم جب آپ کو گفتگو کریں گے۔

شروع میں مسلمانوں کو جن لوگوں سے تکلیفیں پہنچیں اور جن سے جنگ و پیکار کی ذمہ داری سوا وہی فریق تھے۔

۱۔ قریش مکہ

۲۔ یہود مدینہ

قریش مکہ کو یہ کہہ تھی کہ ایک نیا دین جو ان کے آباؤ اجداد کے دین سے قطعاً مختلف ہے۔ کیوں ابھر رہا ہے۔ اس کے ابھرنے کے معنی تھے ان کی چودہراہٹ اور سراسر اداہی کا خاتمہ!

تقریباً یہی کیفیت یہود مدینہ کی تھی۔

یہود مدینہ مشرکین وغیرہ پر اپنے مال و دولت کے باعث چھلے ہوئے تھے۔ وہ ان کی عدوتوں کو اولاد کو اور دوسری قیمتی چیزوں کو رہن رکھتے تھے چند روز پہلے سکے دے کر۔ یہود سے وہاں کے لوگ اتنے مرعوب تھے کہ جیسے ہندوستان کی بڑی بڑی حد گاہوں پر نذر نیاز کے لئے، یہ غارِ منت کے لئے ہزاروں کی تعداد میں جو مسلم آنے ہیں۔ چڑھاوے پڑھاتے ہیں بتیں مانتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ کے لوگ یہودی روحانی عظمت سے مرعوب و متاثر تھے۔ بے اولاد یہاں تک منت کر لیتے تھے کہ اگر اولاد ہوتی تو پہلی اولاد کو یہودی بنا دیں گے!

لیکن اسلام کے نمودار ہونے کے بعد یہود کا یہ وہابیہ ختم ہو گیا۔ اسلام ایک عوامی مذہب تھا۔ اس کے ہاں نہ نذر نیاز کی ضرورت تھی نہ گتڑے سے تعویذ کی نہ چڑھاوے کی۔ وہ چند صاف سادہ اور سیدھی سادھی تعلیمات کا مجموعہ تھا۔ اور یہ تعلیم لوگوں میں عام ہو رہی تھی۔ جنگ کی آگ کی طرح یہ دین پھیل رہا تھا۔ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

بجا طور پر یہود اس دین سے خائف تھے۔ وہ جانتے تھے اگر یہ دین پھیل گیا تو وہ

کہیں کے نہ رہیں گے۔ ان کی ساہوکاری ختم ہو جائے گی۔ ان کی روحانی عظمت کا آفتاب
 ڈوب جائے گا۔ ان کی دھاک اور ساکھ کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ وہ بھی عام لوگوں کی طرح
 ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ مشرکین قریش سے زیادہ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔
 اسلام کو دونوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اور اس نے خاص حالات اور خاص شرائط کے
 ساتھ دونوں سے مقابلہ کی اجازت دی۔ لیکن اس تاکید کے ساتھ

ان اللہ مع المتقین

بے شک خدائے بزرگ دہرہ متقی لوگوں

کے ساتھ ہے۔

متمتقی کی علامت یہ ہے۔ کہ وہ کسی حالت میں بھی جاوہ انصاف سے منحرف نہیں
 ہو سکتا۔ کسی حالت میں بھی خدا کے ہاتھ کئے ہوئے آداب و شرط کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔
 کسی حالت میں بھی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ جو ایک "متمتقی" کی شان کے خلاف ہو۔
 گویا ان مختصر الفاظ میں مسلمانوں کو یہ تاکید کر دی گئی کہ اگرچہ مشرکین کی پشتپدی کے
 باعث مقابلہ کی اجازت ہے۔ لیکن ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاسکتی۔ ان
 کے ساتھ کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ کسی ناجائز بات کے ماننے پر نہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا۔
 جس مذہب اور جس مسلک پر وہ عادل ہیں۔ اس سے انہیں روگرداں کرنے کی کوشش
 نہیں کی جاسکتی۔ ان سے کوئی ایسا محصول نہیں لیا جاسکتا جو خلاف شرع ہو۔ ان سے
 کوئی ایسی خدمت نہیں لی جاسکتی جس سے ان کے جذبات مجروح ہوتے ہوں۔ ان سے
 کوئی ایسا کام نہیں لیا جاسکتا۔ جو عدل راستی اور حق سے کے خلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا
 ہے تو وہ متمتقی نہیں اور جو متمتقی نہیں۔ خدا اس کے ساتھ نہیں!

قرآن کی صلح پسندی

قرآن کریم کا جتنا جتنا امان نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ یہ حقیقت روز روشن
 کی طرح واضح تر ہوتی چلی جائے گی۔ کہ وہ صلح کو جنگ پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ صرف

بدردیہ مجبوری جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اور جنگ کی اجازت کے ساتھ ساتھ وہ ایسے قیود و شرائط عاید کر دیتا ہے کہ جنگ کا دائرہ مختصر تر ہو جائے۔ جنگ کی لپیٹ میں کم سے کم لوگ آئیں۔ کوئی ایسی بات مسلمانوں کی طرف سے رونمانہ ہو جو عدل اور تقویٰ کے خلاف ہو۔ اور پھر جب کفار کی طرف سے صلح کی استدعا کی جائے۔ تو وہ فوراً قبول کر لی جاتے۔

صرف یہی نہیں وہ غیر مسلموں کے ساتھ لبتشرطیکہ یہ مسلمانوں سے ہر سر پرکپا نہ ہوں عام اخلاق و مدار کی اجازت بھی دیتا ہے چنانچہ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہوا ہے۔

لا یتھاکم اللہ عن الذین	اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ
لویقاتلوکم ولہم ینجروا	احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں
دیارکم ان تآذروہم و تقسطوا	دیکتا۔ جو تم سے دین کے بارے میں نہیں
الیہم ان اللہ یحب المقسطین	لڑے۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں بھلا
انما ینہاکم اللہ عن الذین	اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے
قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من	محبت رکھتا ہے۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ
دیارکم و ظاہر و اعلیٰ اخراجکم	دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے
ان تولواہم من یتولہم قاولشائ	جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں۔
ہم الظالمون	و خواہ بالفعل یا بالعموم اور تم کو تمہارے

گھروں سے بھالا ہو اور (اگر بھلا ایسی نہ ہو لیکن)

تمہارے نکالنے میں نکالنے والوں کی مدد کی

ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گلا ہو

وہ گنہگار ہو گا!

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ کفار میں سے جو لوگ

ایسلمانوں سے مقابلہ نہ کرتے ہیں۔

ہر مسلمانوں کے اخراج و وطن زجلا وطنی کا سبب بنتے ہیں۔

ان کے ساتھ آشتی اور مدارا کا برتاؤ کیا جاسکتا ہے۔ غنڈت صرف انہی غیر مسلموں کے

ساتھ ہے۔ جو ان جرائم کے مرتکب ہو چکے ہوں۔

یہ آشتی نشانہ اور مدارا ہی ہے جس کی نظیر نہ کسی دوسری مذہبی کتاب میں نہ انسانوں

کے بنائے ہوئے کسی دستور اساسی میں نہ معہد یا غنی میں نہ حال کے زرقی یا فتنہ اور بصحت پذیر

دور ارتقاریں مل سکتی ہے۔

اسلام کو بدنام کرنے والے نہ جانے کیوں اسلام کو منہم کرتے وقت ان مخالف کو نظر انداز

کر دیتے ہیں۔

استدلال:

دشمنوں سے لڑنے کا حکم

گذشتہ ابواب میں جو گفتگو جہاد و قتال کے بارے میں ہم نے کی ہے۔ وہ موضوع کے مختلفات پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ پھر بھی وقتاً فوقتاً سبیل اللہ کی آپ بکریہ پر وہ خیالات بھی ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر دینا چاہتے ہیں۔ جن کا سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر القرآن الہدیٰ و القرآنا میں اظہار کیا ہے۔ سرسید کے تفسیر کی انداز فکر سے جائزہ و جوہر پر بہت سے علماء کو اختلاف ہے لیکن مندرجہ ذیل افکار ہمارے خیال میں ایسے نہیں ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکے۔

”وقتاً فوقتاً سبیل اللہ، اس اہمیت میں اور جو آیتیں اس کے جہاں میں کافروں یا دشمنوں سے لڑنے کا حکم ہے۔ مگر عدالت بیان کیا گیا ہے کہ جو قسم سے لڑیں، ان سے لڑو اور زیادتی مت کرو۔“

اکثر لوگ مذہب اسلام پر یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اس میں تحمل اور بردباری اور عاجزی اور مذہب کے سبب سے جو تکلیفیں کافروں کی طرف سے پہنچیں ان کی صبر سے برداشت نہیں ہے اور یہ باتیں مذہب کی سچائی اور نیکی اور اخلاق اور خدا کی راہ میں تکالیف برداشت کرنے کے برخلاف ہیں۔

مگر یہ ایک بڑی غلطی اور نا سمجھی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نران مجید میں جو احکام لڑائی کے نہایت نیکی اور انصاف پر مبنی تھے۔ ان کو مسلمانوں نے جو بادشاہوں یا خلیفوں کے نام سے پیشہ ہوئے۔ وہ بیداری کے بہانے سے اپنی خواہش نفسانی کے پورا کرنے اور ملک گیری کے لئے نہایت بد اخلاقی اور نا انصافی سے برتاؤ اور وحشیانہ دزدوں سے بھی بزرگ کام کئے۔ اور ظلمائے کرام سے ان کی تائید کے لئے ایسے مسئلے بیان کئے۔ جو اسلام کی روحانی نیکی کے خلاف تھے۔ مگر ان کے ایسا کرنے سے جو برائی یا عیب نرانیہ یا عیسائیوں پر محسوس ہوئے۔ انہی پر محدود ہے جنہوں نے ایسا کیا۔ اسلام پر بہر ایک منصف مزاج کا ادھر ایک مسترخ اور نکتہ چین کا یہ فرض ہے کہ ان ظالموں کے کردار کو انہی پر محدود رکھے نہ یہ کہ ان کے کردار سے مذہب اسلام نکتہ چینی کرے۔

مذہب اسلام میں اگرچہ جا بجا عفو و تحمل کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں اور لوگوں کو اس پر رغبت دلانی گئی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ بدلہ لینے کی بھی بشیر زیادتی کے اجازت دتی ہے۔ کیا یہ قانون دنیا کے پیدا کرنے والے کے قانون قدرت کے منافی نہیں ہے؟ اور کیا اس قانون سے زیادہ عمدہ اور سچا کوئی قانون ہو سکتا ہے؟ انسان جب اخلاق کی باتوں پر گفتگو کرتا ہے تو بہت سی ایسی باتیں اور ایسے اصول بیان کرتا ہے۔ جو کان کو لہولہا کر دیتے ہیں اور سننے اور پڑھنے والے خیال کرتے ہیں کہ یہی اصول اخلاق کے اور ہی اصول عالی درجہ کی نیکی کے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ ہوا کی آواز سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتے۔ اور جو کہ وہ اصول فطرت انسانی کے بلکہ قانون قدرت کے برخلاف

ہوتے ہیں کبھی ان پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ ایسا قانون تیار کرنے سے جس پر کبھی عمل درآمد نہ ہو سکے کوئی نتیجہ اور فائدہ منترتب نہیں ہو تا۔ بلکہ دل میں اس قانون کی حقارت طے پھرتی ہے کہ وہ قانون قدرت کے برخلاف ہے۔

کوئی کتاب دنیا میں انجیل سے زیادہ انسان کو نرم مزاج اور مہربان اور متحمل کرنے والی اور اخلاق کو ایسی چمک سے دکھلانے والی جس سے آنکھوں میں چمکا پونڈا جاتے نہیں ہے۔ گو اس کے مغولے ایسے نہیں ہیں کہ سب سے پہلے اسی میں بیان کئے گئے ہوں۔ بلکہ بہت سے ایسے ہیں جو اس سے پہلے لوگوں نے بھی جن کے پیروا بہت پرست اور کافر گئے جاتے ہیں بیان کئے ہیں مگر ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان کا لوگوں میں کیا اثر ہوا تھا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر پٹا پتھر مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کرے۔ بلاشبہ یہ مسئلہ اخلاق کے خیال سے تو بڑا عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر کسی زمانہ کے لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے؟ اگر دنیا اس پر عمل کرے تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ وہی طرح آیا رہے اور وہی طرح لوگوں کی جان و مال امن میں رہیں۔ نہایت دلچسپ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب سب کے سب ایسے ہی ہو جائیں تو دنیا سے شر اٹھ جائے۔ مگر پوچھا جاتا ہے کہ کبھی ایسا ہوا ہے؟ یا کبھی ایسا ہوگا؟ یہ سب ناشدنی باتیں ہیں۔ جو خیال میں نشدنی قرار دے کر انسان جھوٹی اور خیالی خوشی حاصل کرتا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ تو اپنے دل کے کھانے کی تکموت کر۔ خدا کی رزق پہنچانے کی فکر کرنے والا ہے۔ دل کو یہ مقولہ نہایت ہی پیارا اور امن پیار سے خدا پر اعتماد کرنے والا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کبھی کسی نے اس پر عمل کیا ہے؟ آئیہ کبھی اس پر عمل ہوگا؟ اگر ہم اس ناشدنی امر کو ایک لمحہ کے لئے نشدنی تصور کر کے تمام دنیا کے لوگوں کو اسی مقولہ پر عمل کرنا ہوا سمجھ لیں تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ پس اس قسم کی تاملات نہیں انسان کو دھوکہ دینے والی ہیں۔ اور قانون قدرت کے برخلاف ہونے سے خود بھی سچائی کو مشتتبہ کرتی ہیں۔

عیسائی مذہب جس کی جڑ اسی نیکی اور نرمی اور اخلاق میں لگائی گئی تھی سوزہ پھولا
 پھلا اور سرسبز و نشا و اب ہوا۔ اس کو چھوڑ دو کہ وہ کس سبب سے بڑھا اور سرسبز ہوا۔ مگر دیکھو
 کہ اس نے کیا پھل پیدا کیا۔ ایک بھی نصیحت اس کی کا نہ آئی اور خود مذہب نے جو نوری
 اور بے رحمی اور نا انصافی اور درندگی سے بھی زیادہ بد اخلاقی دکھائی رہا۔ شاید دنیا
 میں بے مثل ہوگی انہیں نیکی میں اس کی جڑ لگائی گئی تھی اس سے کچھ پھل نہیں دیا کیونکہ
 قانون قدرت کے برخلاف لگائی گئی تھی جو خوبی کی راہ دکھاتی اور کیا اخلاقی اور کیا تمدنی اب
 ہم جن عیسائی ملکوں میں دیکھتے ہیں کیا پھل اسی درخت کا ہے جس کی جڑ اسی نیکی
 میں لگائی گئی تھی جو خلاف قانون قدرت تھی ہوا شاد و کلا۔ بلکہ یہ اس کا پھل ہے۔ کہ
 اس درخت کو ہال سے اکھاڑ کر دوسری زمین پر لگایا ہے جو قانون قدرت کی زمین ہے
 اور جس قدر کہ پہلی زمین کی مٹی اس کی جڑ میں لگی ہوئی ہے۔ اسی قدر اس میں نقصان ہے۔
 اس سے بھی زیادہ یہ عجم مذہب کا حال سنو جس نے ایک چھوٹے سے چھوٹے جاؤر
 کی جان کو بھی اڑنا سخت گناہ قرار دیا ہے۔ خون کا بہانا آدمی کا سوا دھڑے یا ایک پتہ کا۔
 خدا کی صنعت کو مبالغہ کرنا سمجھا ہے۔ مگر تاریخ اور زمانہ موجود ہے۔ اس اہمیل نے جو
 قانون قدرت کے مخالف تھا کیا نتیجہ دیا۔ قتل و خونریزی اسی ہی اور ہی اور ہی ہی ہے۔
 جیسی کہ قانون قدرت سے ہوتی چاہیے۔ وہی جو ایک پتہ کا مارنا گناہ عظیم سمجھتے تھے
 ہزاروں آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے تھے اور قتل کرتے ہیں پس کوئی قانون جو ظاہر
 میں کیسا ہی چمکیلا اور خوش آئین ہو جبکہ قانون قدرت کے برخلاف ہے محض نکتہ اور
 بے اثر ہے۔ اسلام میں جو خوبی ہے وہ یہی ہے۔ کہ اس کے تمام قانون، قانون قدرت کے
 مطابق اور ملکہ آمد کے مطابق ہیں۔ رحم کی جگہ جہاں تک کہ قانون قدرت اجازت دیتا
 ہے رحم ہے۔ معافی کی جگہ اسی اصول پر معافی ہے۔ بدسکی جگہ اسی کے مطابق بد ہے
 لڑائی کی جگہ اسی کے اصول پر لڑائی ہے۔ لاپ کی جگہ اسی کی بنا پر لاپ ہے۔ اور یہی

بڑی بیل ہیں کی مچالی کی اور قانون قدرت کے بنانے والے کی طرف سے ہونے کی ہے۔
 اسلام فساد، دغا اور غدر، بغاوت کی اجازت نہیں دیتا جس نے ان کو امن دیا ہو۔
 مسلمان ہو یا کافر اس کی اطاعت اور احسان مندی کی ہدایت کرتا ہے۔ کافروں کے ساتھ
 جو طہرہ انفرادی ہوتے ہیں ان کو نہایت اہمیت دیتا ہے اور اس سے پورا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ خود
 کسی پر تک گیری اور فتوحات حاصل کرنے کو فوج کشی اور خونریزی کی اجازت نہیں دیتا۔
 کسی قوم یا ملک کو اس غرض سے کہ اس میں الجبر اسلام پھیلا یا جائے حملہ کر کے منسوب نہ
 مجبور کرنا پسند کرتا ہے یہاں تک کہ کسی ایک شخص کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں
 چاہتا۔ صرف دو صورتوں میں اس سے تجاوز کرنے کی اجازت دی ہے۔ ایک اس حالت
 میں جبکہ کافر اسلام کی عدالت سے خود اسلام کے مودعہ کرنے کی غرض سے نہ کسی ملکی
 اعتراض سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ کیونکہ ملکی اعتراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں۔ خواہ
 مسلمان مسلمانوں میں خواہ مسلمان و کافر میں، وہ دنیاوی بات ہے۔ مذہب سے
 کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے جبکہ اس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان
 ہیں ان کی جان و مال کو امن نہ ملے اس لئے اس شخص نے وہی کے ادا کرنے کی اجازت نہ ہو مگر اس
 حالت میں بھی اسلام نے کیا عمدہ طریقہ ایمانداری کا بتایا ہے۔ کہ جو لوگ اس ملک میں
 جہاں بطور رعیت کے رہتے ہوں یا امن کا اعلان یا ضمناً انکار کیا ہو۔ گویا صرف پھر اسلام
 ان پر ظلم ہوتا ہو تو بھی ان کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اس ظلم کو سہیں یا ہجرت
 کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ ہاں جو لوگ خود مختار ہیں۔ انہیں اس ملک میں
 امن لئے جوئے یا بطور رعیت کے نہیں ہیں بلکہ دوسرے ملک کے باشندے ہیں۔ ان کو
 ان مظلوم مسلمانوں کے بچانے کو جن پر صرف اسلام کی وجہ سے ظلم ہوتا ہے یا ان کے لئے
 امن اور ان کے لئے اسے غرض مذہبی کی آزادی حاصل کرنے کو تلوار پکڑنے کی اجازت
 دی ہے۔ لیکن جس وقت کوئی ملکی یا دنیوی غرض اس لڑائی کا باعث ہواں، تو مذہب

اسلام کی طرف نسبت کرنے کی کسی طرح اسلام اجازت نہیں دیتا۔
یہی بات ہے جس پر اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے یہی لڑائی ہے جس کے
کرنے کی ترغیب دی ہے یہی لڑائی ہے جس کا نام جہاد رکھا ہے یہی لڑائی ہے جس کے
مفتوں کو روہانی ثواب کا وعدہ دیا ہے یہی لڑائی ہے جس کے لڑنے والوں کی فضیلتیں
بیان ہوتی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی لڑائی نا انصافی اور زیادتی ہے؟ کون کہہ
سکتا ہے کہ یہ لڑائی اسلام کے برخلاف ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ اس لڑائی کا حکم خدا کی
مرضی کے برخلاف ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ اس حالت میں بھی لڑائی کا حکم نہ ہونا بلکہ
دوسرا کمال پھیر دینا خدا کی مرضی کے مطابق ہوگا؟

لڑائی شروع ہونے کے بعد تلوار ہر ایک کی بدست ہوتی ہے۔ اس میں بجز اس
کے کہ دشمنوں کو قتل کرے اور لڑائی میں بہادری کرے۔ دل کو مضبوط رکھے میدان میں ثابت قدم
رہے۔ فتح کرے یا ہار سے جاؤ اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ وہی فرقان نے بھی کہا ہے۔ یہ دوسری بات
ہے کہ کوئی شخص اس موقعہ و محل کو جس کی نسبت فرقان میں لڑنے والوں کے دلوں کو
مضبوط کرنے کی آیتیں نازل ہوئی ہیں چھوڑ کر ان آیتوں کو عموماً نحواری اور خونخوری پر
مضبوط کرے۔ جیسا کہ اکثر نادان غلبہ ایاموں نے کیا ہے۔ تو یہ خود اس کا قصور ہوگا کہ
اسلام کا۔

لڑائی میں بھی جو رحم قانون قدرت کے موافق ضرور ہے اسلام نے اس میں بھی
فرگنا منت نہیں کیا۔ عورتوں کو بچوں کو، بوڑھوں کو جو لڑائی میں شریک نہ ہوتے ہوں
ان کو قتل کرنے کی ممانعت کی۔ عین لڑائی میں اور صف جنگ میں جو مخلوب ہو جائے
اس کے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ صلح کو، معاہدہ امن کو قبول کرنے کی رغبت دلائی
بارخ کو کھیتوں کو جلانے کی ممانعت کی۔ قیدیوں کو احسان رکھ کر یا فدیے کے چھوڑ دینے کا
حکم دیا۔ نہایت نظامانہ طریقہ جو لڑائی کے قیدیوں کو عورتوں یا مرد و غلام اور بوڑھی ماں

کا تھا اس کو معدوم کیا۔ اس سے زیادہ لڑائی کی حالت میں انصاف اور رحم کیا ہو سکتا ہے
ہاں یہ سچ ہے کہ مسلمانوں نے اس میں سے کسی کی بھی پوری تعمیل نہیں کی بلکہ برخلافت
اس کے بے انتہا ظلم و ستم کئے مگر جبکہ وہ اسلام کے حکم کے برخلاف تھے تو اسلام کو اس سے
دراغ نہیں لگ سکتا وہ بھی تو مسلمانوں ہی میں سے تھے جنہوں نے حضرت عمرؓ، عثمانؓ
علیؓ، حسینؓ کو ذبح کر ڈالا تھا۔ کعبہ کو جلا دیا تھا۔ پس ان کے گرد اس سے اسلام کو کیا
تعلق ہے؟

مشرکین مگر تھے ان لوگوں پر جو مسلمان ہو گئے تھے صرف اسلام کی حدود سے اور
خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بیت سے ظلم کئے تھے اور تکلیفیں پہنچانی تھیں قتل کے
درپے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ مسلمانوں نے حبشہ میں جا کر پناہ لی اور احسن کار
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمان مگر کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ پھر انہوں نے وہاں
بھی اتنا غلبہ کرنا چاہا اور کہہ میں حج کے آنے سے روکا۔ لڑائی پر آمادہ ہوئے تب اسلام نے بھی
ان سے لڑنے کا حکم دیا۔ پس جس قدر احکام قتل مشرکین کے ہیں۔ وہ سب ہی لڑائیوں سے
متعلق ہیں۔ وہ بھی اسی وقت تک کہ فتنہ و فساد رفع ہو جائے۔ جیسے کہ خود خدا نے فرمایا ہے
کہ **وَإِن تَلَوْا حُرِّمَ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ** "ایام فخر الدین ساری نے تفسیر
کبیر میں لکھا ہے کہ مشرکین کا فتنہ یہ تھا کہ وہ نہ کہیں مسلمانوں کو مارنے تھے۔ اور ایذا
دینے تھے۔ نہ تک ہو کر مسلمان حبشہ کو چلے گئے۔ پھر بھی وہ براہ ایذا اور تکلیف دیتے
رہے۔ یہاں تک کہ مسلمان مدینہ کو ہجرت کر گئے۔ اور مشرکین کی غرض ایذاؤں اور
تکلیفوں سے یہ تھی کہ مسلمان اپنا اسلام چھوڑ کر کافر ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت
نازل ہوئی۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کافروں سے لڑو جب تک کہ ان پر غالب ہو جاؤ۔
تاکہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیرنے کے لئے ایذا نہ دے سکیں۔ اور تم مشرک
میں نہ پڑو۔

”يُصْحون الدين لله“ کا فقرہ بھی انہی آیتوں کے ساتھ ہے جو مشرکین عرب کے حلقہ کے دفعہ کرنے کو لڑنے کی بابت نازل ہوئی ہیں۔ اس کے یہ معنی سمجھنے کہ اتنا لڑنا چاہیے کہ اسلام کے سوا کوئی دین نہیں ہے۔ یہ تو محض تاوانی کی بات ہے جو سلف سے آج تک نہ بھی ہوئی۔ اور نہ ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس کے معنی صاف صاف یہ ہیں کہ اس قدر لڑنا چاہیے کہ اللہ کے دین کے بجالانے میں جو کافر حرج ڈالتے ہیں سو وہ نہ رہیں۔ اور اللہ کے لئے دین ہو جائے کہ مسلمان خدا کے لئے اس کو بے ایذا کے بچا لاسکیں۔

معاهدات کا احترام

احکام و تعلیمات شرافی کی روشنی میں

جس مذہب نے محکوم غیر مسلموں کے لئے جزیہ کا اصول مقرر کیا ہو اور اس پر سرحد تک غیر مسلموں سے عہد و پیمانہ کے ایثار پر زور دیا ہو اور مرتدین کے ساتھ بھی کوئی سختی نہ اٹھاتا ہو۔ اس کے بارے میں کوئی شخص بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اپنی اشاعت میں اس نئے تئوار سے مدد لی ہوگی بلکہ اس بہت فرسودہ اور بے اتہابا مال موضوع گفتگو سے صرف نظر کر کے ہم معاہدات سے متعلق قرآن کے احکام و تعلیمات کی روشنی میں لائیں گے

عہد و عہد کے ایثار کے بارے میں قرآن کریم کی واضح اور عام تعلیم یہ ہے
یا ایہا الذین آمنوا اور قویا العقود
مسلموں کو معاہدوں کو پورا کرنا

نیز سنہ پایا

داو فوا بالعہد ان العہد
کان مستولا
پاس عہد کرو۔ اس لئے کہ عہد کی
ہانہ پاس ہوگی۔

جس مذہب میں عہد و عقد کی اتنی اہمیت ہو کہ وہ اپنی کتاب تشریح میں
اس کے بیٹا کا ذکر کرے۔ اور اس پر زور دے۔ وہ کسی قیمت پر اسے تو گوارا کر ہی
تھیں سکتا کہ مسلمان نہیں ہیں تو پاس عہد کریں لیکن غیر مسلموں سے جب معاملہ پڑے
تو یہ عہدی پر اتر آئیں جس مذہب کی بنیاد ہی تعلیم تقویٰ ہو۔ وہ اپنے پیروؤں کی اس
معاملہ میں ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا کہ وہ غیر مذہب والوں کے ساتھ نکست عہد کے
ترکب ہوں جس مذہب کا خدا رب المسلمین نہ ہو۔ بلکہ رب العالمین ہو۔ وہ اسے
کیونکہ غمگوارا کر سکتا ہے کہ اس کے ماننے والے معاملات و معاہدات میں اس کے بندوں
کے درمیان مسلم اندہ غیر مسلم کی تفریق کریں۔ سچائی بہر حال سچائی ہے۔ خواہ اس کا تعلق
مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے۔ حسن معاملت بہر حال اچھی چیز ہے۔ اور بد معاملگی بہر حال
بری چیز ہے۔ خواہ فریقین میں کوئی مسلمان ہو اور کوئی غیر مسلم۔

مشکوکوں کا ذکر

قرآن یوں تو مسلمانوں کے سوا یعنی ان لوگوں کے سوا جو اسے مانتے ہیں۔ کسی کو
بھی راہ باب نہیں سمجھتا لیکن وہ اہل کتاب اور مشرکین کی تفریق بھی قائم کرتا ہے۔
مثلاً اہل کتاب کے ہاتھ کا ذبیحہ مسلمان کے لئے جائز ہے۔ کتابیہ عورت کے ساتھ
نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس مشرکین کے ہاتھ کا نہ ذبیحہ جائز ہے نہ مشرک کے
ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اور اس تفریق کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ اہل کتاب بہر حال
خدا کو مانتا ہے۔ صرف نبوت کے بارے میں کفر و ریب کا اظہار کرتا ہے۔ اور مشرک نہ خدا
کو مانتا ہے نہ رسول کو، مجرم دونوں ہیں لیکن ایک کا جرم جرم ہے۔ دوسرے کا جرم جرم عظیم
ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کے نزدیک بدترین گروہ وہ ہے۔ جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک

ظہر آتا ہے۔ اور ایک خدا کے بجائے بہت سے معبودوں کے سامنے سرعہ و بیت جھکا لیا ہے
لیکن ان مشرکین کے بارے میں کبھی قرآن اعلان برأت کے بعد مسلمانوں سے رولا حنظل ہو
سورۃ برآة) کہتا ہے۔

الا الذین عاہدنا من المشرکین
ثم لم یقضوا کبشیئاً ولم یؤثروا
علیکم فاتوا الیہم عہدہم الی مدنتہم
ان اللہ یحب المتقین ۵

مگر ان مشرکوں میں سے جن سے تم نے
عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنا عہد پورا کرنے
میں تم سے کوئی کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے
مقابلہ میں کسی تمہارے دشمن کی مدد کی۔ تو جو
مدت مقرر ہو چکی تھی، اس تک ان کا عہد پورا کرو۔
بے شک اللہ پر مہربان کرنے والوں کو دوست
رکھتا ہے:

یعنی اس اعلان برأت کے باوجود
۱۔ مسلمان مشرکین سے نقض عہد نہیں کر سکتے۔
۲۔ معاہدہ میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کر سکتے۔
۳۔ کسی معاہدہ مشرک کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔
۴۔ عہد نامہ کو وقت مقررہ تک ماننے اور پرتنے پر مجبور ہیں۔
اور پھر آخر میں تاکید کے ساتھ فرمایا جاتا ہے ان اللہ یحب المتقین یعنی یاد رکھو
اللہ تعالیٰ متقین کو دوست رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ مشرکین جیسے
مبتغیوں کے ساتھ بھی معاہدات کا احترام کرنا تقویٰ ہے۔
پھر اسی سورۃ مبارکہ میں آگے چل کر ارشاد ہوا۔

الا الذین عاہدنا عند المسجد
الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لہم

یعنی ان مشرکوں کے جن سے تم نے
مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا۔ وہ جب تک

ان اللہ یحب المقسطین ۵
اپنے معاہدہ پر قائم رہیں۔ تم بھی تو قائم رہو۔ بیشک
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والا ہے۔ انہیں کو دوست
رکھتا ہے۔

ان آیات کا مفہوم بھی وہی ہے۔ لیکن یہاں تقویٰ سے قطع نظر قسط کا معنی
عدل و انصاف کا بھی ذکر فرمایا۔ آخری الفاظ ہیں ان اللہ یحب المقسطین یعنی یاد
رکھو خدا انصاف پسندوں کو محبوب رکھتا ہے؛
اب متقین اور مقسطین دونوں ایک ہو گئے۔

یعنی مذہب کی اندھا دھند حمایت اور مذہب کے نام پر وہ اندلی تقویٰ نہ سمجھ
لی جائے۔ تقویٰ بغیر قسط یعنی عدل و انصاف کے مکمل نہیں ہو سکتا۔
یہ احتیاطیں اور پیش بندیاں ہیں قرآن کریم کی مشنریں کے بارے میں!
جن سے بڑھ کر مبعوض خدا کی نگاہ میں کوئی نہیں۔

اور پھر ایک سرسری نظر ان مشنریں کے پس منظر پر بھی ڈال لیجئے۔ ظاہر ہے یہ
وہ مشنریں ہیں جو کدے کے باشندے ہیں۔ انہوں نے دعوت اسلام کے رد کرتے ہیں اور
داعی اسلام کو ایذا دینے میں کوئی ننگ انسانیت و قیقہ فروگذاشت نہیں کیا یہ سنگ
گداز ہیں کہ تبلیغ اسلام کے راستے میں حائل ہوتے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا پیام
نہیں منسا۔ بلکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان عزیزانک کے گناہک ہو گئے۔ پھر حسب
مسلمان ان کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت پر مجبور ہوئے تو یہی تھے جنہوں نے ہر باج
مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی ذلتیں دیں۔ ان کے گھر بار اور اثاثہ پر جبری قبضہ کر لیا۔
ان کی دولت و املاک کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ ان کی بیویوں بچوں اور اہل خاندان
کو روک لیا۔ اور پھر حسب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تو یہی تھے جو بار بار ان پر
بورہش کرتے تھے، حملے کرتے تھے۔ لڑائیاں لڑتے تھے، معاہدہ سے کرتے تھے اور توڑ دیتے

تھے جو مسلمان ان کے قبضہ میں آجاتا تھا اسے اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیتے تھے۔
لیکن اب مشرکین کا دور ختم ہو چکا تھا اب اسلام نے البتہ تھا اور مشرک مغلوب جہاں

الحق دمرحق الباطل ان الباطل کلن ذہوقاً۔

کہ میں عسکر اسلام فاتح اور کشور کشاکش کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ آج یہ سارے
مشرکین اہل کے رحم پر تھے۔ یعنی کو پیش نظر رکھ کر حج ہر تہجد کی ان پر جائزہ تھی۔ بہر ظلم ان پر
روا تھا ہر نیا دینی کتب یہ سزاوار تھے۔ خدا نے ان کا رسول ان سے برات کا اظہار کر چکا تھا۔

براہۃ من اللہ ورسولہ الخ
یہ عطا پیروی ہے۔ اللہ اور اس کے

الذین عاہدتم من المشرکین رسول کی جانب سے ان مشرکوں کے لئے

جن سے تم نے عہد کیا ہے۔

اور یہ ہر اعتبار سے اس تو اہل بھی تھے کہ ان سے برات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اب
بچے بار و بدو گار تھے۔ اب نہ ان کے پاس قوت تھی نہ طاقت نہ ظہور نہ شجر ان کی گردنوں کو
دینا کے غاصم رسم و رواج کے مطابق بڑی آسمانی سے کاٹا جا سکتا تھا لیکن اسلام نے یہ نہیں
کیا۔ اس نے صرف ان سے برات کا اظہار کیا۔ اور اظہار برات کے ساتھ ساتھ یہ تاکید کر دی
کہ ان سے جو معاہدے کیے جا چکے ہیں وہ میان باندھے جا چکے ہیں۔ ان کا پندار پندار
اور مراسم کیا جلتے۔ ایسے نازک ترین ہیجان انگیز اور ششمال انگیز موقع پر عدل و قسط کا
دامن تھامے رہنا صرف ایک نبی کا اور صرف ایک آسمانی کتاب ہی کا کام ہو سکتا ہے۔
مومن اور کافر کی دیت

غیر الہادی طوئید: اگر کوئی آدمی کسی آدمی کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ تو اسے
سزائے قتل نہیں دی جا سکتی۔ ہاں سزا صرف ملتی ہے ممانان ضروریہ کیلئے تا پڑتا ہے۔ قریم
نہایت میں دوسرے نہایت اور موجودہ عہد میں دوسری قوموں اور قوتوں کے ہاں ایسے
مواقع پر حاکم اور محکوم کا امتیاز موجود ہے۔ لیکن اسلام نے اس امتیاز کو بھی پسند نہیں فرمایا

اس سے سورہ نسا میں معاہدہ فرد کی دیت یہ مقرر کی ہے۔

وان کان من قوم بیتیکم و بینہم
میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اہلہ و تحذیر
اگر وہ مقتول ایسی قوم دینے سے ہو
جس کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہو۔ تو اس کے
درتار کو دیت اور اس کی جائے گی۔ اور ایک مومن و

غلام کا آزاد کرنا۔

اور بالکل یہی دیت ایک مسلمان کی بھی ہے۔ یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کے ہاتھوں غیر
اندوی طور پر ہلاک ہو جائے۔ تو اس کی دیت قرآن سے یہ رکھی ہے۔

ومن قتل مومناً خطأ فتعزیر
جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے

سرقۃ مومنة و دبیۃ مسلمۃ الی اہلہ
تو ایک مومن غلام کو آزاد کرے۔ اور اس کے درتار
الان یسد قوا
کو دیت دے۔ بجز اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

اس طرح ایک کافر معاہدہ اور ایک مسلمان میں مساوات قائم ہو گئی۔ دونوں میں
کسی قسم کا فرق نہ ہو بلکہ اور زیادہ تلاش و تفحص سے کام لیجئے تو معلوم ہو گا کہ
کافر کا پلہ مسلمان پر بھاری رہا اور مسلمان اس سے فروتر ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

فان کلن من قوم عدو لکم
دھومون فتعزیر رقبۃ مومنة
اور اگر وہ مقتول دشمن قوم کا ہو اور وہ
مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرے۔

ان الفاظ سے کیا نتیجہ مستنبط ہوتا ہے

یہ کہ دشمنوں کے ملک میں رہنے والے مسلمان کی دیت (خون بہا) مسلمان ملک میں
رہنے والے غیر مسلم سے کم تر اور پانی یعنی پہلی صورت میں خون بہا ضروری اور لازمی تھا۔ اب
خون بہا صرف تحذیر رقبۃ یعنی غلام کا آزاد کرنا رہ گیا۔

اس بات کو اگر ایک مثال کی صورت میں پیش کیا جائے۔ تو صورت مسئلہ اور زیادہ
واضح ہو جائے گی۔

یعنی اگر خدا نخواستہ ہندوستان دشمن ملک قرار دیا جائے تو ایک ہندوستانی
مسلمان کی دیت پاکستانی غیر مسلم سے کم ہوگی۔
غیر مسلموں سے رواداری، وسعت قلب اور شفقت کی اس سے بڑی کوئی مثال مل
سکتی ہے؟

عسب پر بالا

اور آگے چلتے

قرآن ایک اور بات کہتا ہے۔ اور یہ بات بھی دنیا کو چونکا دینے والی ہے۔ یعنی تمام
مقوق پر ہر قسم کے حقوق پر بالا، نفاق اور مننازہ جو چیر ہے۔ وہ ہے غیر مسلم سے کیا ہوا عہد
ارشاد فرمایا:

وان استنصرنا کم فی الدین اور اگر کفار کے مقابلہ میں تمہارے دینی بھائی
فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم
وینہم میثاقہ بشرطیکہ ان کفار سے تمہارا معاہدہ نہ ہو!

اس آیت کو پھر پڑھیے۔ اس کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ اس کی تفسیر و تشریح کا بار
بار مطالعہ فرمائیے۔ جو نتیجہ اخذ کر لیں، آپ مجبور ہوں گے۔ وہ یہ ہے۔
اگر کسی برسر جنگ یعنی دشمن ملک میں مسلمان قیام نہ کریں، حملات کی نامساعدت یا
مصالح کی بنا پر ہجرت کی قدرت نہیں رکھتے یا ہجرت نہ کرنے پر مجبور ہیں، اور دشمن ملک
مسلمانوں کی کمزوری، بے بسی اور کس میری کے باعث ان پر طرح طرح کی زیادتیوں کا رہا ہے۔
سنتھ توڑ رہا ہے، زندگی اجیرن کئے ہوئے ہے۔ اور یہ مسلمان، بیسے سہارا اور بے بس مسلمان،
یہ تباہ حال اور شفقہ روزگار مسلمان، کسی آزاد مسلمان ملک کی طرف امید اور حسرت سے
دیکھتے ہیں۔ اس سے فریاد کرتے ہیں۔ اس سے استغداد کرتے ہیں۔ اس سے اپیل کرتے ہیں کہ
وہ اٹھے اور ہمیں اس دولت کی زندگی سے نجات دے۔

نویہ آزاد مسلمان ملک صرف اس صورت میں دشمن اور مسلم آزاد ملک کے خلاف
ہتھیار اٹھا سکتا ہے کہ اس سے کوئی معاہدہ نہ ہو۔

اگر معاہدہ ہے تو محکوم مسلمانوں پر دشمن ملک کے ظلم و ستم کی اڑھلے کر اسے توڑ نہیں
جاسکتا۔ وہ قائم رہے گا۔ اس کا احترام واجب ہے۔ ہاں بدلتا معاہدہ ستم کرنے کے بعد اس
سے جنگ کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اگر نہ کی جائے تو عذاب الہی کا سبب ہوگا۔

ہر حالت میں زیادہ سے زیادہ ناخوشگوار اور ناقابل برداشت حالت میں بھی معاہدہ
کھلے پوری ذمہ داری پابندی کے ساتھ احترام اسلام کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس میں
وہ بیکتا اور منقرض ہے۔

امیران جنگ

دنیا اب تک یہی منتہی چلی آئی ہے کہ امیران جنگ غلام بنائے جاتے تھے۔ وہ تیار
بھی نہیں رہتے تھے کہ جنگ کے بعد عرف میدان جنگ میں گرفتار ہو کر لے جائے ہی
نہیں۔ سارا ملک غلام بنایا جاتا ہے۔
لیکن اسلام کا اس منہ سب سے الگ ہے۔

وہ اس لئے آیا تھا کہ غلامی کو مٹا دے۔ اس سے ہر ہر قدم پر مسالمت اور غلاموں کو آزاد
کرنے کی ہدایت کی ہے۔ پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ وہ غلاموں میں اضافہ کرتا یا غلامی کے
انٹشی ٹیبوشن (دورہ) کے جاری رکھنے کی تمہیر نہاتا۔ وہ غلامی سے نفرت کرتا ہے۔ وہ غلاموں
کی تعداد بڑھانی نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ امیران جنگ کے سلسلے میں جو کچھ قرآن نے کہا ہے وہ بگٹی بہت صاف اور
واضح ہے۔ چنانچہ فرمایا

مَتٰی اٰتٰی اٰتْمٰتُمْ وَاٰتْمٰتُمْ لَکُمْ فَاَمَّا مٰتٌ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاِنَّہَا لَمُحَرَّمٌ

تضع الحروب اور اس کا

یعنی انتقام جنگ کے وقت جو لوگ میدان جنگ میں لڑتے ہوئے گرفتار ہوں۔ ان کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہیں جو اسلام نے جائز قرار دی ہیں۔

۱۔ یا نواز راہ احسان و کرم گمترکی انہیں بغیر قیدیہ لئے رہا کر دیا جلتے
۲۔ یا قیدیہ لئے کر چھوڑ دیا جاتے۔

ان دو صورتوں کے علاوہ اسلام کسی تیسری صورت کی طرف اشارہ تک نہیں کرتا۔ یہ اسلام کی اسی واضح تعلیم کا نتیجہ ہے کہ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہو گا۔ وقت کے ملک و مسلمانین افواج اور کشور کشا، شہر مایہ سپہ سالار اور سپہ دار جب جنگ جیت کر اپنے مستقر کی طرف واپس آتے تھے تو ان کے پاس جہاں بڑا بڑا ہونا مال ہوتا تھا وہاں غلاموں اور نوٹیلیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہوتی تھی تاکہ ان غلاموں سے بیگاری جلتے۔ ان پر زیادہ سے زیادہ ظلم کیا جاسکے اور ان نوٹیلیوں کو بیعاشی اور غنیمت کا ذریعہ بتایا جاتے۔ ہوسا نہیں باتاڑیں لے جا کر فروخت کیا جائے۔ اور جو لوگ انہیں خریدیں۔ وہ زندگی کے لطف اڑائیں۔

لیکن اسلام کا نا جدارہ جب کسی محرکہ سے کہا یا سپاہ کامران ہو کہ واپس اپنے وطن تشریف لانا تھا تو اس کے ساتھ غلاموں کی کھسپ ہوتی تھی، غلاموں کا گروہ وہ قوی کاوشہ لے کر جاتا تھا اور یہی تو مشہور ہے کہ واپس آتا تھا۔ ان غلاموں کو بھی رہائی بخش رہا تھا۔ جو نظام اسلام سے پہلے حلقہ عبودیت میں جکڑے اور کسے جہنم کے گناہوں کا کفار قتل کی دیت، جرائم کی معافی، لغزشوں کی تلافی ہر چیز میں اس سے تحریر قہر نظام کی آواز ہی کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی تھی۔

غلام کا مقام

اور پھر جس ملک میں خاص طور پر اور جس دنیا میں عام طور پر نظام عرضت اس لئے تھے کہ غلامی کریں۔ ذہنیں مہربان بننا نہیں کریں۔ بڑا شہت کریں۔ بڑا اور ظلم چھیلیں۔ سنگ ولی اند

سفاکی کا نشانہ نہیں۔ اسی ملک اور اسی دنیا میں اس نے پہلی بار نظام غلامی ختم کر کے کرتے
 غلاموں کو اتنا ادب بچا کر دیا۔ انہیں وہ مقام رفع بخشا کہ ان میں اور آزاد مسلمانوں میں کوئی
 فرق نہیں رہ گیا۔ کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں، حقوق میں، معاملات میں ہر صورت
 میں انہیں تقریباً یکساں حقوق مرحمت فرمادیئے۔ ————— علی اللہ علیہ وسلم
 یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں غلاموں نے جو عروج حاصل کیا، اور جو مرتبے
 حاصل کئے، وہ اپنی نظیر آپ میں، حالانکہ یہ وہ دور تھا کہ اسلام کے چادہ صحیح سے مسلمان
 بڑی حد تک ہٹ چکے تھے :

غلامان اسلام
 ہمارے آزاد غلاموں میں بلال حبشی ہے۔ جس کی عظمت کے آگے عمر بن سنیوں
 تھے۔ ساق ہے جو رازی حدیث نبوی ہے۔ زید ہے جس نے رسول اللہ کی بہن سے شادی
 کی۔ اور جس بیٹے کے گھوڑے کی رکاب بڑھ کر خلیفہ اول ابو بکر صدیق رحمہ پھلے۔ قبر ہے جس نے
 علی مرتضیٰ رحمہ کے سایہ عاطفت میں برتری اور عظمت حاصل کی۔

دور بلوکیت میں بھی جب غلامی پھر اپنی غیر اسلامی صورت میں واپس آگئی تھی۔
 ہمارے غلاموں اور غلام زادوں میں جو ہر جے جس نے قاہرہ و مصر کی تعمیر کی۔ جامع
 الزہری کی بنیاد ڈالی۔ قسطنطین الدین ایک ہے جس کی یادگار قسطنطینا دولی میں اب تک
 موجود ہے۔ ابن طولون ہے جس کی بنیادی ہوئی جامع مسجد ارج بھی عقیدت و عبادت کا مرکز
 بنی ہوئی ہے۔ محمود غزنوی ہے جس کے، اچھے ہندوستان کی تاریخ بھی تراوش نہیں
 کر سکتی۔ ————— غرض یہ فہرست بہت طویل ہے۔ اور اگر اس مسئلہ پر ہم گفتگو کریں۔ تو
 اپنے عمل میں شروع سے ہٹ جائیں گے :

قصاص

قصاص کے بارے میں سورہ امر کی یہ آیت ملاحظہ ہو

ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا
لولیہ سلطاناتاً فلا یسر فی القتل
اتہ کان منصوراً ۵

چو کسی کو قتل کرے اس حالت میں کہ وہ
مظلوم ہو۔ تو ہم نے اس کے ولی کو ولایت کا حق
دیا ہے پس قتل میں وہ زیادتی نہ کرے۔ ۵ اس
قابل ہے کہ اس کی مدد کی جائے

انہ کان منصور کی بلاغت اور معنویت بجائے خود ایک دفتر ہے :

جہاد اور قتل

ضرورت کے وقت اسلام جہاد کا حکم دیتا ہے۔ اور پڑھے اثر انگیز لہجے میں مسلمانوں
کو اس طرف راغب کرتا ہے۔ سورہ صف کی آیات ذیل ملاحظہ ہوں۔

یا ایہا الذین امنوا اهل اولکم
علی تجارۃ تنجیککم من عذاب الیم
تومنون باللہ ورسولہ و تجاهدون
فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم
ذکر غیر لکم ربکم ان کفتم تعلیمون ۵

اے مسلمانو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ
بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے نجات دے۔
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ کی
راہ میں جہاد کرو۔ اپنے مال اور جان سے۔ یہ
تمہارے لئے بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھو!

ان اللہ یحب الذین یقاتلون
فی سبیلہ صفاً کانہم بنیان مرصوص

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے
جو اس کے واسطے میں سب سے پائی ہوئی دیوار کی
طرح صف بند ہو کر لڑتے ہیں۔

ان آیات میں جہاد کی ترغیب بھی ہے اور مجاہدین کے لئے یہ بشارت بھی
کہ جو لوگ خدا کی راہ میں سب سے پائی ہوئی دیوار بن کر دشمنانِ خدا سے جنگ کرتے ہیں
انہیں اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ سورہ مائدہ میں معنویت کی پوری بلاغت کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا

من قتل نفسا بغير نفس او فساد
فی الارض فکاتما قتل الناس جميعا
اگر کسی نے کسی شخص کو قتل کیا۔ حالانکہ نہ
وہ فساد ہی تھا نہ قاتل۔ تو گو یا اس نے تمام
آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا اور جس نے اسے
بچا لیا۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی!

جميعا

ان آیات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جائز حدود کے علاوہ کسی حالت میں بھی
کسی کی جان لینا جائز نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے۔ اور جو ایسا کرتا ہے۔ وہ صرف ایک
آدمی کو نہیں ہارتا ساری انسانیت کی جان لینے کی کوشش کرتا ہے اور جو شخص اس
فساد فی الارض کو روکتا ہے اور کسی مظلوم کی جان بچاتا ہے۔ وہ کسی ایک شخص کی جان
نہیں بچاتا۔ دیتا ہے تمام انسانوں کی جان بچاتا ہے۔ ایک شخص کی
زندگی کو سارے انسانوں کی زندگی کے برابر اہمیت دے دیتا یہ ثابت کرتا ہے کہ اظہام
انسانی زندگی کا کتنا احترام کرتا ہے۔

بہت بڑی رعایت

سورہ نسا میں آیات ذیل وارد ہوئی ہیں:-

فان تولوا فخذوهم واقتلوهم
حيث تفقروهم ولا تخذوا منهم
ديارا ولا نصيابة الا الذين يصلون
الي قوم بينكم وبينهم ميثاق

اگر وہ مشرک، پھر جائیں۔ تو انہیں
پکڑو۔ اور جہاں پاؤ۔ انہیں قتل کرو۔ اور ان
میں سے کسی کو اپنا یا ر اور دوست نہ بناؤ۔
بجز اس کے کہ ان کا تعلق ایسی قوم سے ہو۔
جس کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہو۔

یعنی برسر جنگ دشمن کے ساتھ کسی رعایت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب اس
سے جنگ ہو تو اسے ہونے شکست دینے اس کا ذرہ زور نہ اس کی قوت کو عدم
پہنچانے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔

اور عہد سوزہ سرگرمیوں کی اسے اطلاع دے کر فسخ معاہدہ کا اعلان کر کے تم جنگ کر سکتے
 ہو۔ یہ یوں نہیں کہ خود ہی قبیلہ کر لیا کہ دشمن غالباً معاہدہ توڑنے والا ہے۔ اور چپکے چپکے
 تیاریاں کر کے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ حرکت سیاست کی دنیا میں نہ صرف ہمارے بلکہ کارشعبان
 ہے لیکن اسلام کی ملکیت میں یہ ایک جرم ہے۔ اور جرم کی اجازت اسلام ہی نہیں دے
 سکتا۔ چنانچہ سورہ انفال میں وارد ہوا۔
 واما تخافون من قوم خيانة
 اگر تم کو کسی قوم سے خیانت کا خوف ہے،
 فانبت عليهم غلي سواع
 کا خطرہ ہو۔ تو ان کا معاہدہ برہنہ سے ان
 پر اٹھا دو۔

سورہ بقرہ کی ایک آیت

سورہ بقرہ میں جہاں راہ خدا میں جہاد و قتال کی ترغیب دی ہے۔ ساتھ ہی
 ساتھ وہاں ظلم اور سفاکی کے مظاہرہ سے روکا بھی ہے۔ ارشاد ہوا
 وقاتلوا في سبيل الله الذين
 ان لاگوں سے جنگ کرو۔ جو تم سے قتال
 کرتے ہیں۔ زیادتی نہ کرو۔ بلاشبہ خدا زیادتی
 یحبا المحدثين
 کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
 جہاں ظلم اور تعدی سے روکا وہاں صاف طور پر یہ بات بھی بتادی۔ کہ خدا
 تعدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ظلم کا افساد

سورہ شوریٰ کی آیات اور زیادہ واضح ہیں۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ ظلم جو رکاوٹ
 اگر عفو و رحمت سے دیا جائے۔ تو کیا کہنا لیکن اگر جواب دینا ہی ہو۔ تو صرف اتنا جنتِ اظلم
 جہاں ہے۔ اس سے زیادہ قدر بھی نہیں۔
 جزاء سيئة سيئة مثلها
 برائی کا بدلہ برائی ہے۔ لیکن جس نے

سن عقی واصلہ فاجر کا علو اللہ انہ
 معاف کر دیا۔ اور صلح کر لی۔ تو اس کا اجر
 ایجاب الظالمین ۵
 اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں
 کو پسند نہیں کرتا۔

معافی کی صورت میں یہ فیوید بھی دے دی کہ اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔
 اور کون مسلمان ہو گا۔ جو اپنے کسی کام کا اجر خدا سے لینے کے بجائے ہمیں
 سب چکا لینے کو ترجیح دے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو اسے ممانعت نہیں کی اجازت
 دی ہے اور یہ بھی تبادیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
 یعنی اگر ظلم کی سرحد میں قدم رکھا تو پھر خدا کے عذاب کے مستوجب ٹھہرے!
 چاہو معاف کر کے خدا سے اجر لے لو چاہو ہمیں بدلہ لے لو لیکن ظلم سے
 دامن بچا کر۔

دشمن کا اقرار
 قرآن نے جو حکم دیا۔ مسلمانوں نے اس کی تعمیل کی۔ اور اس کا اقرار سمجھنا عیسائیوں
 نے بھی کیا۔

ایک مرتبہ کسی مفتی سے دریافت کیا گیا۔ کہ اگر گیارہ مسلمان کسی
 ایسے عیسائی کو بے گناہ قتل کر ڈالیں۔ جو باہنشاہ کی رعیت ہو۔ اور جو یہ بھی
 ادا کرتا ہو تو کیا کیا جائے گا؟ مفتی نے جواب دیا اگر ایک ہزار اور ایک
 مسلمان بھی ہوں گے۔ تب بھی وہ سب کے سب قتل کیے جائیں گے سہ

خلاصہ کلام
 غرض، اسلام کا قرآن، غیر مسلمانوں کے ساتھ ایسی غیر معمولی شاناسی برتنا ہے

جس کا نمونہ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب آج تک نہیں پیش کر سکی۔ نہ دنیا کی کوئی قوم اس طرح موادِ ادرسی کی تعلیمات پر اثر کر سکی۔ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں جو شاندار مثال دنیا کے سامنے قائم کی ہے۔ وہ پہلی اور آخری ہے۔ اور یہ تمام نتیجہ ہے قرآن کے نصح و احکام و ادا کرنا۔ اور یہ مثال مسلمانوں نے اس حالت میں قائم کی کہ اگرچہ یہ سرزوں نے ان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے اپنے ذہن و دماغ میں کبھی جو ابی کا سدوائی کا خیال ہی نہیں کیا۔

حدیث رسول

عمیر مسلموں سے پراؤ کے بارے میں ارشادات نبوی

قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم من كذب علي متعمداً

فليتبوا مقعدها في النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو مجھ پر عمداً جھوٹ بولے۔ اسے چلیے

کہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔

الحديث

”یاور کھو! جو شخص غیر مسلم رعایا (معاہدہ) کے
 حق میں تہا انصافی کرے گا۔ یا عہد کو توڑے گا، یا
 اس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ظلم کرے گا۔ یا
 اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی شے لے
 گا۔ تو میں قیامت کے روز اس کا دامن گیر
 ہوں گا۔“

الحديث

کچھ حدیث کے بارے میں

صفحات سابق میں ہم تفصیل و تشریح کے ساتھ یہ امر ذہن نشین کر چکے ہیں کہ قرآن کریم غیر مسلموں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنے کی مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے؟ یہ ایک بہت بڑا اور اہم بالمشان مسئلہ متعصب، ناداد اور غیر حقیقت پسند غیر مسلم مورخین کی بدلت بن گیا ہے۔ جو اپنا سارا زور قلم چند مسلمانوں کی ناداداری کو پیش نظر رکھ کر اسلام اور داعی اسلام کے خلاف صرف کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ گروہ عالی الذہن ہو کر فقیر طریبیہ کے لئے کذب، افتراء اور تعصب و ناداداری سے صرف نظر کر کے ٹھنڈے دل سے قرآن کا مطالعہ کرتے تو ان کی بہت سی غلط فہمیاں ————— اگر انہیں غلط بیانی کے بجائے غلط فہمی کہا جاسکے ————— رفع ہو جاتیں۔ اور وہ قرآن کے آئینہ میں اسلام کے واضح اور غیر مشکوک تعلیمات کا جلوہ دیکھ لیتے۔

یہ بڑی افسوسناک اور تکلیف دہ بات ہے۔ اگر مٹلر، مسیونی، اسٹالن، ابن طراب، گوڈنگ، ہملر، میس، فرانکو اور کاذنٹ کیانو وغیرہ کے تنگ انسایت، افعال کو جناب

مسیح کی تعلیمات کا نتیجہ سمجھ لیا جائے۔ اگر مسیحی مذہب سے متعلق معلومات حاصل کرنا
 ہیں تو یقیناً ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے اقوال و افعال کی طرف رجوع
 کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے بارے میں کوئی یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان کا مذہب
 کس قسم کی تعلیمات کا حامل ہے۔ غیر مسلموں کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ محارب، غیر
 محارب اور مسلمان کے ساتھ وہ کس قسم کے سلوک کا حکم دیتا ہے تو ہمیں عبدالمملک
 بن مروان، حجاج بن یوسف اور نادر شاہ دہلوی وغیرہ نام نہاد مسلم ملوک و سلاطین کے
 بچائے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ کہ اسلام کا ماخذ یہی دونوں ہیں پھر
 ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین اور ان مسلمان ملوک و سلاطین کے کارناموں پر
 ایک نظر ڈالنی پڑے گی جنہیں عامہ مسلمین واقعات و حقائق کی بنیاد پر صحیح اسلامی
 تعلیمات کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ بغیر اس کے ہم کسی صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔
 دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے۔ تو مذہبی تعلیمات کی روشنی میں افراد و اشخاص کا کردار
 پر کھاجا اور جانچا جاسکتا ہے۔ اس کے بارے میں حکم لگایا جاسکتا ہے۔ کہ وہ کہاں تک
 مذہب سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ افراد و اشخاص کے اعمال و افعال
 کو کسی مذہب کا معیار قرار دیا جائے۔ اور حکم لگایا جائے کہ چونکہ فلاں فلاں اشخاص
 نے اس طرح کے سنگ انسانیات افعال کا ارتکاب کیا۔ لہذا وہ مذہب ہی سنگ انسانیات
 ہے۔ یہ قسمتی سے اکثر غیر مسلم مورخین کا یہی طریقہ اسلام اور تعلیمات اسلام کے بارے
 میں رہا ہے۔ قدرتا اس طرز عمل نے حالات کو بنانے اور سنوارنے کے بجائے انہیں
 اندھا دہ بگاڑ دیا۔

بہر حال تعلیمات قرآنی کا عطر ہم گذشتہ صفحات میں اپنے موضوع سے متعلق
 پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم حدیث نبوی پر بحث و گفتگو کریں گے۔

حدیث کی اصطلاح

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یوں تو حدیث کے معنی بات کے ہیں۔ لیکن اصطلاحاً حدیث رسول اکرم ص کے قول و فعل و دونوں پر جاری ہے۔ لہذا اس سلسلہ میں جو حدیثیں ہم صحاح ستہ اور معتبر کتب حدیث سے پیش کریں گے۔ ان میں ایک طرف رسول اکرم ص کے اقوال بھی مندرج ہوں گے۔ اور دوسری طرف آپ کے افعال کا جلوہ بھی نظر آئے گا۔

البتہ چونکہ حدیثیں زیادہ تر افعال سے بحث کرتی ہیں۔ اس لئے افعال کا ذکر نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اور جہاں ہوتا ہے وہ بھی بطور استشہاد۔ اس لئے وہ عمل کے تمام بیچوں بیچ پر جاری نہیں ہوتا۔ صرف ایک مخصوص مسئلہ سے متعلق اس کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ اور یہی مقصود ہوتا ہے۔ لیکن ہم اس پر قناعت نہیں کریں گے۔ اور جو وہ عنوان کے ماتحت ہم استشہادی افعال نبوی حسب ضرورت پیش کریں گے۔ پھر آگے چل کر جہاں ہم عملی نمونوں سے بحث کریں گے۔ وہاں تفصیل کے ساتھ انحضرت ص، حضرات خلفائے راشدین، ائمہ کرام، صحابیائے عظام، علمائے عظام، صحابہ کرام، اہل بیت اور دیگر مہرے اصحاب، ہم کے کارناموں اور عملی نمونوں کو سامنے رکھ کر صحیح فیصلہ اور نتیجہ تک پہنچ سکیں گے۔

قرآن ہم تک رسول اللہ کے ذریعہ ہی سے پہنچا۔ یہ وحی کی صورت میں انحضرت پر نازل ہوتا تھا۔ اور آپ اپنی امت تک اسے پہنچاتے تھے۔ قرآن کی آیات کے بارے میں اگر صحابہ کو کچھ دریافت کرنا ہوتا تھا۔ تو وہ آپ ہی سے دریافت کرتے تھے۔ اور آپ جو فرمادیتے تھے وہ صرف آخر ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خود قرآن نے آپ کی شان و مابینطق عن الہویٰ فرامی ہے! صحابہ کرام آپ کا ارشاد سنتے تھے اور تسلیم فرم کر دیتے تھے۔

اسی طرح زندگی کے دوسرے معاملات و مسائل سے متعلق بھی جو کچھ دریافت

کرنا ہوتا تھا۔ وہ سرور کائنات ہی سے دریافت کیا جاتا تھا۔ اور آپ کا ارشاد ہے چون و چرا تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ حدیث و روایت اس قسم کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔ حدیث تارخ ہے یا خبر؟

یہاں ایک اور بات صراحت ہو جانی چاہیے۔

بعض اصحاب فکر حدیث کو خیر متواتر نہیں ملتے۔ ان معتبر ترین اور مستند ترین تاریخ ماٹھے میں رشہ ایسے تسلیم نہیں کرتے کہ حدیث تارخ میں اضافہ کر سکتی ہے۔ اس لئے ہیں کہ اس کی تشریح کر سکتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے بھی اگر ان حدیثوں کو پرکھا جائے تو یہی ان کے پایہ استناد میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہی کی کوئی تاریخ بھی اتنی جامع اور مکمل نہیں ہے جتنی حدیث۔ وہی کہا کوئی مورخ بھی اتنا ثقہ اور مستند نہیں ہے جتنے ثقہ راویان حدیث۔ وہی کسی قوم نے بھی خود غول نہ ثقہ نگاروں اور راویوں کے ثقہ اور عدول و صدوق اور غیر بھروسے ہونے کا التزام نہیں کیا۔ بتنا فن حدیث کے پرکھنے والوں نے۔ انہوں نے ایک مستقل فن علم سما۔ اور جال کی بنیاد ڈال دی۔ جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ کہ راویان حدیث کے بارے میں ہر گھن ذرا تلخ سے ضروری معلومات حاصل کئے جائیں۔

تاریخ پر مال

یعنی یہ کہ وہ کہاں تک صحیح رہتے تھے؟ ان کے صدق میں کذب کی آمیزش تو نہیں ہوتی تھی۔ ان کی قوت حافظہ کسی تھی؟ روایت حدیث کا کام کس عسر میں انہوں نے شروع کیا تھا؟ ان کی لاشست و برخواست کس قسم کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی؟ ان کی طبیعت میں مبالغہ کا رنگ تو نہیں تھا؟ بیان واقعات میں وہ کہاں تک احتیاط کرتے تھے؟ ثقہ اور تدبر کا ادوار ان میں کہاں تک تھا؟ ان کے تفیق تحقیق و تفحص کا کیا عالم تھا؟ وہ سنسنی مٹائی باتوں پر اعتبار کر لینے کے عادی تو

نہیں تھے، ان کا برتاؤ اپنے دوستوں، نوکروں، ساتھیوں اور عزیزوں کے ساتھ کیا تھا؟ ان کے کسی فعل میں خدع و شریب کا رنگ تو نہیں جھلکتا تھا؟ وہ کسی بات کی چھان بھٹیک کے کہاں تک جوگرتھے؟ جو روایت وہ کر رہے ہیں، اس میں ان کی حیثیت صاحبِ مذہب کی تو نہیں؟ صاحبِ مذہب کی اصطلاح بھی سمجھ لیجئے صاحبِ مذہب وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی خاص مسلک پر عامل ہو۔ اور جو حدیث وہ روایت کرے یا وہ وہ خاص طور پر اس کے مسلک کی تائید میں نہ ہو۔

مثلاً ایک خارجی کی روایت حدیث دوسرے اعتیادات سے اگر کوئی قیاحت نہ رکھتی ہوگی تب بہم کوئی جائے گی لیکن اگر وہ کوئی ایسی حدیث روایت کرنے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت گرامی کی منقہت کا پلہ رکھتی ہو تو وہ ہرگز تسلیم نہیں کی جائے گی۔ خواہ وہ کتنا ہی عادل اور تقویٰ کیوں نہ ہو؟

حدیث کی پرکھ

پھر حدیث کی روایت میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں روای متفرقہ یا طرق متعدده سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے؟ اگر وہ منقرد ہے تو اس کی حدیث کا پایہ استناد و اتوا بالکل ساقط ہو جائے گا یا اس کے درجہ میں کمی آجائے گی۔ اور اگر طرق متعدده سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی دوسرے سلسلہ روایت سے بھی یہی حدیث سامنے آتی ہے تو اسے تسلیم کر لیا جائے گا۔

اس کے علاوہ روایت حدیث کے قبول کرنے کے لئے اور بھی شرائط ہیں۔ اور ان کا اہتمام بھی پورے طور پر پیش نہاد و حاضر رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً وہ حدیث جو ہمارے سلسلہ سے

ایقل رہا اس کے خلاف تو نہیں؟ ————— اگر ہے تو مسترد

در شران کے خلاف تو نہیں؟ ————— اگر ہے تو اس کا پایہ استناد و ساقط

۳۔ اصل روایت کے خلاف تو نہیں؛ اس جگہ ہمیں روایت کو بھی سمجھ لینا چاہیے
 ایک چیز ہے روایت یعنی ایک شخص نے کوئی بات دیکھی یا کسی معتبر آدمی سے سنی۔
 اس کی روایت کر دی۔ لیکن روایت کی کسوٹی ہے روایت۔ یعنی جو
 روایت ہمارے سامنے ہے وہ عقلی اعتبار سے کہاں تک قابل قبول ہے؛ واقعاتی
 اعتبار سے اسے کہاں تک مانا جاسکتا ہے؛ تحقیقی اعتبار سے اس کی کیا حیثیت کیا ہے؟

روایت اور روایت

مثلاً اگر یہ روایت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ایک راوی بیان کرتا ہے کہ رسول
 اللہ پچول پر شفقت فرماتے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتے تھے تو ہم یہ روایت
 ضروری تحقیق کے بعد قبول کر لیں گے لیکن وہی راوی ہے امہانقہ، عدول، صدوق اور
 محفوظ عن الجرح ہونے کے باوجود اگر یہ روایت کرتا ہے کہ میں نے دیکھا یا فلاں سے
 سنا کہ آنحضرت ﷺ رنحوذ بائد آپچول کے ساتھ سختی اور درشتی کے ساتھ پیش آیا
 کرتے تھے تو اس کے ثقہ، صدوق اور عدول ہونے کے باوجود یہ روایت تسلیم نہیں
 کریں گے۔ کیونکہ یہ بات بدہمیات کے خلاف ہے۔ ہر قسم کا سلسلہ روایت اس بات
 کی تصدیق کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا برتاؤ سب کے ساتھ ہونا اور پچول کے ساتھ خصوصاً
 غایت درجہ شفقت و مہمت کا ہونا اگر تا تھا۔ لہذا یہ بات روایت کے خلاف ہے اور کسی
 طرح بھی قابل قبول نہیں۔ یا راوی کا وہ ہے جتنا اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔

۴۔ راوی حدیث اپنا پورا سلسلہ روایت نام بنام بیان کرتا ہے یا نہیں؛ اگر بیان
 کرتا ہے تو اس کی حدیث کسوٹی پر کسی جگے گی اور نہیں بیان کرتا، یا کسی کا ذکر چھوڑ
 دیتا ہے۔ تو پھر اس پر غور بھی نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ جرح یعنی تنقید کسی ایک راوی پر نہیں کی جاتی۔ پورے سلسلہ روایت پر کی
 جائے گی یعنی یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اصل راوی صدوق و عدول ہے یہ دیکھا جائے

جلتے گا کہ اپنے بیان میں وہ جن راویوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ سب کے سب بلا استثناء صدوق و عدول ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو حدیث حدیث ہے ورنہ نہیں۔

میں علم حدیث پر کوئی مقالہ نہیں لکھ رہا ہوں لیکن چونکہ ایک نہایت ہنرمند بالمشان مسئلہ سے متعلق احادیث نبوی سے استشہاد و استنباط کر رہا ہوں۔ اس لئے پس منظر کے طور پر ضروری تھا کہ میں فن حدیث کی اہمیت اس کے متعلقات اور اس کے راویوں کی جرح و تعدیل پر مختصر لیکن جامع طور پر مہولی بحث کرتا۔

سطور بالا میں حدیث نبوی کا جو پس منظر میں نے پیش کیا ہے۔ وہ تاریخین کرام کو یہ سمجھنے میں پوری پوری مدد دے گا کہ احادیث نبوی کا صحیح مقام اور ان کی صحیح حیثیت کیا ہے؟

اسماء الرجال

مشہور جرمن مستشرق فان کریمر مسلمانوں کے ایجاد کئے ہوئے فن اسماء الرجال کا دفتر دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھا تھا۔ یہ معجزہ دنیا کی کسی قوم سے اب تک ظہور میں نہیں آیا کہ اس نے اپنے رسول کے اقوال کی حیثیت و استناد کا پایہ مستحکم کرنے کے لئے چند نہیں، چند سو نہیں، چند ہزار نہیں، نصف لاکھ یعنی پچاس ہزار افراد کی تاریخ حیات پوری بے باکی صداقت اور غیر جانبداری کے ساتھ مدون کر لی ہو۔ واقف یہ ہے کہ یہ کار نامہ دنیا میں صرف مسلمانوں

ہی نے انجام دیا۔ وہی اس کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی!

کتاب بسنت

اگر یہ فن عالم وجود میں نہ آیا ہوتا۔ تو کوئی شبہ نہیں، رسول اکرم کی زندگی کا مکمل نقشہ آج ہمارے سامنے نہ ہوتا بعض لوگ جو حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ حدیث اگر واقعی مذہبی حیثیت رکھتی تھی۔ تو پھر وہ قرآن کے

ساتھ ساتھ کہیں نہ چلی؟ لیکن یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں۔ جو یا تو عمداً غلط بیانی
 کرنے ہیں یا خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ روایت تاریخ کا ایک صحیح اور طالب علم جاہل
 ہے۔ کہ آنحضرت ص کی وفات کے بعد جب خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر کے
 ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی تو وہ کتاب و سنت پر لکھی۔ اور سنت سے احادیث
 رسول کے ذکر کیا ہے۔ ہر حال اظناب کا یہ موقع نہیں۔ اس جگہ ایجاز
 ہی مناسب ہے :

جہاد کی حقیقت

ارشادات نبویؐ کی روشنی میں

گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن میں جہاد کے لئے جو حدود و شرائط متعین کئے گئے ہیں، وہ کیا ہیں؟ ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں اس سلسلہ میں حدیث ہمیں کیا بتاتی ہے؟

جہاد کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ

ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ مَا

يَعْتَمِدُنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ نَعْنِي فَرِيًّا

ملا یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے

تقسیم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس کو دوست رکھتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔

اس حدیث میں جہاد کا ذکر جن الفاظ میں کیا گیا ہے اس کے لئے جس آمادگی کا اظہار کیا گیا ہے، یوں متناظر اظہار کی گئی ہے۔ جس ذلولہ کا اظہار ہوا ہے۔ ان سب سے راہ اسلام میں جہاد کی اہمیت اور اس کی منزلت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن خاص طور پر توجہ طلب جو بات ہے۔ وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ یعنی جہاد وہ ہے جو اللہ کے راستے میں کیا جائے۔ اللہ کے لئے کیا جاتے ہوئے نفس، توسیع مملکت، جوع الارض، تجارتی اور کاروباری مفاد کے لئے نہیں کیشور کشائی اور جہانگیری کے لئے بھی نہیں، شہرت اور ناموری کے لئے بھی نہیں۔ جہاد صرف وہی مقبول ہے جو رضائے الہی کے لئے ہو۔ ورنہ وہ جہاد نہیں، جنگ ہے، قتال ہے اور اس کا تعلق رضائے الہی سے ذرا بھی نہیں ہے۔

جہاد کی فضیلت

ایک اور حدیث جو حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بتاتی ہے کہ جہاد کی فضیلت کیا ہے؟

عن ابی عبس رضی اللہ عنہ قال
رسول اللہ ص ما غیرت قدما عبد
فی سبیل اللہ فتمسہ النار
ابو عبس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ نے فرمایا۔ جس بندے کے قدم جہاد فی
سبیل اللہ میں خراب ہو جوتے ہیں۔ اسے
جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

اس سے بڑھ کر جہاد کی اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ مجاہد پر استسجاء، جہنم حرام

کر دی گئی ہے

نفاق کی موت

ایک اور حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص جو جہاد کی آرزو سے بیگانہ ہو مسلمان نہیں منافی ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ من مات ولم یغز ولم یجدت بہ نفسہ مات علی شجرتہ من النفاق
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ جو شخص مرا اور جہاد نہ کیا۔ اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال گذرا۔ اس کی موت نفاق پر ہوئی۔

گویا وہ شخص مسلمان نہیں، منافی ہے۔ جو جہاد کے جذبہ سے محروم ہو۔ اس سے بڑھ کر جہاد کی تاکید و حمایت میں اور کیا کہا جاسکتا ہے اس حدیث نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ جہاد اسلام کی روح ہے۔ اور جو شخص اسلام کا نام تو لیتا ہے۔ نماز بھی پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ بھی دیتا ہے۔ لیکن اسلام کی روح۔ جہاد۔ کا خیال دل میں نہیں لاتا۔ اس کے یہ سارے اعمال حقیقی نہیں، منافقانہ ہیں۔ اسلام کی نظر میں ان کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں!

قرآن مجید نے اور زیادہ وضاحت کے ساتھ جہاد اور مجاہد کے بارے میں فرمایا ہے۔

ولا تقولوا لمن قتل فی سبیل اللہ امواتہ ہیل اعیاروا لکن لا تشعرون۔

یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پاتے ہیں۔ وہ مرتے ہی نہیں۔ موت ان پر طاری ہی نہیں ہو سکتی۔ وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ اگرچہ جہاد کی

سہ صحیح بخاری

چشم عریاں (NAKED EYE) انہیں نہ دیکھ سکے۔ اگرچہ ہم ان کی زندگی کو محسوس نہ کر سکیں۔

قرآن کے الفاظ پر غور فرمایا لیجئے۔ متع کیا جاتا ہے لا تقولوا کہ انہیں مردہ یعنی اموات نہ کہو۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر قرآن کریم میں لکھا ہے:

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله اموات بل احياء عند

ربهم يرزقون۔ الآية

مطلب یہ کہ جو لوگ خدا کے راستے میں شہید ہوں۔ اپنی جان چلیں۔ انہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے انہیں وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ انہوں نے حیات دوم حاصل کر لی۔

یہاں لفظ عند ربہم پر غور کیجئے

یعنی اگرچہ بظاہر ان پر موت طاری ہو گئی۔ اس لئے کہ تو انہیں تو ذرت بہر حالت میں اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ لیکن اپنے رب کے نزدیک وہ زندہ ہیں اور وہ ان کی زندگی کو تروتازہ رکھتا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں مذکورہ احادیث کو دیکھئے اور غور کیجئے کہ جو شخص جہاد کے جذبے سے بے بہرہ ہے۔ وہ اپنے تئیں مسلمان کہلا سکتا ہے؟ — کلام ختم کلا؛

نہیں، ہرگز نہیں!

تظہیر نیت

لیکن خود جہاد کیا ہے؟ اس کے شرائط و حدود کیا ہیں؟ اس کی حیثیت اور

اہمیت کیا ہے؟

ان سوالات کے جواب میں حدیث نبویؐ خاموش نہیں وہ تفصیل اور وضاحت

کے ساتھ ان تمام امور پر روشنی ڈالتی ہے اور ہمیں بتاتی ہے کہ جہاد کب کیا جاسکتا ہے؟

کن حالات میں کیا جاسکتا ہے؟ کن لوگوں سے کیا جاسکتا ہے؟
 اسلام کے دشمنوں نے جہاد کو ایک بھیاںک اور ہیپ لفظ بنا لیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے
 ہیں۔ اور اپنے ساتھ ساری دنیا کو یاد کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ جہاد بڑی خوفناک
 چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو اس لئے عالم وجود میں آئی ہے کہ مسلمانوں کے سوا کسی غیر مسلم کو
 زندہ نہ رہنے دیا جائے۔ ہر اس شخص کو جو اسلام کا قائل نہیں زندہ رہنے کے حق سے محروم
 کر دے۔ جہاد کی نواہر جب چلتی ہے تو بے تحاشہ چلتی ہے۔ وہ نہ معذرت کے ساتھ مروت
 کرتی ہے۔ نہ عذرتوں کو قابل رحم سمجھتی ہے۔ نہ بچوں پر ترس کھاتی ہے۔ نہ بوڑھوں کے
 ساتھ کسی قسم کی رعایت کرتی ہے۔ نہ غیر جنگجو لوگوں کا لحاظ کرتی ہے۔ سب کو ایک ہی
 دائر میں ختم کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کا نام سنتے ہی بہت سے لوگ ہجم جاتے
 ہیں۔ وہ جانتے ہیں اگر مسلمانوں نے جہاد شروع کیا تو پھر کسی مسلمان کی خیر نہیں!
 لیکن یہ سارے اندیشے کیسے بے بنیاد ہیں ان میں حقیقت اور واقعیت کا ثابہ
 بھی نہیں۔ یہ باتیں صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اسلام کے دشمن ہیں اور اس کی اچھی باتوں کو
 برے رنگ میں پیش کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ورنہ اگر حقیقت کو حقیقت کی طرح دیکھا
 جائے۔ تعصب اور ااندلی سے قطع نظر کر کے اسلام کی تعلیمات و ہدایات کا یہ نظر قائم مطالعہ
 کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاد درحقیقت دنیا کی سب سے زیادہ شریفانہ، ہمدرد اور
 مجبوسانہ جنگ ہے۔ قرآن میں اور پھر احادیث نبوی میں تکرار و تسلسل کے ساتھ وضاحت
 اور تشریح کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ جب ہم جہاد پر آمادہ ہوں، جب ہم جہاد کے لئے
 میدان میں آئیں، جب ہم جہاد میں مصروف ہو جائیں، تو ہمارے فرائض اور اجبات
 کیا ہیں؟

جہاد کی سب سے پہلی شرط تطہیر نیت ہے۔ جب
 نیک نیت صاف نہیں، جہاد مقبول نہیں!

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہما قال جاد رجل
الی النبی فقال الرجل یقاتل
للمغرم والرجل یقاتل للذکر والرجل
یقاتل لیروی مکانہ فمن فی سبیل
اللہ ۛ قال من قاتل فتکون
کلمة اللہ ہی العلیا فهو فی سبیل
اللہ ۛ

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے
کہ ایک شخص رسول اللہ ص کے پاس آیا
اور عرض کیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے
لئے مقاتلہ کرتا ہے۔ ایک شخص شہرت کے
لئے قتل کرتا ہے۔ ایک شخص اپنے مرتبہ کے
لئے قتال کرتا ہے۔ ان میں سے کون فی سبیل
اللہ لڑا؟ آپ نے فرمایا: وہ جو اس لئے
لڑا کہ خدا کا کلمہ بلند ہو۔ وہی راہ خدا کے

لئے لڑا۔

اس حدیث نبوی میں سب کچھ آ گیا۔ یعنی جو شخص اس لئے جہاد کرتا ہے کہ
۱۔ خوب مال غنیمت حاصل کرے گا

۲۔ ناموری اور شہرت کے منارہ پر پہنچ جائے گا۔

۳۔ مرتبہ اور رفعت مقام کی نعمت حاصل کرے گا۔

وہ جتنا چاہے لڑے لیکن وہ مجاہد نہیں۔

مجاہد وہ ہے جو اس لئے کفن سر سے باندھ کر میدان میں اترتا ہے کہ

تتکون کلمة اللہ ہی العلیا؛ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

تظہیر نیت کے اس حکم اور مصلحت پر غور کیجئے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے

گی کہ جنگ اور جہاد میں کتنا فرق ہے؛ پہلی چیز صرف اس لئے رونما ہوتی ہے کہ

مادی منافع اور دنیادی وسائل کے ڈھیر لگا دے۔ اور دوسری چیز نفع دنیان سے

سے بخاری نیز مسلم

اس وقت اصل مقصود گوندی گوری پر وہ نشین عورتیں ہوتی ہیں۔ نہ کہ چراگاہ سے واپس آنے والے اونٹ۔“

جنگ و جدال کا مقصد کلمۃ اللہ کی سر بلندی نہیں بلکہ غنیمت بھی نہیں۔ صرف عورتیں ہیں۔ خوبصورت، نازک، انام گندم گول!

اس کے مقابلہ میں اسلام اس رویش عام سے بالکل الگ، عورتوں کے احترام کی تاکید کرتا ہے:

ایک اور ممانعت

جنگ کے دوران میں کفار کا ایک عام دھیرہ یہ تھا کہ وہ شور و شغب کے ساتھ جنگ کے میدان کی طرف بڑھتے تھے۔ مختلف قسم کی آوازیں، غرے، مسلمانوں نے بھی اس چلنے ہوئے اصول کی پابندی میں کوئی ممانعت نہ سمجھا۔ لیکن: اسی اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی۔ لڑائی کے میدان میں لڑائی کرنی چاہیے لڑائی کے ساتھ ساتھ اعصابی اور نفسیاتی جنگ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ حضرت قیس بن عباد کی روایت ہے

عن قیس بن عباد قال کان اصحاب النبی یکرہون الصوت عند

القتال

یعنی

حضرت قیس بن عباد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جنگ و خون ریزی کے وقت شور و غوغا ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی عظمت

جنگ جب برپا ہوتی ہے تو تمام جنگی معاملات و مسائل وہی صحاب طے کرتے

سہ ابوداؤد

ہیں۔ جو جنگی مناصب کے اعتبار سے بلند اور بزرگ حیثیت کے حامل ہوں۔ اصولاً اور عقلاً ہونا بھی ایسا ہی چاہیے کہ بغیر اس کے صحیح معنی میں نظم قائم نہیں ہو سکتا۔ اسلام بھی اس اصول کا فائل ہے۔ لیکن غیر مسلم محارب اگر شکست کھا جائے یا شکست قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ جنگ کے نتائج و عواقب بھگتنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اور حالات کی تاسعات کے باعث امن اور جان بخشی چاہتا ہو تو اسلام ہر مسلمان کی دی ہوئی امان کو نافذ قرار دے دیتا ہے۔ خواہ وہ کوئی فوجی منصب رکھتا ہو یا نہ ہو۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اسلامی سپہ دار اس امان کا احترام کرے گا۔ اور پھر اس محارب سے جنگ نہیں کرے گا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ ایک حدیث کی روایت کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رض ان التبیء قال ان المرأة لتأخذ للقوم یعنی تخییر علی المسلمین

یعنی ایک عورت مسلمانوں کی طرف سے کسی غیر مسلم کو وہ کو امان دے سکتی ہے۔ یہ حدیث نبویؐ جہاں اس حقیقت کی منظر ہے۔ کہ عورت کا درجہ اسلام میں بہت بلند ہے۔ وہاں اس حقیقت کی بھی آئینہ دار ہے کہ جنگ و پیکار کو ختم کرنے اور صلح و سلام کی فضا قائم کرنے میں اسلام کتنا وسیع القلب اور داد دہ ہے۔ وہ ہمارے خطوطاً ہے کہ جنگ ختم ہو جائے اور صلح و سلام کی فضا پیدا ہو جائے۔ وہ ان ہستیوں کو بھی امن دیتے اور کامروں کی جان و مال کو محفوظ کر دینے کا حق دیتا ہے جنہیں دنیا کی کسی قوم نے بھی یہ حق نہیں دیا۔ آج بھی دنیا کی ہندب سے ہندب اور ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ قوم ایک عام عورت کو یہ حق نہیں دیتی کہ اگر فریق ثانی اپنی کمزوری دیکھ کر طالب امان ہو۔ تو وہ اسے امان کا پردہ عطا کر دے۔ اس سے بڑھ کر رساداری اور شفقت کا برتاؤ اور کیا ہو سکتا ہے؟

اماں شکنی

اسلام اس بات کا قائل نہیں ہے کہ جنگ کے دوران میں کسی قسم کی بد عہدی کی جائے۔ دھوکہ دیا جائے۔ فریب سے کام لیا جائے۔ مصلحت کی آڑ لے کر ظالمانہ اور سفاکانہ طریقہ بکار کھا جائے۔ وہ ہر معاملہ میں تقویٰ کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس راستہ سے کبھی اور کسی حالت میں منحرف ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔

چنانچہ وہ اسے بھی گوارا نہیں کرتا کہ ایک مرتبہ کسی حربی کافر کو امان دے کر بغیر کسی معقول اور جائز وجہ کے اسے لے لیا جائے۔ معقول وجہ پر واپس لینے کی صورت میں بھی وہ پہلے سے اعلان کر دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اگر ایسی صورت نہ ہو۔ تو کسی قیمت پر بھی اسے ردا نہیں رکھتا کہ امان دینے کے بعد امان شکنی کی جائے اس فعل کو وہ حد درجہ مذہوم اور ناقابل معافی تصور کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں ذیل کی حدیث حاصل طور پر قابل ذکر ہے۔

عن عمرو بن المثنی قال سمعت رسول اللہ ص، يقول من ثامن سراجاً علی نفسه فقتله أظلی لواء العذار یوم القیامۃ

یعنی

رسول اللہ ص نے فرمایا۔ اگر کسی شخص نے کسی کو امان دی اور امان دینے کے بعد یعنی کسی جائز وجہ کے بغیر، اسے قتل کر دیا۔ تو قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں بد عہدی (دغدا) کا جھنڈا دیا جائے گا۔

اس سے بڑھ کر ایک غیر مسلم کی حفاظت جان و مال کی اور کیا ضمانت ہو سکتی ہے؟ اور اس سے بڑھ کر وہ اور کون سی وجہ ہو سکتی ہے۔ جس کے بعد ایک مسلمان اس مذہوم فعل کے ارتکاب سے رکا اور بچا رہے؟

لہذا حفظہ ہو شرح السنۃ

ایک اور حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے مروی ہے

عن انس بن رسول اللہ ص قال لا تقتلوا شیخانا تیارا ولا طفلا صغیرا

ولا امرأۃ سے

یعنی

اے حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ حالت جنگ، شیخ نانی، طفل صغیر اور عورت کو قتل نہ کرو۔

شفقت و رحمت کا یہ عالم تھا کہ ایک اور موقع پر ہرے بھرے درختوں اور سرسبز کھیتوں کے کاٹنے اور آگ لگانے سے بھی منع فرمایا۔ حالانکہ جنگ کی حالت میں یہ سرکتیں عام طور پر فوجیں بڑی بے پروائی سے کر گزرتی ہیں۔ یہ اصول اور تعامل اتنا قدیم اور معمول ہے کہ آج تک اس پر بڑی بے پروائی کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔ اور اس فعل کے ارتکاب میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی۔

خون کی قیمت

اسلام کی نظر میں انسانی خون کی بڑی قیمت ہے۔ خواہ وہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا۔ وہ ہرگز اسے گوارا نہیں کرتا کہ کسی کا خون بغیر کسی معقول اور جائز سبب کے بہا یا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہوا

اول ما یحاسب به العبد الصلوة وادل ما یقتضی بین الناس یوم

القیامتہ فی الدماء

یعنی

قیامت کے دن بندے سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا

سہ ابوداؤد شہ نسائی کیے از صحاح

زہ نماز ہے۔ اور لوگوں کے باہن جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا۔ وہ خون کے معاملات ہیں۔

انسانی خون کی اس قدر قیمت کو صحیح طور پر محسوس کر لینے کے بعد کوئی مسلمان خواہ متعصب ہو یا غیر متعصب، کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔ نہ جنگ کے میدان میں، نہ امن کی حالت میں جو خون رائیگاں کا سبب بنے۔

زہ دست و عید

ایک اور حدیث میں قتل معاہدہ پر بہت بڑی وعید آئی ہے۔
معاہدہ یعنی وہ غیر مسلم (کافر یا مشرک) جو مسلمانوں سے امن حاصل کر چکا ہو۔ پھر اسے بغیر کسی معقول سبب اور وجہ کے قتل کر دیا جائے۔

پسنا نچہ فرمایا

من قتل معاہد السویح سائحۃ الجنة دان سہ یجھالتو جدم من

میسرۃ اربعین عاما

یعنی

”رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا جس (مسلمان) نے کسی غیر مسلم معاہدہ کو قتل کیا۔ وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ حالانکہ یہ خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہونے لگتی ہے۔“

گویا ایک مسلمان صرف اس جرم میں کہ بغیر کسی خلیٰ قصید کے اس نے کسی معاہدہ غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ جنت سے محروم ہو جائے گا۔ اور جس مسلمان کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے کہ وہ جنت سے محروم رہے گا۔ اس کا اعلام کب قابل قبول ہو سکتا ہے؟ اسے مسلمان کیسے کہا جاسکتا ہے؟

جس مذہب کی آسمانی کتاب تھی، جس مذہب کے نبیؐ نے اس طرح غیر مسلموں

کا تحفظ کیا ہو۔ کیا اس کے پیرو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے کسی غیر مسلم کو قتل کر سکتے ہیں؟ اور اگر قتل کریں تو کیا اسلامی حکومت انہیں معاف کر دے گی؟ ان سے باہر میں نہیں کرے گی؟ — اس بارہ خاص میں بھی ہمارے سامنے روشن مثالیں اور ہدایتیں موجود ہیں جنہیں ہم اس وقت تک نہیں نظر انداز کر سکتے۔ جب تک ایمان اور اسلام کا ثابہ بھی ہم میں موجود ہے۔

عملی مثال

حدیث کی کتابیں اور تاریخ کے صفحات اس حقیقت کے ثابہ ہیں کہ خود سرور کائنات ص نے ایک مسلمان کے قتل کا اس لئے حکم صادر فرمایا کہ اس نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ حکم دیا اور لسان نبوت سے فرمایا

انا اکرم من ذمی ذمتہ

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں

انا احق من ذمی بذمتہ — یعنی اس غیر مسلم کے ذمہ

کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں۔

رسول کی سربراہ

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔ یہ حدیث حضرت صفوان بن مسلم کی ہے

الامن ظلم معاهداً او انتقصه او كلفنا فوق طاقته او اخذ منه

شیئاً بغیر طیب نفس فانا جیجیر یوم القیامتہ

یعنی

اے خدا! ہم کو ظلم معاہداً او انتقصه او كلفنا فوق طاقته او اخذ منه سے جیجیر یوم القیامتہ

خبردار جو شخص کسی معاہدہ پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا۔ اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود دا منگیروں ہوں گا۔

غور فرمائیے جس شخص کی طرف سے قیامت کے دن آنحضرتؐ فریادی اور مستغیث بن کر بارگاہِ باری تعالیٰ میں کھڑے ہوں گے وہ ہو گا ایک ذمی

غیر مسلم! اور جس شخص کے خلاف کھڑے ہوں گے وہ ہو گا ایک مسلمان۔ ایسا مسلمان جس نے

۱۔ کسی غیر معاہدہ غیر مسلم پر ظلم کیا ہو

۲۔ یا اس کے حقوق میں کمی کرنے کا مجرم ہو

۳۔ یا اس کی قوت و طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالنا ہو۔

۴۔ یا اس کی خوش دلانہ مرضی رطیب نفس کے بغیر اس سے کچھ حاصل کرے۔

جو مجرم صرف قتل ہی نہیں ہے یہ سب باتیں جرم ہیں۔ اور ایسا سنگین و شدید

جو مجرم کہ رسول اللہؐ اس کے خلاف مستغیث بن کر کھڑے ہوں گے۔

یہ ہے اسلام کی نظر میں ایک غیر مسلم کی حیثیت!

اقلیت کے تحفظات

کسی حکومت میں اس سے زیادہ وہ کون سے تحفظات ہیں جو کسی اقلیت یا محکم کو دینے

جاسکتے ہیں؟ اس زمانہ میں بھی وہ کون سی حکومت ہے جو اقلیت یا اپنی محکم

قوم کو اتنے موثر تحفظات عطا کرے؟

بھارت اور پاکستان ابھی حال میں انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوئے

ہیں۔ ایک صد سالہ دور سے زیادہ کے عہد غلامی کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

ملکہ ڈکٹیوریہ کے اعلان (۱۸۵۶ء) سے لے کر مارٹن بٹن کے پلان (۱۹۲۷ء) تک
سارا دور ہمارے سامنے ہے۔ بتایا جائے کہ کسی محکوم کو یہ سہولتیں، یہ آسائشیں،
کبھی کسی دور میں محدود اور معین وقت کے لئے بھی حاصل ہوئیں؟
تاریخ و حقائق کا جواب صاف انکار ہے اور نہیں!
مجموعی عورت سے نکاح جائز ہے

مجوسیوں کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں
اور مسلمان مرد کو صرف کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے لیکن خلافت
راشدہ کے دور میں آنحضرت صلعم کی ایک مثال کے پیش نظر مجوسیوں کے ساتھ وہی
سلوک کیا گیا جو اہل کتاب کے ساتھ جاری تھا۔ یعنی ان سے جزیہ لیا گیا جب ان
سے جزیہ لیا گیا۔ اور ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کیا گیا۔ تو پھر ان کی عورتوں
سے مسلمان مردوں کا نکاح بھی جائز ہوا۔ چنانچہ بعض ائمہ کا فتویٰ یہ ہے کہ مجوسی
عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

وَحَصِي عَنْ النَّشَافِيِّ قَوْلُ
بِحَاشِدِ لِكَ بِنَاءِ عَلِيٍّ جَوَازُ ذِي الْاَئِمَّةِ
اہم شافعی کا قول مجوسی عورتوں
سے جواز نکاح کی تائید میں ہے۔ جس
کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ ان کا ذبیحہ جائز
ہے۔ لہذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی ہو
سکتا ہے۔

اس قول کی روشنی میں سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسوۂ خلفائے
راشدین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے پیش نظر سکھوں اور ہندوؤں کے

بارے میں فقہائے ملت اجتہاد کر کے کوئی مناسب حال فیصلہ کر سکتے ہیں :

عہد نبوی کے چند واقعات

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک رعایت اور مروت کا پرناؤ

گذشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ اگے چل کر ایک مستقل عنوان کے تحت ہم عہد نبوی اور خلفائے راشدین وغیرہ کے رد و ادا اور انہ برتاؤ کی تاریخ نسبتاً بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے لیکن قبل ازیں کہ وہ موقع آئے ہم اپنے موجودہ عنوان "حدیث" کی تکمیل اس وقت تک نہیں کر سکیں گے جب تک چند اہم لیکن مختصر واقعات پر سبیل تذکرہ نہ بیان کر دیں۔ ان واقعات سے اوپر پیش کی ہوئی حدیثوں کی عملی تالیق کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔ اور آسانی کے ساتھ یہ بات ذہن نشین ہو سکے گی کہ خود رسول اکرم کی حیات طیبہ سے ہمیں اس باب سے خاص ہیں ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جنگ کو دعوت نہ دو

ایک حدیث نبوی میں ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے:-

قال لا تمثوا لقاء العدو فاذا لقيتموه هربوا صبراً

یعنی

آپ نے فرمایا۔ دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو۔ لیکن جب سامنا ہو جائے تو صبر و ہمت سے کام لو، کرو۔

یہ جو دنیا میں آج کل جنگ چھیڑنے کے بہانے بڑھوٹاٹھے جاتے ہیں۔ اور اوبد کر ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں کہ جنگ ناگزیر ہو جائے۔ انہیں نہ اسلام جانتا رکھتا ہے نہ پسند کرتا ہے۔ وہ صاف اخلاقیات میں کہتا ہے۔ دشمن سے جنگ کرنے کی تمنا نہ کرو یعنی خواہ مخواہ مسلح شوری کے جوہر نہ دکھاؤ۔ البتہ اگر جنگ ناگزیر ہو جائے۔ دشمن خود جنگ کو تم پر مسلط کر دے تو میدان جنگ سے پٹھو نہ پھیرو ہمت اور استقامت سے کام لو اور جنگ کو اتنا دم تک پہنچا کر دم لو۔

اسلام کو جنگ جو مذہب کہا جاتا ہے۔ اسلام کے مجاہدوں کو بڑا نام کیب جاتا ہے۔ پیروان اسلام کے بارے میں یہ دعایت (پر و پیگنڈہ) کی جاتی ہے۔ کہ وہ حرب و پیکار کے شائق رہتے ہیں۔ لیکن جس کسی نظر سے یہ ارشاد رسول گذرا ہو۔ کیا وہ مسلمان رہ کر ایمان کا دعویٰ کر کے جنگ چھیڑتے کا ارادہ بغیر کسی معقول سبب کے کر سکتا ہے؟

آئیے اب اس روشنی میں عہد نبوی کا ایک نظارہ کریں!

خالد بن ولید کا "جرم"

حضرت خالد بن ولید صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کے کارناموں سے کون واقف نہیں۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خالد کے مجاہدانہ کارنامے بہت عزیز تھے آپ ص ۱۴۱ ان کے قبول اسلام کے واقعہ سے بہت مسرور ہوئے تھے۔ جن لوگوں کے لئے

چند لوگ مسلمانا کے بجائے غلط فہمی سے اصرار کھتے ہیں۔ حضرت خالد غلط فہمی سے کچھ کو تو قتل کر دیتے ہیں کچھ کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ انہیں معاف نہیں کرتے۔ خدا کو گواہ کیسے کہتے ہیں۔ یا اللہ میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔ مگر یہ ثابت ہو جائے تاکہ انہوں نے عمدتاً مارا ہے تب حضرت خالد بھی نہیں سزا دے سکتے تھے۔ لیکن غلط فہمی کے باوجود ان سے ایک سنگین جرم سرزد ہوا۔ اور اللہ کے رسول نے اس فعل سے اپنی برائے پچھائی۔

کیا وسعت قلب اور رواداری کا یہ شاندار کارنامہ نہیں؟
گناہ اور کفارہ گناہ

خالد بن ولید کا واقعہ آپ کے گوشگزار ہو چکا۔ اب انہیں خالد کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید کا ایک واقعہ سنئے:

غزوہ تاحع عبد الرحمن بن خالد بن ولید فاتی اربعۃ اعلا ج من العدا و
ثامر بہم ان تقتلوا صبرا فبلغ ذلك ابا ایوب الانصاری فقال سمعت رسول
اللہ ص لم یمن عن قتل الصبر فوالذی نفسی بیدہ لو کانت رجلاً ما صبرحت
نبیخ ذلك عبد الرحمن بن خالد بن الولید فاعتق اسبعۃ سراقاً

یعنی

ہم عبد الرحمن بن خالد بن ولید کے ساتھ ایک غزویہ میں گئے تو چار کافر دشمنوں میں سے پکڑ لائے گئے عبد الرحمن نے انہیں ہاندھ کر قتل کروا دیا۔ ابو ایوب انصاری کو خبر ملی تو انہوں نے کہا۔ اے حضرت ﷺ نے ہاندھ کر قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر مرغی بھی ہوتی تو بھی میں ہاندھ کر اسے ہلاک نہ کرتا۔ عبد الرحمن کو یہ معلوم ہوا تو چار غلام اس کے کفارہ میں آزاد کئے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام کوئی ایسی بات گوارا نہیں کرتا جس سے انسانیت کا وقار کم ہوتا ہو۔

اسلام کیسے پھیلا؟

لوگ کہتے ہیں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ یہ وہ لوگ کہتے ہیں جو اسلام سے اس کی تاریخ سے، اسلام کے رسول سے اور اس کی حیاتِ ظنیہ سے ناواقف محض ہیں۔ ورنہ اگر ان کی نظر اس حقیقت پر ہو تو وہ دیکھیں گے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار نے ذرا بھی مدد نہیں کی، وہ صرف اپنی خیموں اور رسول اکرم کے مکالمات کے باعث لوگوں کے دلوں تک پہنچا۔ اور انہوں نے اسے قبول کر لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:-

عن ابی ہریرۃ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجد فجوات برجل
عن نبی حقیقۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال سید اہل الیمانۃ فربطوہ بساریۃ
میں سواری المسجد فتخرج الیہ رسول اللہ ص فقال ماذا عندک فقال
عندی یا محمد خیر ان تقتل تقتل ذادم وان تنعم تنعم علی شاکر
وان کنت ترید المال فسل تعط منه ما شئت فتوکرہ حتی کان الغد
فقال ما عندک یا ثمامہ؟ فقال عندی ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر
وان تقتل تقتل ذادم وان کنت ترید المال فسل تعط منه ما شئت فتوکرہ
رسول اللہ ص حتی کان بعد الغد فقال لہ ما عندک یا ثمامہ؟ فقال عندی
ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر وان تقتل تقتل ذادم وان کنت
ترید المال فسل تعط منه ما شئت فقال رسول اللہ ص اطلقوا ثمامۃ
فانطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد
ان لا اله الا اللہ واشهد ان محمداً عبده ورسوله یا محمد اللہ ما کان
علی وجه الارض وجه البغض الی من وجهک فتد اصابم وجهک احب
الوجه کلہا الی وواللہ ما کان من دین البغض الی من دینک فاصابم

دینک احب الدین الی، وواللہ ماکان من بلد ابغض الی من بلدک
 فاصبر ببلدک احب ابلاد کلہا وان خیلک اخذتنی وانا اسیر
 العمرة فماذا تری؟ فبشرہ رسول اللہ وامرہ ان یحقر فلما قدم مکتہ
 قال لہ قائل اصبروت۔ فقال لا ولکنی اسلمت مع رسول اللہ ۴۳

یعنی

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شکر نجد کی
 طرف بھیجا۔ اہل شکر تک بنو حنیفہ کا ایک شخص جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ اور جو
 اہل پیامہ کا سردار تھا۔ پہنچا لشکر واول نے اسے مسجد کے ایک ستون سے بانہ لیا۔ پھر
 اسے لے کر رسول اللہ کے پاس آئے۔

آپ نے دریافت فرمایا تیرے پاس کیا ہے؟

وہ بولا

اسے محمد میرے پاس خیر ہے۔ اگر قتل کر دوں تو ایک خون کی قتل کر دوں گے یعنی
 جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام دے دوں تو انعام کر دوں گے ایک شکر گزار پر۔ اور
 اگر تمہیں مال چاہیے تو مانگو۔ جو کچھ بھی مانگو گے دیا جائے گا۔

آپ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے

یہاں تک کہ دوسرا دن ہوا

آپ نے پوچھا اسے ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟

اس نے کہا وہی جو ہیں کہہ چکا ہوں۔ اگر انعام کر دوں تو ایک شکر گزار پر انعام کر دوں گے

۴۳ صحیح مسلم صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث تقریباً انہی الفاظ اور اسی مفہوم کے ساتھ

موجود ہے لیکن ذرا اختصار کے ساتھ!

اگر قتل کر دگے تو ایک خون دالے کو قتل کر دگے۔ اور اگر تم مال چاہتے ہو تو مانگو جو مانگو گے وہ ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے پھر اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا اور چلے گئے یہاں تک کہ دوسرا دن نمودار ہوا رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا اسے تمام تیرے پاس کیا ہے؟

وہ بولا

میرے پاس وہی ہے جو کہہ چکا ہوں یعنی اگر انعام کرو تو ایک شکر گزار پر انعام کر دگے اور اگر قتل کرو تو ایک خون دالے کو قتل کر دگے۔ اور اگر تم مال چاہتے ہو تو مانگو جو مانگو گے وہ ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے رابل شکر سے کہا۔ انا مکرہ ریوہی بخیر کچھ معاوضہ لئے پاس ترا دیئے (چھوڑ دو)!

رہائی کے بعد تمام مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا یہاں پہنچ کر اس نے غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پھر اس نے دائیں حضرت سے کہا
اے محمد!

خدا کی قسم! اس زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ قابل نفرت نہ تھا۔ اور اب آپ کا چہرہ دنیا کے تمام چہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔
خدا کی قسم! آپ کے سینے سے زیادہ کوئی دین بھی میرے لئے قابل نفرت نہیں تھا

اور اب آپ کا دین دنیا کے تمام دینوں سے زیادہ میرے لئے محبوب ہے۔
خدا کی قسم آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر بھی میرے لئے نفرت انگیز نہیں تھا،
اور اب آپ کا شہر دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔
آپ کے لشکر نے مجھے اس حالت میں لایا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب آپ کا
کیا حکم ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی شہزادی اور اجازت دی کہ وہ عمرہ کر لے۔
پھر جب وہ مکہ میں اپنے کافر و مشرک ساتھیوں کے پاس آئی تو ساتھی نے کہا
کیا تو مسیبا ہو گیا؟ ————— یعنی کیا تو بے دین ہو گیا؟
اس نے جواب دیا

نہیں ————— بلکہ میں رسول اللہ پر ایمان لے آیا، مسلمان ہو گیا
یہ تھی اسلام کی وہ تلوار جس نے صرف ایک نماز میں اصلاح ہی کو نہیں
اور بھی نہ جانے کتنوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ ————— جن میں سے
بعض کا ذکر آئندہ چل کر اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔
عجیب اسلام

پاس عہد ————— غیر مسلموں کے ساتھ ————— جتنا تکھرا ہوا اسلام
میں ملتا ہے کہیں نہیں مل سکتا۔ اس جگہ ایک مختصر سے واقعہ کا ذکر مفصلاً ہے۔
یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ایک ضمیمہ ہے۔ واقعہ خود صاحب واقعہ بیان کرتا ہے
ابو رافع بیان کرتے ہیں

وعن ابی رافع قال بعثنی قریش الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیما رأیت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قلبی الاسلام نقلت یا رسول اللہ انی واللہ لا ارجع
الیہم ایداً فقال انی لا ارجع بالعیہد

إِذْ جِئْتُمْ: تَنَاوَلْتُمْ نَفْسَكُمْ الَّتِي فِي نَفْسِكُمْ الْآنَ تَارِجِعُ قَالَ غَدَّ هَيْبَتِ

ثُمَّ اتَّيَمَّتِ النَّبِيَّ رَمًا، فَاسْتَلَمَتْهُ

یعنی

ڈبلدراش کہتے ہیں۔ تڑپش نے مجھے رسول اللہ کے پاس پیامبر بنا کر بھیجا۔ جب میں نے رسول اللہ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا میں نے کہا یا رسول اللہ! اب، اسلام قبول کرنے کے بعد میں خدا کی قسم ان رکازوں کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا

میں بھی نہیں توڑ سکتا، تم واپس جاؤ، اگر دوہاں جا کر بھی تمہارے دل میں وہی ہے جو اب ہے تو واپس آ جاؤ۔
اڈراش کہتے ہیں۔

میں واپس گیا، پھر بعد میں دوہاں جا کر واپس آیا اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔
یہ واقعہ کہنے متعدد اور متعدد پہلوؤں کا حامل ہے۔ یہ واقعہ
عرف اسی دین میں پیش آسکتا تھا، سچا ہو، پاس عہد کی یہ مثال عرف وہی نبی پیش کر سکتا
تھا جو تحقیقی معنی میں مسیحی الایلیاء ہو۔
وہ عہد کیا تھا؟

اب یہ بھی معلوم کر لیجئے کہ وہ عہد کیا تھا؟ جس کی پابندی پر آنحضرت کو اس درجہ
اصرار تھا؟

حضرت پر ابن عباس کی حدیث ہے

عن البراء بن عازب قال صالح النبي المشركين يوم الاعداء يديته على
ثنية اشياء على ان من اتاه من المشركين سادة اليهم ومن اتاهم من

سنة الوداد

المسلمین لمدیردودہ و علی ان یدخلہا من قابل و یقیم بہا شاشۃ ایتام و لا
 یندخلہا الا بعبان السلاح و السیف و القوس و الخوہ فرادۃ الیہم لہ

یعنی

برابرین عاذب کہتے ہیں رسول اللہ نے مشرکین سے حدیبیہ کے موقع پر جو صلح کی
 تھی۔ وہ تین امور پر مبنی تھی۔

۱۔ یہ کہ مشرکین میں سے جو شخص آنحضرت کے پاس آئے آپ اسے مشرکین کے پاس
 واپس کر دیں گے۔

۲۔ مشرکین کے پاس جو مسلمان آئے اسے وہ واپس نہیں لیں گے۔

۳۔ نیز یہ کہ آپ اس سال بخیر حج کئے، واپس چلے جائیں اور سال اگلا مکہ میں داخل
 ہوں اور صرف تین دن ٹھہریں اور مکہ میں اس حالت میں داخل ہوں کہ سلاح جنگ
 میان میں ہوں۔

یہ تھی وہ صلح جس کی پابندی پر آپ کو اس وجہ اصرار تھا

ابو جندل کا واقعہ

عین اس صلح کے وقت ایک صحابی حضرت ابو جندل مشرکین مکہ کے قبضہ سے نکل
 بیٹا گئے۔ اور بیڑوں میں جکڑے ہوئے آپ کے پاس آ کر نیا گزین ہونا چاہا۔
 آپ صلح کر چکے تھے امداب ال کی پابندی ضروری تھی چنانچہ

فرادۃ الیہم لہ ————— یعنی آپ نے ابو جندل کو مشرکین کے حوالے

کر دیا۔ اور ابو جندل سے مخاطب ہو کر فرمایا

اصبر و احتسب فاننا لانخذ سراجہ یعنی

اسے ابو جندل صبر کرو ہم پر ٹہری نہیں کر سکتے

لہ صحیح بخاری نیز صحیح مسلم ۱ فتح الباری

چٹناور مثالیں

رسول اکرم صلعم کی پیرویوں اور عیسائیوں کے ساتھ رواداری

مشرکین سے بھی زیادہ جو لوگ داعی اسلام اور دعوت اسلام کے اہل عدو اور بدترین مخالف تھے، وہ تھے یہود اور نصاریٰ۔ کیونکہ ان دونوں نے مشرکین پر اپنی مالی، مادی، بددیہی بالادستی جو قائم کر رکھی تھی، وہ اسلام کے فروغ کے بعد باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ لوگ دانا دیتا تھے اور جانتے تھے کہ اسلام کا عروج ان کے زوال کا پیش خیمہ ہو گا۔ اور بعد ازاں انہیں دنیا سے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ اندیشہ غلط اور بے بنیاد نہیں تھا۔ اسلام کا عروج جب چمکا، تو عیسائیت اور یہودیت کی روشنی مانتے پڑ گئی۔ یہ دنیا کا سب سے پہلا خواہی مذہب تھا۔ جس میں کسی قسم کی پاپائیت نہیں تھی۔ کوئی مذہبی عقیدہ نہیں تھا۔ کہ کوئی برہمن تھا، نہ مذہبی مراسم کا اہتمام دینے والا ٹھیکہ دار۔ جس کے معمولات سر نہیں ادا کر سکتا تھا۔ جس نے خدا اور بندے کے درمیان ہر واسطہ کو ختم کر دیا تھا۔ جو عیب اور مجبور کے درمیان تمہارا رشتہ اتصال تھا۔

اس کا اندیشہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام اور داعی اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ سنگری، سنگری، شرارت، سازش، فریب، غیب، سنگری، کوئی حربہ ایسا نہیں تھا جس سے انھیں ہار کر نہ لے سکتے تھے۔ تاہل کیا ہو۔

مسلمان جب تک نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ انتقام لے سکتے تھے نہ مقابلہ کر سکتے تھے۔ دفاع اور عزت تک ان کے بس کی چیز نہیں تھی لیکن جب خدا نے انہیں سرورِ مہمان مہمت فرمایا۔ طاقت ہی نفوت اور شوکت عطا فرمائی۔ پناہ و جلال کا مالک کیا۔ حکومت اور سلطانی کی نعمت دی۔ تو وقت تھا کہ ایک ایک چیز کا گن گن کر بدلہ لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے کہ ان کے نبی اور رسول نے انہیں منع فرمایا تھا کہ یہ کافر اور مشرک ہے ہونے لگے۔ ڈر ہے۔ کہ اب ان کی دراندازیوں کا بدلہ لیا جائے گا۔ لیکن نبی اکرم نے انہیں بتا دیا کہ انتقام ادا کیا تم آؤ اور کسی پچھلے عزم کی پانہ میں نہیں آئی کسی پچھلی خطا پر سزا نہیں دی۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے مکانات وغیرہ پر چونا جائز قرار دیا تھا۔ یہ بھی یہ قرار دیا۔ اور ان سے کہہ دیا گیا کہ اگر یہ سب کچھ تم نے اس لئے چھوڑنا تھا کہ تماری خوشنودی حاصل کرو۔ تو اب ان چیزوں کی واپسی کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ اور مسلمانوں سے ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی سراطاعت جم کر دیا۔ یہ تاریخ کا آسان عام واقعہ ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص اس سے واقف ہے۔

نتیجہ

یہ یہودی تھے جنہیں نہ صہبت یہ کہہ سکتے تھے کہ داعی اسلام نے انہیں نہیں تھی بلکہ یہ اس دعوت کے سموت مخالف تھے لیکن انہوں نے مہمان کے ساتھ بھی نہایت ہی روا دالانہ برتاؤ تھا۔ بدینہ جانتے کے بعد انہیں یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا جس میں ایک غیر مسلم مورخ کے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔

یہودیوں کی مدد اور اعانت کی جائے گی۔ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کے خلاف کسی دشمن کو مدد دی جائے گی۔ یہودی اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ اور مسلمان اپنے مذہب پر۔ اور اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا۔ تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ملے

عہد نامہ نجسبران

اسی طرح سلسلہ میں آنحضرت ص نے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا۔ وہ بھی یہی تھا۔ اور وہی حسن سلوک اور وسعت قلب کی ناقابل فراموش نادر خصلت ہے۔

پیغمبر نے بشارتیں پائی ہیں اور یہودیوں کو یہ خبر یہ دی کہ ان کے گرجاؤں، عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز جیسی تھی۔ ویسی ہی بدتر اور ہے۔ خدا اور ان کے رسول سے یہ ٹھہر گیا۔ کہ نہ کوئی بشارت اپنے عہد سے اور نہ کوئی نصیب اپنی خانقاہ سے اور نہ کوئی پادری اپنے منصب سے خارج کیا جائے۔ اور نہ ان کے اختیارات، حقوق اور معمول ہیں کسی قسم کا تغیر ہونے پائے اور جب تک وہ امن اور صلح اور سچائی کے ساتھ ہیں۔ نہ ان پر جبر و تعدی کی جائے اور نہ وہ کسی پر جبر یا زیادتی کریں ملے

سلسلہ کا ایک معاہدہ

سلسلہ میں آنحضرت ص نے جو معاہدہ عیسائیوں سے فرمایا تھا۔ وہ لفظ و معنی ہر اعتبار سے جو بیت، عبادت گاہ، مساجد، انت، کا اتنا بڑا چارٹر ہے جس کی تفسیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔

سنہ ہجری کے چوتھے سال (۶۲۲ء) پیغمبر اسلام نے مدینہ طیبہ میں منقول

ملہ لائق آف محمد مصنفہ نیور دا عظیم اکلام، ملہ لائق آف محمد مصنفہ بیور

کوہ سینکے ماہیوں اور تمام عیسائیوں کو پوری آزادی اور وسیع حقوق عطا کئے۔ اور ساتھ ہی
اس کے اس بار کا بھی اظہار کر دیا کہ اگر

”کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ خدا کے
عہد کو ٹوٹنے والا“ اس کے احکام کے خلاف کرنے والا اپنے دین کا بوسل
کرنے والا خیال کیا جائے گا۔ اس حکم کی رو سے خود تعمیران سکے ذمہ دار
ہوئے۔ اسی بنا پر اپنے پیروں کو تائید کی کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں، رہبروں کے
مکانوں اور زیارت گاہوں کو ان کے دشمن سے بچائیں۔ اور تمام مضر اور
تکلیف رسان چیزوں سے پورے طور پر پزیران کی حفاظت کریں۔ نہ ان پر سبے جا
ٹیکس لگایا جائے۔ نہ کوئی اپنی حدود سے خارج کیا جائے۔ نہ کوئی عیسائی اپنا
ذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ نہ کوئی رہبر اپنی عمارتوں سے نکالا جائے
اور نہ کوئی زائر اپنی زیارت سے روکا جائے۔ اور نہ مسلمانوں کے مکان اور
مسجد بنانے کی مداخلت سے عیسائیوں کے گرجا مہار کئے جائیں۔ اور خلاف
اس کے، عیسائیوں سے اس امر کی توقع نہیں رکھی جاتی کہ وہ مسلمانوں کے
ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے مقابلہ کریں۔ اس لئے کہ خراج گزار مل کو جنگ
وجہ سے کوئی تعلق نہیں مسلمانوں کی عیسائی بیویاں اپنے ذہب پر قائم
رہیں۔ اور اس بنا پر ان کو کسی قسم کی تکلیف، مایہ ناپ نہیں دی جاتی تھی۔ تعمیر
اصلاحات اس مشہور معاہدہ میں یہ بھی لکھا کہ اگر عیسائیوں کو گرجاؤں،
صدیقوں کی تعمیر میں یا اپنے کسی مذہبی امر میں مدد کی ضرورت ہو تو مسلمانوں
کو ہر طرح ان کی اعانت کرنا چاہیے۔ تم یہ خیال نہ کرو کہ اس سے ان کے مذہب
میں شکر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ صرف ان کے احتیاج کو رفع کرنے ہے۔ اور یہ بول
خدا کے ان احکام کی پیروی کرنا ہے۔ جو خدا کے حکم سے ان کے حق میں تحریر

کئے گئے ہیں۔ جنگ کے وقت یا اس زمانہ میں جبکہ مسلمان اپنے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہوں کسی عیسائی سے اس لئے نفرت یا عداوت نہیں رکھنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں میں رہتا ہے۔ جو کوئی مسلمان کسی عیسائی سے ایسا سلوک کرے گا تو وہ نامتصف اور رسول کا ناقرا بنے گا اور کشتِ خیال کیا جائے گا۔

یہ ستر اظہار اس سند کے جو پیغمبرِ اسلام نے عیسائیوں کو عطا کی تھی۔ یہ ایک نہایت بقیع اور عظیم الشان پروانہ آزادی اور دنیا کی تاریخ میں اعلیٰ درجہ کی مساوات حقوق کی ایک شرفیادہ اور قابلِ وقعت یادگار ہے۔

ماضی اور حال کی تاریخ ہمیں اور بھی بہت سے فاتحوں اور کشتور کشتاؤں کے نام بتاتی ہے۔ یہ یہ بھی بتاتی ہے کہ ان فاتحوں کا برتاؤ اپنے محکموں کے ساتھ کیا تھا؟ حاکم رعایا کو کس طرح کی آزادی دیتے تھے؟ ان باتوں کا اگر اسلام کی سواداری اور مسابقت سے پوچھا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو گا!

دشمن کی گواہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ال بڑاؤ کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے قلوب میں بغیر مسلم کے ساتھ سواداری راسخ ہو گئی۔

ان سلسلہ میں ذیل کی شہادت جو مسلمانوں کے عہد زوال سے تعلق رکھتی ہے۔ قابلِ طویر پر اہم اور توجہ طلب ہے اس سے معلوم ہو گا کہ عہد انحطاط میں بھی مسلمانوں کا بڑاؤ غیر مسلموں کے ساتھ کیا مشفقانہ اور رحمدلانہ تھا۔

مسٹر لین کلیر اور مسٹر برونی لکھتے ہیں کہ

رومیوں کا ایک شخص محمدؐ ناما سن ادا جبک کے قبضے میں اس

۱۰ جنگ و دوس و دوم و کامل معتقد یا معتدونی بعد اول صفحہ ۷۶ تا ۷۷ (اعظم الکلام)

قد زہین ہے۔ ہمیں ہیں بونے کے لئے تین سو کیل غلے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے پاس دو جوڑیاں بھینسوں کی بھی ہیں۔ اس کو علاوہ عشر اور ٹیکسوں کے تین سو ٹری کی پیاسٹر الا کیہ پر اپنی ٹیکس کے ادا کرنے پڑتے ہیں۔

ایک دو صدی شخص پیر مسلم امام زادہ ایک دیر کے قریب دو جوڑا کا سہنے والا بوجہ کھیتوں کا مالک ہے اور جن کے بونے کے لئے پانچ سو کیل غلے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جوڑا جوڑیاں بھینسوں کی رکھتا ہے اس کو بھی سالانہ تین سو پیاسٹر ادا کرنا پڑتے ہیں۔

اس طرح پورے علاقے میں کی ابتدا ہی بہت سے فوائد کے ساتھ ہوئی لیکن محمد آغا کے چھ بیٹے ہیں جن میں سے پانچ فوجی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور سب سے بڑا اہل یاد کس نہر پر پیاسٹر ادا کر کے مستثنیٰ ہوا ہے۔ اس کا وہ مجبور ہے کہ بجائے بیٹوں کے سزورہ رول سے اجرت پر کام لے جن کو تین نہر پر پیاسٹر تقریباً اسی ٹیکس پونڈ (سالانہ) تیار پڑتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں آماستار کے چاروں بیٹے کام کرتے ہیں۔ یا اگر پیر کے بیٹے تیرہ خالوں میں سے کسی جگہ شراب پئے پڑے رہتے ہیں۔ اللہ ہر ایک کا روبرو کی آزادی کے لئے چھپیں پیاسٹر سالانہ ادا کر دیتے ہیں۔

اگر ہم اس مسئلے استثنائے پیر مسلم کو حسابی اصول سے جانچ پڑتال کریں۔ تو مناسب باہمی حیرت انگیز ہو گا۔

اگر اس موقع پر ہمیں برس کی عمر کے بعد اور بیس سال اور سزورہ کی قرض کریں اور زندگی کا لہجہ ہمیں برس کا حصہ بیس سے چالیس تک ایک تالیف توال اور قوت و تحمل کا زمانہ ہوتا ہے۔ ہمیں میں انسان ہر طرح کی متواتر اور

پانچ ماہ مشقت و محنت برداشت کر سکتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک
 ترک کو مجبوراً بیس سال کی عمر سے فوج میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اور غیر مسلم کو
 بیس برس کی عمر سے پچیس پیا سٹریل عسکری ادا کرنا شروع کرنا ہے۔ اس طرح
 مسلمان اپنی جوانی کے دس سال یا اپنی نہایت مفید زندگی کا نصف حصہ اپنے
 ملک کی تذر کر رہا ہے۔ اور حالانکہ ایک غیر مسلم نہایت چھوٹی چھوٹی قسطوں میں
 پانچ سو پیا سٹرا داکر کے ان بیس سال کے لئے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔
 اس مسئلہ پر نظر ڈالنے کا ایک اور طریق بھی ہے۔ چونکہ جوان سال ^{نصف}
 زمانہ گورنمنٹ لیتے ہیں۔ اس لئے ایک سال میں سے نو ماہ کے قبضہ قدرت
 میں صرف ایک سو پیا سٹریل دن نصف سال رہ جاتے ہیں۔ اور حالانکہ
 بلگیرین صرف چار ملنگ چھ پچیس ادا کر کے سال کے پورے تین سو پیا سٹریل دن
 کا مالک ہے۔ لہذا اسی اصول متناسب سے ایک عیسائی کی پیداوار بھی
 ایک ترک سے زیادہ ہونا چاہیے۔ لیکن صورت واقعہ اس کے خلاف ہے۔
 اگر دونوں کے پیداوئلہ وغیرہ میں کچھ فرق نظر آتا ہے۔ تو اضافے کا پہلو
 مسلمان کی جانب ہے۔ اس عجیب و غریب نتیجہ کی وجہ ایک نو بلگیرین کی جہلی
 سستی دکا ہلی ہے۔ اور دوسری وجہ مذہبی امور کی یونانی نہرست کی تہ
 مستتر ہے۔ کیونکہ بلگیرین اس نصف سال سے جوان کو گورنمنٹ عثمانیہ کی بدولت
 ملے جاتا ہے۔ یہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ کہ وہ ان ایک سو تیرہ ہی دنوں کو گریگ چرچ
 کے تہوادل میں ضائع کر دیتے ہیں۔ گویا ایک ترک جس زمانے میں کوچ کرنا
 اور لڑنا ہے۔ تو اس وقت ایک غیر مسلم چتا اور شرابیں پیتا ہے۔ اور کم و بیش خود
 اس کی فوجی خدمت کا استغناء اس کو ہے۔ اہتمامت خواری اور مطلق العنان
 سے لاشی پر زعمیہ و تخریب دلاتا ہے

اس مسئلہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے جس کا اثر زیادہ تریڈ پ پر پڑتا ہے۔
اور وہ ٹرکی کی مالی حالت ہے۔

سلطان کی مسلمان رعایا اپنی خیالی آمدنی پر بطور ذاتی ٹیکس کے
تیس پیا سٹر اوسط کے حساب سے خراج ادا کرتی ہے۔ اور علاوہ اس کے وہ
اپنی محنت کے ایک سو بیاسی دن بھی گورنمنٹ کی نذر کرتی ہے جس کی قیمت
خود گورنمنٹ نے پانچ سو پیا سٹر قرار دی ہے۔ اس تمام رقم کا مجموعہ پانچ سو
تیس پیا سٹر ہوتا ہے۔ ہم نے اس میں ٹیکسوں کا شمار نہیں کیا جو پیداوار اور
مال منقولہ پر عاید کئے جاتے ہیں۔

غیر مسلم رعایا ایک تو وہی تیس پیا سٹر ادا کرتی ہے۔ اور باقی خدمت
سے مستثنیٰ ہونے کے لئے پچیس پیا سٹر۔ اس طرح پر گویا ایک مسلمان اپنا
ذاتی ٹیکس ۵۳ اور ۵۵ کے تناسب سے ادا کرتا ہے۔ یعنی تقریباً
غیر مسلم سے دس گنا زیادہ۔ جس کی نسبت انصافاً یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ
ایک غیر مسلم اس حساب سے چار سو پچھتر پیا سٹر کا شاہی خزانہ کا مفروض
ہے۔ اور یہ ایک ایسا اضافہ ہے کہ ٹرکی خزانے کے حق میں نہایت مفید ہو
اب اگر غیر مسلم نوجوان ایک کروڑ میں لاکھ کی کل آبادی کا پانچواں حصہ
فرض کئے جائیں تو اس حساب سے یہ ایک ارب اٹھارہ کروڑ پچھتر ہزار
پیا سٹر کی عظیم الشان رقم ہو جاتی ہے۔ جو تقریباً دس ملین اسٹرائنگ پونڈ
ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس رقم کا وصول کرنا عین انصاف ہوگا۔
کیونکہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ جبکہ سلطنت عثمانیہ اپنی تمام
مسلمان رعایا پر اس قدر ٹیکس لگاتی ہے۔ تو وہ عیسائیوں سے
اسی قدر رقم لینے کا حق رکھتی ہے۔

جب ہر زمانہ باپردہ ترکوں کے ساتھ پوری اوقات میں کی جاتی تھیں۔ اور غیر مسلموں کو کوئی مالی اور ملکی حقوق حاصل نہ تھے۔ تو اس وقت یہ جبر پر خدمت بے شک تکلیف دہ ہوتی لیکن اب جبکہ ترک اور غیر مسلم رعایا ہر لحاظ سے سوائے ذہنی خدمت کے ایک حالت میں رکھے گئے ہیں (حالانکہ یہی استثناء عثمانی نسل کے نیست و نابود ہو جانے کا خوف دلا رہا ہے) اور جبکہ غیر مسلم اعلیٰ سے اعلیٰ رتبے اور کثیر المنفعت عہد سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جبکہ تمام سرکاری مدارج اور کالج ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں تو ایسی صورت میں کسی قسم کا کوئی ممکن یا معقول خدوش نہیں کیا جاسکتا کہ غیر مسلم تو محنت کے ٹکس سے مستثنیٰ کر دیئے جائیں۔ حالانکہ مسلمان اپنے خون کا ٹکس ادا کرتے ہیں۔ ہم سے ایک بڑے ترک نے کیا اچھی بات کہی کہ جب کفار پانٹا بنائے جلتے ہیں تو سپاہی کیوں نہیں بنائے جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ پاگل اور بزدل ہے۔

یہ نئے قانونہ اندازہ سے ہے۔ خاص خاص مثالیں اور مذکورہ واقعات کی ضروری تفصیل ہم آئندہ صفحات میں جب معمول اکورم کی جہات بلیت سے بحث کریں گے حسب موقع پیش کریں گے۔

سعودی ایٹرنل کونسلر ان بلگیر یا سینٹ کلیرونی بیرونی صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۲

۱۰۰

فقہ اسلامی

(۱)

من کانت له ذمتنا فدمه کد منا و دیتہ کدیتنا (عظیم المرتضیٰ)
 جو غیر مسلم ہمارے ذمہ میں آجائے اس ذمی کا خون ہمارا خون ہے اس کی دیت ہماری
 دیت ہے۔

(۲)

حضرت عبید اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ان لوگوں میں سے ایک نے قتل کر دیا کہ وہ
 قتل عمر رضی اللہ عنہم میں شریک تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اس پر پتھے تو انہوں نے کہا جری
 د انصار سے رائے لی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قوی دیا گردن اڑا دی جائے۔ ہمارے
 نے بالائتفاق کہا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو قتل کر دینا چاہیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے
 اپنے پاس سے خون بہا اور کر کے معاملہ رفع دفع کر دیا۔

امام رازی نے اپنی کتاب مناقب اثناعشریہ میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خون اور ایک ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانے کے مستحق تھے۔ ————— ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا، مقبول اور مردود کا ایک رتبہ ہے بے شبہ یہ اسلام کی بڑی بیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے۔ اگر امام رازی وجہ کو عار آتی ہے تو آئے!

(سیرت النعمان - شبلی)

قوم مفتوح پر مسلمانوں کی طرف سے اچھے طریقے لگائی گئی تھیں۔ وہ
 ایسی تھیں کہ لوگ فاتحین کے مقابلہ میں بجائے ظلم کے اطمینان پاتے تھے۔
 اور جب وہ اپنی اس حالت کا مقابلہ اپنی گزشتہ حالت سے کرتے تھے جس میں
 انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ تو وہ اس تبدیلی کو اپنی خوش قسمتی خیال
 کرتے تھے۔ مذہبی امور میں انہیں پوری آزادی تھی۔ ان کے گرجے تمام
 مداخلت اور نقصان سے بری تھے۔ ان کے جان و مال مامون و محفوظ تھے یہ تھا
 یہ صلہ جو انہیں غیروں کی اطاعت میں ملا۔ اور اس کے معاوضے میں وہ صرف
 ہلکا ٹیکس (جزیہ) ادا کرتے تھے لیکن علاوہ اس کے انہیں اور فوائد بھی
 حاصل تھے۔ مثلاً عرب اپنے وعدے کے پکے اور قیل کے پارسے
 تھے۔ وہ ہر قوم و ملت کے شخص سے جیسا انصاف کا برتاؤ کرتے تھے
 جس سے لوگوں کو عموماً اہل عرب پر بڑا بھروسہ ہو گیا تھا۔

تاریخ اسپین (عہد اسلام) اسٹاکٹولڈ

معروضات

گذشتہ ادراق میں ہم بسطہ تفصیل کے ساتھ یہ بتا چکے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ قرآن و حدیث میں کس قسم کے روادارانہ برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔

اب ہم فقہ کو لیتے ہیں اور اس عنوان کے تحت بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ فقہ اسلامی نے ذمیوں اور مفتوح غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کے جو اصول اور قواعد قرآن و حدیث کی روشنی میں وضع کئے ہیں۔ یہ اپنی روادارانہ روح کے اعتبار سے دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ملیں گے۔

فقہ اسلامی میں زیادہ تر ہم فقہ حنفی کو پیش نظر رکھیں گے۔ اس لئے کہ مسلمانان عالم کی اکثریت اسی فقہ پر عمل کرتی ہے۔ خاص طور پر جو کہ مسلمانین اسلام کی بہت بڑی تعداد اسی فقہ پر عامل رہی۔ اور اس فقہ کے بنائے ہوئے قاعدے ضابطے اور اصول عقول میں معمول بہرہ ہے۔ قاضی اور مشرف انہی ضابطوں کی بنا پر فیصلے کرتے تھے۔ اور وہ نافذ ہوتے تھے۔ یہ بات دوسرے فقہ کے اصول اور ضابطوں کو حاصل نہیں تھی۔ اس لئے فقہ حنفی کے

امثال دشواہد گویا اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ مسلم لوگ مسلمانوں کے عہد حکومت و فرماں برداری میں غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا رہا؟ انہیں کیا کیا مراعات حاصل ہوئے؟ انہوں نے کس طرح زندگی بسر کی؟ ان میں اور عام مسلمانوں میں حکومت کے نقطہ نظر سے کچھ فرق نمایا نہیں تھا؟ یہ اور اس طرح کے مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں وہ سب ہمارے اس عنوان کے تحت آجائیں گے۔

یہ صحیح ہے کہ فقہ حنفی میں ذمیوں کے متعلق کچھ سخت احکام بھی ملتے ہیں لیکن یہ بات بالاتفاق تسلیم شدہ ہے کہ

۱۔ یہ متاثرین فقہ کی آج ہے جس کا امام ابو حنیفہ کے اجتہاد و استنباط سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ دوسرے یہ چند احکام صرف کاغذی ہیں۔ عملی حیثیت انہیں کبھی اور کسی دور میں حاصل نہیں ہوئی۔ چنانچہ خود غیر مسلم مورخین نے بھی اس کا اعتراف کرنے پر اپنے تئیں مجبور پایا۔

اب ذمیوں اور غیر مسلموں سے متعلق فقہ حنفی کے مختلف اہم مسئلے زیر بحث آتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ اصل موضوع پر گفتگو شروع ہو میں اپنے ماخذ کا ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔ یوں تو ہدایہ، شرح وقایہ اور دوسری کتب فقہ بھی میرے پیش نظر رہی ہیں۔ لیکن زیادہ مدد میں نے فتاویٰ عالمگیری پر رکھا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک مفتی پر اور اور معمول بہ کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کتاب میں استدلال و استناد کے موقعہ پر جن اصل ماخذوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ مسائل کے ساتھ ساتھ موجود ملیں گے۔

جہاد کی شرط اباحت

جہاد و اسلام کا بہت ہی مہتمم بالشان مسئلہ ہے۔ جہاد کی تاکید تائید، ترغیب اور تخریب و تشویق سے متعلق قرآن کی جو آیتیں درآد ہوئی ہیں، اور حدیث نبوی میں جو

کچھ فرمایا گیا ہے۔ وہ صفحات مابقی میں گزر چکا ہے۔
اب ہمیں دیکھنا ہے کہ جہاد کی شرط اباحت کیا ہے؟ فقہ حنفی نے اس سلسلہ میں کیا
فیصلہ کیا ہے؟ کب اور کن حالات میں اسے جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہ کا صاف فیصلہ
یہ ہے۔

”اگر یمن کو مسلمانوں کی طرف سے ایمان نہ دی گئی ہو۔ اور نہ اس کے اندر
مسلمانوں کے درمیان امن ہو تو جہاد جائز ہے ورنہ نہیں۔“
گویا ایمان اور معاہدہ امن اگر ہے تو کفار سے جو جنگ ہوگی اسے ”جہاد“ نہیں
کہا جاسکتا۔

غیر مسلم والدین کی مسلمان اولاد
اسلام اور ایمان کی شرط اولین یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے۔ مومن اور مسلم
ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ دنیا کی کسی چیز کو بھی اسلام پر ترجیح نہ دے۔ ہر خواہش، ہر تمنا، ہر
آرزو اس راستہ میں قربان کر دے۔ اور اگر ضرورت پیش آئے۔ تو اپنی سب سے قیمتی اور
آخری پونجی ————— زندگی ————— تک خدا کی راہ میں نثار کر دے۔
ہاں وہ اپنی جان نثار کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے کافر والدین کا دل دکھا کر نہیں۔ ان کے
جذبات مجروح کر کے نہیں۔ یہ بڑا اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ ع

ایمان مجھے کھینچے ہے اور وہ ہے مجھے کفر
ایک طرف اسلام کی محبت، اسلام کے عشق، اسلام کے ناموس اور حرمت پر کٹ مرنے، جان
سنے دینے، نثار ہو جانے کا جنون۔ دوسری طرف خود اسلام کی عائد کی ہوئی یہ قدغن کہ جہاد
کے دائرہ میں قائم نہیں اٹھا سکتے۔ اگر تمہارے کافر والدین کو تمہاری جہادنی شاق ہے یا نہیں
تمہاری جان کا خطرہ ہے۔

فقہ، قرآن و حدیث کی طرح مجمل نہیں ہوتی۔ وہ کتاب و سنت کے اجمال سے اپنی تفصیل تیار کرتی ہے۔ فقہی مجتہدات کی اہل ذمہ اس قرآن اور حدیث کے سوا کچھ نہیں۔ انہی بنیادوں پر وہ اپنی عمارت تعمیر کرتی ہے۔ چنانچہ فقہ نے اس اہم اور محرکہ آراء مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو نگاہ میں رکھا ہے۔ ہر پہلو سے بحث کی ہے۔ اور تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ایک ضابطہ مرتب کیا ہے۔

اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی معتبر متداول اور مستند کتابوں میں وضاحت اور تشریح کے ساتھ صورت مسئلہ کا جو پہلو بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے:-

۱۔ اگر والدین کافر ہوں یا دلوں میں سے ایک کافر ہو اور دونوں نے اس کے جہاد پر جانے کو کہہ دیا پسند رکھا یا کافر نے مکروہ رکھا تو اس پر مسلمان بولا پر لازم ہے کہ اپنے قلب سے تخریج رفقوی کرے۔

اپس اگر اس کی تخریج میں یہ بات آئے کہ انہوں نے میرا نکلتا اس وجہ سے

مکروہ رکھا ہے کہ میرے قتل ہو جانے کے خوف سے ان کے دل پر گھبراہٹ اور

صدمہ ہے تو نہ نکلے۔

۲۔ اگر اس کی تخریج میں یہ بات آئے کہ انہوں نے میرا جہاد میں جانا اس وجہ سے

مکروہ رکھا کہ ہمارے دین و ملت اور اہل کفر و اہل سے قتال کرے گا۔ تو اس کو اختیار ہوگا

کہ بدون ان کی رضامندی کے چلا جائے۔

۳۔ لیکن اگر ان (کافر والدین) کے ضائع ہو جانے سے (صدمہ سے ہلاک ہو جانے)

کا خوف ہو تو اس صورت میں بھی جہاد پر نہ نکلے۔

۴۔ اور اگر اس نے تخری کی اور اس کی تخری ان میں سے کسی بات پر واقع ہو

ہوئی۔ بلکہ اس کو شک رہا اور کوئی جانب گمان دوسرے پر مرجح نہ ہوئی۔ تو مشلح نے

فرمایا ہے کہ اسے جہاد پر نہ نکلتا چاہیے!

کیا کسی مذہب نے کسی قوم و ملت نے کسی زمین بلکہ کسی غیر مذہب والے والدین یا اصطلاح میں "شمن" کے لئے یہ مراعات ملحوظ رکھے ہیں؟ جہاد اسلام کا افضل ترین فریضہ ہے۔ جہاد کرتے ہوئے جو لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو تے ہیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ وہ مرتے نہیں۔ زندہ رہتے ہیں۔ جہاد سے جو لوگ جی پرتے ہیں۔ ان کی اسلام کی نظر میں کوئی ذلت نہیں رہ جاتی۔ ایک صحابی کو جو محض اپنی کسندی کے باعث جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اسی اسلام نے معاف فرمائی مفاصلہ کی سزا دی تھی۔ لیکن وہی اصطلاح غیر مذہب والے والدین کے جذبات کا اتنا پاس و لحاظ رکھتا ہے۔ کہ مسلم اولاد کو اجازت نہیں دیتا۔ کہ وہ ان کا دل دکھا کر یہ سب سے بڑی سعادت حاصل کر سکے۔ تورا سنا بھی اگر کافر والدین کو قلبی حدیث پہنچنے کا نکلتا ہے تو اسلام اسے ردا کہتا ہے کہ جہاد نہ کیا جائے۔ مگر اسے گوارا نہیں کرتا۔ کہ کافر والدین کو روتا چھوڑ کر جہاد کا راستہ اختیار کیا جائے:

"اماں! جہاد کی حالت میں

جنگ شروع ہو جانے کے بعد جب تلوار میدان سے نکلتی ہے تو پھر وہ کسی کی رعایت نہیں کرتی۔ کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ کسی سے مرمت نہیں کرتی جو سامنے آیا اگر زور آور ہے تو قاتل بنا کر رو رہے تو قتل ہوا۔ دوست، دشمن، عزیز، قریب، رشتہ دار، ساتھی یہ سارے الفاظ جنگ کے باہر کلام دیتے ہیں۔ جنگ کے میدان میں ہر جہاد طرف دشمن ہی دشمن منظر آتے ہیں۔ اعتبار کی ریشل امن اور سکون کی حالت میں اختیار کی جاتی ہے۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد اگر ذہن احتیاط برقرار رکھی جائے۔ تو خود اپنی جان کا زیاں ہے۔ جنگ صرف ایک ہی بات

ہیں، ان کا قتل جائز ہے۔ اور جب وہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئے، گرفتار ہو گئے، تو پھر ان کا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے کئی آدمیوں کو قتل کیا ہو۔

۷۔ مرد مسلمان اپنے مشرک عزیز یا رشتہ دار کو (جنگ کی صورت میں) قتل کر کے قتل کر سکتا ہے، لیکن اپنے مشرک یا کافر باپ کو قتل نہ کرے، بجز اس صورت کے کہ باپ نے بیٹے کو اپنے قتل پر مجبور کر دیا ہو۔ مثلاً بیٹے کے لئے باپ کے قتل کے سوا اپنے چاچا کی کوئی صورت نہ رہ گئی ہو۔

۸۔ اگر دوران جنگ میں بیٹے نے اپنے باپ پر قابو پا لیا۔ تو اسے قتل

نہ کرے! سہ

! کیا اس سے بڑھ کر صلہ رحمی کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟ کیا قرابت تعلق خاطر اور تعلق کے رشتہ کا اس سے زیادہ احترام کیا جا سکتا ہے؟

بلا اجازت

دشمن کو معاف کرنے یا امان دینے کا اختیار سپہ سالار تک کو نہیں ہوتا۔ صرف مملکت کا رئیس اعلیٰ ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ لیکن اسلام چونکہ ترک جنگ کے پہلے سے وضو نہ تہا ہے۔ لہذا اس نے یہ اختیار ہر مسلمان کو دے رکھا ہے۔ جو مسلمان بھی دشمن کو امان دے۔ یہ نافرمانی جائے گی۔ پھر اس سے قتال و جہاد ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ فقہ کا مسئلہ ہے۔

”اگر کسی مسلمان نے اہم کی اجازت کے بغیر امان دے دی تو یہ جائز ہے اور سب مسلمانوں پر واجب ہوگی۔ یعنی اس کو کوئی ٹوڑ نہیں سکتا۔“

سید قنادائے قاضی خاں سہ الہیہ المحیط سہ سراج و نراج

اسلام کی ان پندی اور جنگ بنیرا ہی کا یہ آئینہ بڑا ثبوت ہے جس کے بعد اسلام کو
”جنگجو نہ رہے“ صرف وہی لوگ قرار دے سکتے ہیں۔ جو حق و صداقت سے بالکل دستبردار
ہو گئے ہوں۔

صلح کیسے ٹوٹتی ہے؟

دشمن سے کیا ہوا معاہدہ صلح کب اور کس طرح ٹوٹ سکتا ہے؟ یہ بڑا نازک اور
پیچیدہ مسئلہ ہے۔ دیکھیں آج بھی تعالٰیٰ اس اعیلیٰ پر ہے کہ پیمان صلح بڑی آسانی سے
ٹوٹ سکتا ہے۔ خواہ دشمن کی کوئی خطا ہو یا نہ ہو۔ شبہ اور شک کی بنا پر بھی اسے توڑا جاسکتا ہے
احتیاط اور پیش بندی کے طور پر بھی اسے قطع کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اور احتیاج کے مطابق
بھی اسے ردی کا کاغذ بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جنگ عظیم ثانی میں ہم نے دیکھا۔ جب
رومن نے پولینڈ پر، برطانیہ نے ایران پر، جرمنی نے روس پر، جاپان نے پول ہار پر، اٹلی نے
البانیہ پر، یٹالی نے توکانڈات پر پیمان صلح استوار تھا۔ لیکن جنگ کے میدان میں اسے تورا
کی نوک سے پھاڑا جا رہا تھا۔

آئیے اب دیکھیں اسلامی فقہ نے اس سلسلے میں جو اصول اور ضابطے بنائے ہیں،
وہ کیا ہیں۔

۱۔ نیند یعنی صلح کا کار کا فریوں کی ضرورت یا مصلحت کے باعث (رہ کر نہ یا اس صورت
میں جائز ہے کہ انہیں (غیر مسلموں کو) اپنی مہلت دی جائے کہ ان کا باؤنشاہ (یا سربراہ) اس
دلت میں اپنے اطراف ملک میں یہ غیر پہنچا سکے۔

۲۔ اور اگر غیر مسلم محاربلوں نے ان صلح کے اطمینان پر اپنے قلعے سے عزت کر ڈالے
ہوں۔ اور اور دھرم شتر اور پرگتہ ہو گئے ہوں۔ تو انہیں اپنی مہلت دینی چاہیے۔ کہ
سب (غیر مسلم) اپنے ہامن میں واپس آجائیں۔ اور اپنے قلعوں کو یوں ہی بنا لیں، جیسے
وہ پہلے تھے۔

۴۔ اور مسلمانوں کو ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ اہل حرب پر یا ان کے اطراف ملک پر جب تک صلح باقی ہے لوٹ مار کریں۔

جس زمانہ میں یہ حالت صلح جنگ شروع کی جاسکتی ہو اور جنگ کے زمانہ میں ایچ ایم پر سائے جاسکتے ہوں۔ اور معاہدہ صلح حسب مصلحت ٹوڑا جاسکتا ہو۔ اس زمانہ میں جو لوگ یہ پڑھیں گے کہ معاہدہ صلح قطع کرنے سے پہلے دشمن کو اتنی ہمت دینی چاہیے کہ وہ اپنے فلاح کو مستحکم کر لے اور اپنے مورچوں پر ساز و سامان جنگ سے لیس ہو کر آجائے انہیں واقعی بہت تعجب ہوگا۔

عارضی صلح

عارضی صلح یا متارکہ جنگ کی اصطلاح تھی نہیں۔ آج بھی یہ عمل میں لائی جاتی ہے کہ ریاض کشمیر میں متارکہ جنگ کے بعد جو حادثات ہوتے رہتے ہیں ان پر ہر دو حکومتوں کی طرف سے آئے دن احتجاج کی خبریں اجازت میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اسلام نے متارکہ جنگ کے جو حدود مقرر کئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ممکنہ اور منطوق حقیقی اور فرضی حادثات کے سلسلہ میں جو پالیسی اختیار کی ہے وہ یہ ہے۔

۱۔ اگر اہل حرب میں سے جن کے ساتھ موادعت (TRUCE) اور صلح ہے۔ کوئی جماعت دار الحرب سے نکل کر دارالاسلام میں رہنری کرے تو یہ امران و مبارکی کا فرقہ کی طرف سے نقص جہد نہیں تصور کیا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی گروہ ساز و سامان جنگ کے ساتھ بغیر اپنے بادشاہ یا سپہ سالار کی اجازت کے دار الحرب سے دارالاسلام میں حملہ آور ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن اس کے

۱۔ سراج ناچ سنہ میں نے موادعت کا ترجمہ انگریزی کے لفظ (Truce) سے کیا ہے جو بالکل ہم معنی ہے۔ موادعت کا معنی ہیں کچھ بات کہنے جنگ بندی کرنے کا وعدہ کرنا (ریش احمد جعفری)

بادشاہ اور اس کے اہل مملکت کی طرف سے اس اقدام کو موافقت (Truce) یا صلح کی
خلافتِ دینی نہ سمجھا جائے گا۔

۳۔ لیکن اگر اس گروہ کو اپنے بادشاہ یا مملکت کی تائید و حمایت حاصل ہے تو یہ
اس سب کے حق میں نقصان عہد تصور کیا جائے گا۔

کیا اس رواداری، وسعتِ قلب اور مسامحت کی نظیر دنیا کا کوئی ملک آج بھی پیش
کر سکتا ہے؟

پاس عہد کی تہا

معاذ اللہ ہمیں ختم نہیں ہو جاتا۔ اس عہد انسانیّت کبریٰ میں بھی جو رعایت کوئی قوم
کسی کو نہ دے سکی۔ وہ اسلام نے غیر مسلموں کو دیا ہے۔ یہ وہ رعایت ہے جس پر ہمیشہ اسلامی
حکومتوں نے عمل کیا۔ اور اگر کسی بادشاہ نے اس پر عمل درآمد کرنے میں کوتاہی کی تو علمائے حق
نے اسے ڈکا۔

اگر اہل اسلام اور اہل حرب سے صلح قائم ہے۔ پھر اہل حرب میں کا کوئی شخص اپنے
ہم مذہب (کافروں) کے ایسے ملک میں داخل ہوا جو مسلمانوں سے بوسر پکارتا ہے وہاں مسلمانوں نے
اس اہل حرب کو بھی گرفتار کر لیا۔ تو سابقہ معاہدہ کے مطابق اب بھی اس سے صلح قائم ہے
گی۔ وہ امن میں ہو گا۔ اس پر کوئی زیادتی نہیں کی جاسکتی اس کا مال بھی نہیں چھینا جاسکتا۔ اپنے
غلام اور مالک سب پر اس کا تصرف رہے گا۔ کیونکہ جن کافروں سے ہم صلح کر چکے ہیں۔ وہ
جہاں چاہیں جائیں جس ملک میں چاہیں داخل ہوں۔ ہر حالت میں وہ مامون رہیں گے۔

انہیں ایوڈ کی (EVACUEE) قرار دیا جائے گا۔ انڈیائی ایوڈ کی (INTENDING EVACUEE)

یہ امن کوئی ملک اپنے ہم وطنوں اور کوئی قوم اپنے ہم قوموں اور کوئی مذہب اپنے
ہم مذہبوں کو بھی دینے پر تیار نہیں۔ لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حق سطا

لہ فتاویٰ کرنی سے سراجِ دلہا

فرما دیا تھا۔

انتہائی اعتماد

اسلام نے ذمیوں کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اسلام نے ذمیوں پر جو اعتماد کیا ہے اس کی مثال بھی دنیا کی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی۔ تقسیم ہند کے وقت اور اس کے بعد مسلمانان ہند سے ہتھیار لے لئے گئے۔ ہند اس اور بریتانی کی حکومتوں نے علی الاعلان محکمہ پولیس میں ان کا داخلہ روک دیا۔ اب بھی ان پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ انہیں پاکستان کا ہیوسٹ اور بھٹ پینک جلسوں میں کہا اور اخبارات کے صفحات پر لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ ہندوستان ایک سیکولر حکومت ہے اور انہوں نے آئین دستور اور ان کے مسلمانوں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو کسی ہندو کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن قول و عمل کا فرق ہم ہر روز دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام اپنی مملکت میں ذمیوں کو شک و شبہ کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ انہیں دوسرے کافروں اور مشرکوں کا بھینٹ اور بوجھ نہیں سمجھتا۔ جنگ اور متارکہ جنگ ہر حالت میں وہ ان پر اتنا ہی اختیار و اعتماد کرتا ہے جتنا کسی مسلمان پر چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب میں آپ دیکھیں گے۔

اہل حرب کے ہاتھ ساز و سامان جنگ فروخت کرنا مکروہ ہے۔ خواہ ان سے صلح ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اسی طرح لہذا وغیرہ جو چیز اصل آلات حرب ہے ان کے ہاں بھی جو نایا مان کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے۔ اور ذمیوں کے ہاں ان چیزوں کا بھیجتا یا بیچنا مکروہ نہیں ہے۔

ہم نے رواداری، اخوت اور مساوات پر بہت سے اکابر عالم کی تقریریں پڑھی ہیں۔ بہت سے بین الاقوامی شہرت کے ذہنین کے بیانات دیکھے ہیں۔ بہت سے اعظم وقت کے خیالات و تاثرات کا مطالعہ کیا ہے لیکن ہمیں کہیں بھی یہ سراغ نہیں

ہا کہ کسی نے اپنی مملکت میں غیر قوم کے افراد کے ساتھ اس درجہ اعتماد کیا ہو یا اس کی
تعمیر کی ہو۔

غلام کا مقام

زندگی کے ہر معاملہ میں اسلام عیناً اعتدال پسند اختیار پسند اور اصول پسند ہے
آٹنا ہی ترقی پسند بھی ہے۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے عورت کو مرد کا ہم پار قرار دیا۔
اسلام ہی نے سب سے پہلے عورت کی خود مختاری، انفرادیت اور ورثت تسلیم کی، اسلام
ہی نے سب سے پہلے غلام اور آقا کو ایک صف میں بٹھایا۔

دنیا تے غلام کا جو ریب دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنی کسی چیز کا مالک نہ تھا۔ نہ
جان کا نہ مال کا نہ آبرو کا نہ ضمیر کا نہ ارادہ کا نہ فکر کا نہ صرف اس لئے تھا۔ کہ
روندا جائے، کچلا جائے، پامال کیا جائے، اس کے برعکس اسلام نے سب سے پہلے
تے غلامی کا انسٹی ٹیوشن ہی ختم کیا اور جو باقی رہ گئے تھے انہیں وہ مقام دیا جو کسی طرح آقا
سے فروتر نہ تھا۔

فقہان تو انہیں کا مجموعہ ہے۔ جو قرآن و حدیث کو پیش نظر رکھ کر مرتب کئے
گئے ہیں، انہی قوانین کے ماتحت قاضی کی عدالت فیصلہ کرتی ہے۔ ہماری اس کتاب انانین
نے بھی غلام کو ہر طرح سے مساویانہ حقوق عطا کئے ہیں ان حقوق سے جہاں یہ
اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں غلام کا مقام کیا ہے، جہاں یہ بات بھی معلوم ہو جاتی
ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ روادارانہ برتاؤ کرنے میں غلامی اور آقائی ایک ہی سطح
پر آجاتی ہیں۔

غیر مسلم اور غلام

کافروں اور مشرکوں سے جنگ کی صورت میں ایک مرد مسلم اور ایک مومن
مخالفین کو حق ہے۔ کہ وہ ایمان دے دے، یہ ایمان اسلامی اسٹیٹ تسلیم کرے گی جن شرائط

— باندی کے اہان میں سے بھی وہی تفصیل ہے جو غلام میں مذکور ہوئی یعنی اگر باندی اپنے آقا کی اجازت سے قتال کرتی تو اس کا اہان و نیا صحیح ہے۔ اور اگر وہ قتال نہ کرتی ہو تو اہام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی اہان صحیح نہیں ہے لہٰذا اسی طرح طفل صغیر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی طفل اسلام کو سمجھتا ہو۔ حالانکہ رقم عمری کے باعث وہ قتال سے ممنوع ہو تو اہام محمد کے نزدیک اس کی اہان صحیح ہے۔

۱۰۔ اور اگر وہ قتال کے واسطے اجازت یافتہ ہو۔ تو بالاتفاق اس کی اہان صحیح ہے لہٰذا بے نظیب مراد بے مثال

فقہ اسلامی کی کریم سے غیر مسلموں کے ساتھ دو اولاد نہ برتاؤ کے سلسلہ میں عجیب عجیب قوانین نظر سے گزرتے ہیں۔ ہر قانون اور اس قانون کے جو بنیادیں اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کے پاس عہد اور غیر مسلموں کے حقوق، ناموس اور احترام کو کس درجہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ کسی گروہ مشرکین کو اہان دے اور دوسرے مسلمان گروہ اپنی لاشی کے باعث مصروف پیکار ہو جائے، فتح پائے اور فتح کے لوازمات سے مستفید ہو سکیں کیا اہان کی اطلاع مل جانے کے بعد بھی وہ ایسا کر سکے گا؟ اور جو کچھ اپنی فتح مندی کے عالم میں وہ کرے گا اس کا انجلم اور حشر کیا ہوگا؟

لاحظہ فرمائیے

اگر مسلمانوں میں سے کسی مرد نے (محابب مشرکوں کے ایک گروہ کو اہان دی پھر مسلمانوں کے دوسرے گروہ نے ان مشرکین پر حملہ کیا ان کے

مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں کو گڑھ بنا کر کیا اموال کو لوٹ لیا۔

پھر اس حملہ اور گڑھ مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہیں کسی مسلمان نے جان دے دی تھی تو

ایہن مشرکوں کو مسلمانوں نے قتل کیا ہے ان کی ویت واجب ہوگی۔

۲۔ ان کی عورتیں واپس کر دی جائیں گی۔

۳۔ مال لوٹا دیا جائے گا۔

۴۔ جن عورتوں کو گھر میں رکھ لیا گیا۔

۵۔ ان کا مہر ادا کیا جائے گا۔

۶۔ اگر کوئی اولاد پیدا ہوئی ہے وہ خود بخود آزاد ہوگی۔

۳۔ اور باپ کے مسلمان ہونے کے باعث مسلمان قرار دی جائے گی۔

۴۔ اور واپس نہیں کی جائے گی بلکہ

اسلامی فقہ کا یہ قانون نہیں بتاتا ہے کہ صرف مال ہی نہیں واپس کیا جائے گا
صرف عورتیں ہی نہیں لوٹانی جائیں گی۔ بلکہ اس لاطمی کی جنگ میں جو غیر مسلم قتل ہوئے
ہیں۔ ان کا خون یہاں بھی ادا کرنا پڑے گا۔ اسلامی عدل اور اسلام کی نگاہ میں غیر مسلم کی جان و مال
کے احترام کا یہ وہ انتہائی نقطہ ہے جہاں اب تک دنیا کی زندگی یافتہ قومیں ذہنی اعتبار سے
بھی نہیں پہنچ سکی ہیں۔ عملی اور تعالیٰ اعتبار سے کیا مسائل؟ جب غیر مسلموں کو اتنے حق

سے محروم رکھیں

الفاظ کا مجموعہ ہو چونکہ وہ ہر حالت میں ایمان دینا چاہتا ہے۔ لہذا وہ ایسے الفاظ کو بھی چاہتا ہے
 قرار دیتا ہے جن سے ایمان کا مفہوم گل سکتا ہو۔ اگر کوئی مسلمان کسی محاسب غیر مسلم سے
 ایسے الفاظ بول دے جن سے ایمان کا مفہوم نکلتا ہو۔ تو وہ الفاظ ایمان کا جامہ پہن لیں گے۔
 وہ ایمان نافذ کر دی جائے گی۔ اہل غیر مسلم محاسب ان الفاظ سے پورا پورا فائدہ اٹھائے گا!
 اب ہم بتاتے ہیں کہ فقہ نے کن کن الفاظ سے ایمان چاہتا ہے

۱۔ اگر مسلمانوں نے کسی حربی سے کہا لا تخت (میت ڈرو)

۲۔ یا ایں سے کہا لا یاس علیک (کوئی افسوس نہ کرو)

۳۔ یا ایں سے کہا سداؤ خدا کا کلام سنو

۴۔ یا ایں سے کہا اجرتک رہم تے تمہیں بھرو یا

تو یہ سب عقیدتیں ایمان کی ہیں

ایمان کی اور ضرورتوں کے علاوہ کلام اللہ سنتے کی عورت دینا بھی ایمان ہے۔
 الفاظ اور اشارے

جو الفاظ اور جو اشارے جنگ میں حکمت عملی پالیسی چالاکی اور فوج پرستی
 کے ماتحت دشمن کی مساوہ لوجی، حماقت یا حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر اس کے مقصدی کاموں
 کے کام آتے ہیں۔ اسلام میں یہ ایمان کا پیمانہ بن جاتے ہیں۔

۱۔ اگر سردار لشکر اہل اسلام نے کسی شخص سے حماقت سے کہا ہمارے پاس آؤ۔
 ۲۔ یا یہ کہا کہ آؤ ہم سے خریدو فروخت کرو۔

نہی بھی حربوں کے لئے اہل نامہ سمجھا جائے گا۔
 ۱۰۔ یا اہل حرب کسی مستحکم قلعہ میں پناہ گزین ہیں جہاں انہیں زبرد و قوت حاصل ہے کسی مسلمان نے کسی حربی سے اشارہ سے کہا: "ہمارے پاس چلا آ۔"
 ہم یا اہل قلعہ کو اشارہ سے کہا: "دروازہ کھول دو۔ انہوں نے اہل سمجھ کر زبردانہ کھول دیا۔ تو ان مشرکوں کو مارا ہوگا۔"

بہت سی ایسی صورتیں ہیں دشمن کی اپنی چلتے گی کہ مسلمان کی س

لفظ اور اشارہ

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن اشارہ دیکھ لے۔ مرنے سے بچنے والے الفاظ انہیں مسلمان دشمن کو دیکھ کر اشارہ سے بلاتا ہے۔ اور زبان سے کہتا ہے: "آؤ تو مزہ چکھاؤں۔ دشمن اشارہ دیکھ لیتا ہے۔ الفاظ انہیں سنا۔ اب کیا ہوگا؟"

مگر کسی مسلمان نے دشمن کی طرف اپنی انگلی سے اس طرح اشارہ کیا جس سے سمجھا جاتا ہے کہ میرے پاس آؤ۔ حالانکہ اشارہ کرنے والا اپنی زبان سے کہہ رہا ہے کہ آؤ تو میرے ہتھے قتل کر دوں گا۔ لیکن دشمن نے نہ سمجھا کہ ان کی بات ہے۔ اس کا قتل کرنا جائز نہیں۔

علیؑ بنا اگر مسلمان نے کافر سے کہا چلا آ تاکہ میں تجھے قتل کر دوں۔ وہ چلا آیا تو یہی اس کی امان ہے بشرطیکہ اس نے آخری لفظ یا سنا نہ ہو یا سمجھا نہ ہو۔

ایک اور صورت مسئلہ بھی خاص طور سے غور طلب ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ دشمن کے متعلقین بھی کس طرح اسلام کے رحم و کرم سے تادم اٹھاتے ہیں۔

اگر اہل حرب میں سے کسی مرد نے اہل اسلام سے ایمان طلب کیا اور
اس کو ایمان دیا تو پھر اپنے ساتھ ایک عورت کو لایا اور کہا کہ یہ میری جوڑ ہے
اور اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے لایا اور کہا کہ یہ میری اولاد ہے۔ حالانکہ
ایمان اس نے نہ صرف اپنی ذات کے لئے لی تھی۔ لیکن پھر بھی مستحساناً یہ سب
ایمان میں داخل ہیں گئے سہ

چھوٹے مسلمان کی ایمان

ایک آدمی امیر لشکر کی طرف سے جھوٹ بھی توڑا گیا ہے؟
ایمان کے لئے۔ اسلام اس جھوٹ کو بھی گوارا کرتا ہے۔ اور اس کا فائدہ لشکرِ اسلام کو نہیں،
گروہ کفار کو دیتا ہے۔

۱۔ اگر امیر لشکر (اسلام) نے اہل قلعہ (کفار) سے کہا: اگر تم کو کوئی مسلمان
ایمان دے تو وہ باطل ہوگی جب تک میں تو تم کو ایمان نہ دے دوں۔

۲۔ پھر اہل قلعہ کے پاس کوئی مسلمان آیا اور کہا: میں سرورہ لشکر کی طرف
سے پہنچی آیا ہوں تم کو ہمارے سرورہ لشکر نے ایمان دے دی۔

۳۔ اہل قلعہ ان خبر پر اترائے تو وہ سب کے سب ایمان یافتہ ہو گئے

۴۔ اگرچہ دشمن نہ کہہ کہ ایمان خبر میں کا ذب ہو سہ

سب سے سالار اسلام

ہو سکتا ہے کہ گروہ کفار و مشرکین کی شہادت سے تنگ آ کر سب سالار اسلام فیصلہ
کر لے کہ دشمن کفاران نہیں دینی جائے گی۔ اور اس فیصلہ کا اعلان بھی کر دے۔ بعد میں کس
وجہ سے ایمان دے دے تو یہ ایمان بلا ایمان نافذ کر دی جائے گی۔

اور اگر امیر لشکر نے اہل قلعہ سے کہا: جب میں تم کو ایمان دے دوں تو میری

سہ لہجہ محیط

اماں باطل ہے پھر ان کو اماں دی۔ تو یہ اماں صحیح ہوگی نہ

امام محمد کا فتویٰ

امام محمد کا فقہ اسلامی میں جو درجہ ہے۔ وہ پڑھے لکھے مسلمانوں سے پیشدہ نہیں۔
 وہ امام ابوحنیفہ کے اہل تلامذہ میں سے تھے۔ امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد یہ تھے وہ
 اصحاب ثلاثہ جو فقہ حنفی میں ستون اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان تینوں میں بھی امام
 محمد کا پایہ سب سے بلند ہے۔ وہ اپنے مذہب، تفسیر اور وصیت علم و نظر کے اعتبار سے اپنے
 اقران و ائمتل میں بہت زیادہ ممتاز تھے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی متداول اور معتبر کتابوں میں
 مفتی بہ مسائل زیادہ تر وہی ہیں۔ جدھر امام محمد ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے
 مفتی بہ نہیں امام محمد کی ہے۔

چنانچہ امام محمد کا یہ فتویٰ خاص طور پر ملاحظہ طلب ہے۔

امام محمد سے مروی ہے۔ کہ اگر کافروں نے اماں کی درخواست کی۔
 کہ ہمیں اس شرط پر اماں دی جائے۔ کہ پہلے ہم پر ایمان پیش کیا جائے۔ پھر
 ہم قبضہ کر لیں۔ تو خبردار نہ ہم اپنی پناہ گاہ پر۔ اس کو دیتے جائیں تو امام المسلمین
 پر اس شرط کا قبول کرنا۔ جب ہے۔ پس اگر قلعہ سے اتر آتے۔ ان پر
 اسلام پیش کیا گیا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ تو ان کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ اپنے
 قلعہ میں چلے جائیں۔ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ انہیں قتل کریں
 یا ان کی عورتوں اور بال بچوں کو گرفتار کر لیں نہ

ایک اور لیکھائی صورت

فقہ اسلامی نے دشمن کے ساتھ کہیں بھی زیادتی اور نا انصافی ملحوظ نہیں رکھی ہے۔
 اگر اہل حرب نے کسی شخص کو حکم بنایا کہ جو یہ فیصلہ کرے گا۔ وہ ہمیں

سہ البحر المحیط ج ۱۰ نوادین المسلمین

منظور ہوگا پھر وہ قلعہ سے اتر آئے اور حکم فیصلہ کرنے سے پہلے مر گیا تو یہ
لوگ اپنے محفوظ مقام پر (جہاں سے آئے تھے) واپس کر دیئے جائیں گے نہ
اسلام کسی حالت میں بھی اسے روا نہیں رکھتا کہ کسی اتفاق یا حادثہ سے فائدہ
اٹھا کر دشمن کو ذک سے وہ ہر حادثہ اور اتفاق کا فائدہ پوری نداداری اور اولوالعزمی
کے ساتھ دشمن کو دیتا ہے

قریب کار کافروں سے حسن سلوک

فقہ کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔

”اگر اہل حرب نے کہا کہ ہم کو امان دو۔ حتیٰ کہ ہم تمہارے لئے
قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔ اور تم اس شرط سے آؤ کہ تم ہم پر اسلام پیش کرو
پھر ہم مسلمان ہو جائیں۔ لیکن جب ان پر اسلام پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے
قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب بھی یہ لوگ ہاں یافتہ ہوں گے اور مسلمانوں پر
واجب ہے کہ قلعہ سے نکل آئیں۔ پھر ان کا عہد رکھیں۔“

مسلمان کو وہ عہد سے کر بھی اگر کوئی کافر اپنے لئے ہاں حاصل کر لیتا ہے۔ تو اسلام اس کی
ہاں میں خلل نہیں ڈالتا اسے تسلیم کر لیتا ہے اور اس کی آواز ہی بحال رکھتا ہے۔ اسلام قبول
کرنے کا وعدہ کر کے ہاں حاصل کرنے والا اور ہاں حاصل ہو جانے کے بعد اسلام نہ قبول
کرنے والا شخص خواہ کتنا ہی برا ہو لیکن اسلام اس کی ہاں بے قرابہ رکھتا ہے کسی قسم کی
زیادتی نہ نہیں رکھتا۔

اشتعال انگیز قریب کاری۔ مگر حسن سلوک

ایک مسلمان حاکم یا برسر اقتدار گروہ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی لالچ نہیں ہو سکتا
کہ اگر وہ ایک یا چند غیر مسلم محصوروں کو امان دے دے۔ تو اتنے سارے مسلمان قیدیوں کا

سرخ لگ جائے گا۔ اور وہ دشمن کے دست تعدی سے نجات پا جائیں گے لیکن سرسبز مانی کا غلط وعدہ کر کے ہاں حاصل کرنے والا کافر بہر حال مامون ہے۔ اس کی یہ استعمال انگریز فوج کاری اس کے تھانہ وال کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گی۔

اگر مخصوص لوگوں میں سے کسی شخص نے کہا۔ مجھے امان دو، مثنیٰ کہہ میں تمہارے پاس آؤں۔ بدیں شرط کہ میں تم کو سونپ کر مسلمان قبول کی طرف کسی مقام پر رہنا چاہتی کروں مسلمانوں سے اسی شرط پر اس کو امان دی۔ پھر جب وہ آئے اور مسلمانوں کو اس مقام پر لے آیا۔ مگر دیکھا۔ تو وہاں کوئی قیدی نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ قیدی یہاں تھے مگر کہیں چلے گئے مگر میں نہیں جانتا کہ کہاں چلے گئے۔ تو یہ شخص اپنے قلعہ میں یا جہاں سے آیا ہے وہیں پہنچا دیا جائے گا۔

چند اصطلاحات

عشر خراج، غنیمت اور فے یہ سب فقہی اصطلاحیں ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے انہیں سمجھ لیں تو بہتر ہوگا۔

غنیمت اس مال کا نام ہے جو کافروں سے یہ قہر و غلبہ بددین جنگ میں حاصل کیا جائے اور فے اس مال کہتے ہیں جو بجز قتال کے لیا جائے جیسے خراج اور جزیرہ وغیرہ غنیمت سے پانچواں حصہ بیت المال کے لئے لیا جاتا ہے اور فے میں سے نہیں لیا جاتا۔

عشر وہ سب سے جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اور خراج وہ جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے عشر جمیکا کہ نام سے ظاہر ہے۔ دسواں حصہ ہوتا ہے اور خراج جمیکا کہ نام سے ظاہر ہے۔

۱۔ الحمد للہ

امام محمد کا ایک اور فتویٰ
 عشر اور خراج سے متعلق امام محمد کے ایک فتوے کا تذکرہ اس جگہ ضروری ہے۔
 جس سے معلوم ہو گا کہ ہماری طور پر مسلمان اور غیر مسلم کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ مسلم
 حکومت کو نہیں رکھتی۔

امام محمد کا فتویٰ ہے کہ اگر کسی شہر کے لوگ مسلمان ہو گئے قبل ان
 کے کہ مسلمان ان پر لڑ کر غالب آئیں تو وہ سب آزاد مسلمان ہوں گے۔
 ان کی اراضی پر عشر مقرر کیا جائے گا۔ خراج نہیں۔ اور یا اگر وہ لوگ
 مسلمانوں کے غالب آنے سے پہلے مسلمان تو نہیں ہوئے، ذمی ہو گئے تو
 بھی یہی حکم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی اراضی پر بجائے عشر کے
 خراج مقرر کیا جائے گا۔

جنگی ضرورت اور غیر مسلم
 جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ لڑنے والی حکومت اپنی ہم قوم رعایا پر جو چاہتی
 ہے ٹیکس عائد کرتی ہے جس چیز پر چاہتی ہے۔ برائے نام یا مکمل معاہدہ دے کر یا
 بلا معاہدہ دے قبضہ کرتی ہے۔ اور اگر کہیں دشمن کا مال اس کے قبضہ میں آجائے
 جب تو پھر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ صرف اس لئے ہے کہ بے صحابہ استعمال کیا جائے
 اور اس سے جتنا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اٹھایا جائے۔

کیا اسلام کا اصول بھی یہی ہے؟
 سخت ترین ضرورت کے موقع پر بھی اسلام عدل اور انصاف کا دامن ہاتھ سے
 نہیں چھوڑتا۔

اور اگر شکر اہل اسلام کو آگ روشن کرنے کی حاجت ہو۔ خواہ

لہ اجر محیط

پکھانے کے واسطے یا سردی کا سدھہرہ دور کرنے کے لئے تو مفاد فقہ نہیں ہے
اہل حرب کی لکڑیاں اور نرکل وغیرہ جو پائیں وہ جلا دیں۔ بشرطیکہ یہ چیزیں جلانے
کے لئے رکھی گئی ہوں۔ اور اگر کسی اور غرض سے رکھی ہوئی ہوں یعنی جلانے
کے لئے نہ ہوں مثلاً وہ لکڑی کٹھیلے اور کٹھیلے لیاں بنانے کے لئے رکھی گئی ہو
اور وہ اپنی ایک خاص قیمت رکھتی ہو۔ تو اس کا استعمال نہ نہیں ہے بلکہ
کیا یہ وضع احتیاط اور کہیں بھی ملحوظ خاطر رکھی گئی ہے؟

دارالاسلام اور حربی

ایک حربی اگر امان سے لے کر دارالاسلام میں آجائے تو یہاں آنے کے بعد اسے کیا
حقوق ملتے ہیں؟ اور وہ کس طرح غیر مسلم اور منکر اسلام ہونے کے باوجود مسلمان پر بعض
مالی اور معاشی معاملات میں ترجیح اور ذوقیت رکھتا ہے۔ بہتر ہوگا۔ اگر یہ دارالاسلام
کی کتاب الایمن سے سنی جائے۔

ایک حربی دارالاسلام میں امان سے لے کر داخل ہوا۔ کسی مسلمان نے اس
حربی کے پاس کچھ مال دے دیا جس کو وہ دارالحرب لے گیا پھر یہ حربی
مسلمان ہو گیا یا قحی بن گیا۔ تو مال مذکور اسی کا ہے گا۔ اس واسطے کہ وہ
دارالاسلام میں اس مال کا ضامن نہ تھا بلکہ

پاکستان کے غیر مسلموں کو سوچنا چاہیے۔ کہ اگر یہاں اسلامی ایمن نافذ ہوا۔ تو

اس سے نہیں مخالف ہونا چاہیے یا نہیں؟

شراب کا نادان

موسم شراب دونوں چیزیں اسلام میں حرام مطلق ہیں۔ دوسرے مذاہب میں نہیں
اور اسلام کی مملکت میں دوسرے مذاہب کے پیر بھی رہ سکتے ہیں۔ امانت کے تحت کے

سہ احسن المحیط سہ بسوط الشمس الائمہ شرحی

ساتھ نہیں یہ سنی بھی ہے کہ شراب نہیں اور سو رکھائیں۔ اور اگر کوئی مسلمان ان کی شراب کا نقصان کر دے یا سوڑھا کر دے تو اس پر نارا ان واجب ہے۔

اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کی شراب منار کر دی یا سوڑھا کر دیا

تو اس کی قیمت بطور نارا ان کے دیگا۔

ذمی کی غلبت نہیں کی جا سکتی

اسلام نے بڑی ایفا صی سے ذمیوں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو عام مسلمانوں کو چنانچہ

فقہ کا مسئلہ ہے

اور ذمہ واجب ہے کہ جو چیز اس کے (ذمی کے) لئے تکلیف دہ ہے

اس سے حرکے جاتے چنانچہ اس کی غلبت بھی حرام ہوگی جیسے مسلمان کی

رعیت حرام ہے، لہ

پھر غور سے دیکھیے:

ذمی کی غلبت بری، ناپسندیدہ اور معیوب نہیں۔ حرام ہے۔ بالکل

اسی طرح جیسے مسلمان کی غلبت حرام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ذمیوں کا خون ہمارا

نخون ہے۔ صرف ایک قول نہیں۔ ایک حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت اسلام کی کتاب الائن

ہیں ہر جگہ عہدت اور نمایاں نظر آئے گی:

حربی کا مال اور ولایت

حربی اگر ستامین بن چکا ہے یعنی امان حاصل کر چکا ہے تو اس کے حقوق

بہر حال اور بہر صورت قائم رہیں گے۔

ایک حربی ستامین اگر دارالاسلام میں آیا۔ پھر وہ الحریب و لیس

چلا گیا۔ اور مال اسلام اس دار الحریب پر غالب نہ ہوئے مگر حربی نہ ہو قتل کیا گیا

لشک فتح العتیر

تو اس کا مال اور دولت اس کے وارثوں کا حق ہے یا اگر وہ حربی اپنی دولت
 سے دار الحرب میں ہر گز یا تو بھی یہی حکم ہے نہ
 کیا یہ رداداری کی انتہا نہیں؟

ذمی کے وارث، اعدہ وراثت

ایک ملک پہنچا بشنہ کسی دوسرے ملک میں وراثت حاصل کرنے میں کسی کسی
 مشکلوں اور محرمین اور باپوں سے دو چارہ ہوتا ہے اس سے اس کتاب کے پڑھنے
 والے تا دقت نہ ہوں گے بلکہ ممکن ہے تجربہ بھی رکھتے ہوں۔

لیکن اسلام میں معاملہ میں بھی ذمی کے ساتھ پورا انصاف اور رعایت مد نظر رکھتا ہے
 نہ شاکہ کی عدم موجودگی میں نہ آبخجانی ذمی کا مال و اسباب امانت رکھتا ہے۔ اور ورثہ کے لئے
 کے بعد ان کے حوالے کر دیتا ہے اور حوالے کرتے وقت بھی یہ تحقیق کر لیتا ہے کہ کوئی وارث
 باقی ہو نہیں رہا گیا؟

(۱) اگر حربی مستامن دارالاسلام میں اپنا مال چھوڑ کر مر گیا۔ اور اس کے
 وارث دار الحرب میں ہیں تو اس کا مال اس کے وارثوں کے واسطے رکھ چھوڑا
 جائے گا۔

(۲) پھر جب وہ لوگ یہاں رداالاسلام میں آئیں۔ تو اپنی وراثت پر
 گواہ قائم کریں تاکہ مال پائیں۔

(۳) اگر انہوں نے کسی ذمی کو بطور گواہ پیش کیا۔ تو وہ قبول ہوں گے۔
 رہ، مال حربی کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

(۴) اگر ان سے کفیل لے لیا جائے گا کہ اگر مال مذکور کا کوئی دوسرا شخص ظاہر
 ظاہر ہو تو کفیل مذکور ضامن ہے نہ

سہ تبیین من فتح القدر

اسلام کا توحیدی ذوقی کے دائرہ میں سے یہ نہیں کہتا کہ یہ دولت لے کر تم ایک غیر ملک میں نہیں جاسکتے۔ وہ ایک ایک پائی گن کر جو لے کر دیتا ہے۔ اور اس کا بھی خیال رکھتا ہے کہ متوفی کا کوئی اور عارض باقی رہ گیا ہو تو وہ جب بھی آئے اپنے حق سے محروم نہ رہے۔

یہ ہے فرق وسطیٰ کا مذہب! ————— اسلام

اسلامی دستور کا لفظ من کر کچھ اسی قسم کی باتیں بعض غیر ملکی اور پڑوسی مدبرین نے فرمائی تھیں۔

ابن تیمیہ اور کاشغر حنبلی

علامہ ابن تیمیہ اپنے مسلک میں بڑے تشدد ہیں۔ وہ راہبوں، نصیریوں، دروزوں، عبیدیوں وغیرہ کے کفر کا فتویٰ کھلم کھلا دیتے ہیں، ان کے قتل کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کے مال کی فتنے "قرآن دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہر قسم کی سفالی اور بددستی کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں۔ انہیں کسی قسم کا کوئی حق دینا نہیں چاہتے۔ ہر حال یہ ان کا مسلک ہے اور جس طرح مولانا عبد الشکور لکھنوی کو موجودہ وہ ہیں ان کے مسلک سے روگرداں نہیں کیا جا سکا۔ اسی طرح اپنے زمانہ میں علامہ ابن تیمیہ پوری اشدت کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم رہے۔ کوئی مشابہ نہیں علامہ ابن تیمیہ بہت بڑے آدمی تھے لیکن ہر حال آدمی نئے فرشتہ نہیں تھے۔ فکر و نظر میں ان سے بھی انحرش ہو سکتی ہے۔ اور ہر شخص کو پورا پورا حق ہے کہ ان کے اس مسلک سے دلائل ماند حقائق کی بنا پر اختلاف کرے۔

غیر مسلموں کے بارے میں بھی علامہ ابن تیمیہ کچھ نہ باورہ سنجی نہیں تھے لیکن مجبور تھے وہ فرقہ وارانہ عقول اور فرق اسلامیہ کے بارے میں جو مسلک اختیار کرتے ہیں جو صحت اور تشدد و اصول وضع کرتے ہیں وہ ان کا اجتہاد ہے لیکن غیر مسلموں کے بارے میں اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ قرآن موجود ہے۔ سنت رسول موجود ہے۔ سو وہ خلفائے راشدین موجود ہے۔ لہذا ان کے بارے میں جب فتویٰ دیتے ہیں تو ان کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے ہیں۔ اور وہ وہی کہتے ہیں جو کہہ سکتے ہیں جو کہنا چاہتے ہیں طبیعت کی درشتی لاکھ مجبور کرے لیکن

حق سے تو اعراض نہیں کر سکتے۔ چنانچہ کافر حربی کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں۔

وإذا اقتدر على كافر حربى فاذا
 نطق به الكفت عنه ثم ان لم يصل
 فانه يقتل فان صلى والاقتله
 الامام وليس لاحد من الرعية قتله
 اما يقتله ولى الامور عند ابي حنيفة
 يعاقبه ببدن القتل
 ودر اگر کسی کافر حربی پر قابو مل جائے اور
 وہ قبول اسلام کا اقرار کر لے۔ تو اسے چھوڑ
 دینا چاہیے۔ پھر اگر نماز نہ پڑھے، کبیراں سے
 توبہ نہ کرے اور اب اگر نماز پڑھے تو ٹھیک
 ہے۔ ورنہ امام اسے قتل کی سزا دے گا لیکن
 لیکن افراد امت میں کسی کو یہ حق نہیں ہوگا۔ اسے
 صرف اولی الامر ہی قتل کی سزا دے سکتا ہے
 اور ابو حنیفہ کے نزدیک اسے سزا دی جائے گی
 قتل نہیں کیا جائے۔

اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔ کہ علامہ نے جو دعائیں کافر حربی کو دی ہیں
 وہ طائفہ مرتدین، خوارج، روافض، علیدین و نصیریوں کو نہیں دی ہیں۔
 کفرور کی بات مانی جائے گی یا شنیعہ کی
 کافروں کا ایک گروہ مسلمانوں کے ہاتھوں میدان جنگ میں گرفتار ہوتا ہے۔ اپنی
 جان بچانے کے لئے یہ دعویٰ کرتا ہے۔

ہم ذمی ہیں:

اسلام کی فتح کا پسہ دار اور لشکرِ یانے مسلمان گواہی دیتے ہیں۔ نہیں یہ حربی ہیں میدان
 جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں۔

لیکن امام مسلمین سپہ دار اور لشکرِ یانے اسلام کی بات نہیں مانتے گا۔ ان کو گرفتار
 کافروں کی بات مانے گا۔ انہیں ذمی قرار دے گا۔ اور پروانہ لائی عطا کر دے گا۔

مختصر الفتاویٰ المصریہ، باب تیمہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۱

اگر کسی چھوٹے لشکر اسلام نے جو امام مسلمین کے علاوہ کسی سردار کی ماتحتی میں جہاد پر گیا ہو اور اس نے جہاد کر کے کسی گروہ کو اسیر کر لیا۔ اس گروہ نے امام مسلمین کے سامنے (یعنی کسی ایسی قوم یا گروہ) ان مسلمان لوگوں نے ہم کو دارالاسلام سے اسیر کیا ہے۔ اور لشکر و اولیٰ نے کہا کہ یہ اہل حرب ہیں۔ ہم نے ان کو دارالحرب سے گرفتار کیا ہے۔ تو قول ان ایسوں کا قبول ہوگا۔

کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ

۱۔ اسلام جنگ نہیں چاہتا۔

۲۔ دین و مذہب کے معاملے میں جبر نہیں روا رکھتا۔

۳۔ غیر مسلموں کی جان، مال، عزت، اسیر و کاپورا احترام ملحوظ رکھتا ہے۔
 ۴۔ ہر شبہ، سرغلط فہمی، ہر شک کا نائدہ مسلمان کے مقابلے میں غیر مسلموں کو دیتا ہے۔
 ۵۔ غیر مسلموں کی ان باتوں کو بھی برداشت کرتا ہے جنہیں وہ مسلمانوں کے لئے حرام مطلق قرار دے چکا ہے۔

۶۔ ان کی غلبت تک کو حرام قرار دیتا ہے

پھر کیا اس کے بعد بھی اسے مارا جاوے گا؟

اس پر تعجب کا انزام لگایا جائے گا۔

اسے تنگ دل اور تنگ نظر قرار دیا جائے گا؟

اسے فریون بیٹھی کا تہسپ کہہ کر اس کا مذاق اڑایا جائے گا؟

دلی کی مسجدیں جلدہاگذا کرادی جائیں گی لیکن آٹھ سال کی مدت میں بھی یہ وعدہ
تعمیر نہ تکمیل نہ ہو سکا!

اس کے برعکس اسلام غیر مذاہب کی عبادت گاہوں کا، عبادت گاہ کی حیثیت
سے اس حیثیت سے کہ وہاں خدا کا ذکر ہوتا ہے پورا احترام کرتا ہے۔ چنانچہ

وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ فِي الْكَنِيسَةِ سَلَامًا
عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں

میں مسلمان نماز پڑھ سکتے ہیں

اہل کتاب کو جھٹلانے کی ممانعت

اس شخص نے عیسائیوں اور یہودیوں کو حکم خدا سے اہل کتاب قرار دیا تھا۔ اگرچہ
بات طے شدہ تھی کہ

فَاِنَّا نَتَذَكَّرُ اِنْ قَطَعْنَا عَانَ اَصْلِ
دِيْنِهِمْ مَا خُوذَ عَنِ الْمَرْسَلِيْنَ ثُمَّ
اَخْبَرْنَا اللّٰهَ اَنَّهُمْ قَدْ حَرَّفُوْا كَلِمًا
سَلَامًا
ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ
اہل کتاب کے دین کی اصل انبیاء مرسلین سے
ماخوذ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے
کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسمانی کتابوں میں
تحریف کی اور عیب ٹھونسے۔

مذہبی غلو اور تشدد کے باوجود اور اہل کتاب کی تحریف اور غلط گوئی کے باوجود
جب ان کی نظر اس حدیث پر پڑی تو وہ بھی خاموش ہو گئے۔

اِذَا اَحَدُكُمْ زَهِلَ الْكِتَابَ
قَالَ تَصَدَّقْ لَوْ لَمْ يَكُنْ يُوْهِمُ سَلَامًا
اہل کتاب جب کوئی بات کہیں تو نہ اس کی تصدیق
نہ کر دے نہ کذب کہے

یعنی تصدیق اس لئے نہیں کی جا سکتی کہ خدا معلوم یہ سچ کہہ رہے ہیں یا غلط ہے اور

اس شخص الفتاویٰ المصریہ لابن تیمیہ بطبوعہ مصر ص ۶۵ ۱۵۷ ایضاً صفحہ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

تکذیب میں نہیں کی جاسکتی کہ ممکن ہے کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہوں وہ تحریف شدہ نہ ہو۔
 صحیح ہو۔ لہذا اقتضائے احتیاط یہ ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے۔ غیر مذہب کے ساتھ یہ
 محتاط برتاؤ کیا کسی دوسرے مذہب میں نظر رکھنا ہے؟

کسی کافر پر لعنت نہ بھیجے

وہ کافر جو اسلام کے داعی اسلام کے اور تعلیمات اسلامی کے مخالف ہیں کسی بداندازی
 سے باز نہیں آتے۔ ٹھنڈی میں جو کچھ کر سکتے ہیں کہ گزرتے ہیں چچا بچہ گذشتہ چودہ سو سال کی تاریخ
 نشاندہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کیا۔
 لیکن بابت ہمہ اسلام ال کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کافر پر لعنت کی جائے اور اسے برا بھلا
 کہا جائے۔ چچا بچہ علامہ ابن تیمیہ باہر تشدد و نزاع اس مسئلہ پر کہ کافر پر لعنت کی جاسکتی
 ہے یا نہیں؟ یہ فتویٰ دیتے ہیں۔

لعن الکفار مطلقا حسن لما
 فیہ من الکفر واما لعن اطعین
 فیہی عنہ و فیہ نواع و ترکہ اولیٰ سلہ
 کفار کی جماعت پر بحیثیت مجموعی اگر لعنت
 کی جائے تو ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ وہ منکر اسلام
 ہیں لیکن نام لے کر کسی کافر پر لعنت کرنا منع ہے
 بعض علماء کا اس میں اختلاف بھی ہے۔ لیکن
 ترک اولیٰ اور انسب ہے۔

یہ فتویٰ ہے اس شخص کا جو اپنے مساک کے تشدد میں معروف ہے!

جزیہ

تعریف، مقدار، نوعیت، کیفیت

جزیہ ————— بڑا بدنام لفظ ہے!

یہ لفظ جیسے ہی غیر مسلموں کے کان میں پڑتا ہے۔ وہ خفا ہو جاتے ہیں۔ برہم ہو جاتے ہیں، اسلام کو برا سمجھنے لگتے ہیں۔ اسلام کے متعلق غیر مناسب الفاظ اور تندہ تلخ لب پہنچتے ہیں اظہار خیال کرتے لگتے ہیں

لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو نہ اسلام کو جانتے ہیں نہ جزیہ کو۔

جنہیں نہیں معلوم، اسلام نے جہاں اور تمام معاملات جہات میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ آسانی اور سہولت دی ہے۔ وہاں مسکین اور محسول کے معاملہ میں بھی مسلمانوں پر نہیں اتنا ترجیح دی ہے۔ مسلمانوں سے طرح طرح کے مسکین اور محسول لئے جاتے ہیں، لئے لگتے لگتے جاسکتے ہیں لیکن غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کے

”علماء نے نو نگر متوسط الحال اور فقیر معتمل کی شناخت میں گونگر کی ہے
چنانچہ شیخ ابو جعفر نے فرمایا کہ ہر بلاد میں وہاں کا عود معتبر ہو گا۔ پس حسن
بلاد والے اپنے شہر میں جسے نو نگر یا متوسط یا فقیر شمار کرتے ہوں وہ ایسا ہی
ہو گا اور یہی اصح ہے۔

اور اس سے بڑھ کر مافیل و دل جو اب اور کیا ہو سکتا ہے؟

ایک اور معیار

اہم کرنی رہے فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو تقریباً دو سو درہم کا مالک ہو
متوسط وہ ہے جو دو سو سے زیادہ دس ہزار درہم تک کا مالک ہو۔ اور نو نگر وہ ہے
جو دس ہزار درہم سے زیادہ کا مالک ہو شیخ رضی اللہ عنہ یعنی قاضی حسن بن منصور
کا قول ہے کہ اعمام اس باب میں کرنی رح کے قول پر ہے سہ

بیماری کی معافی

”اگر ذمی تمام سال بیمار رہا اور اس نے کام کرتے پر قدرت نہ پائی۔ تو

اگر وہ نو نگر ہے۔ تو بھی اس پر جو زیہ واجب نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر نصف سال یا

زیادہ بیمار رہا تو بھی یہی حکم ہے سہ

مخبر فرمایا ہے یہ رعایت ”ذمی تک کو دی جا رہی ہے۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی سے جو زیہ لیا جاتا ہے۔ وہ اس کی جمع جمعیت سے

نہیں لیا جاتا صرف اس کی کارکردگی سے۔ ممول کیا جاتا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایک

سہ ذمی قاضی خان سہ الایضاح

حاشیہ صفحہ ۴۹۹ کا ہے۔ فقیر یا پنج جو کے برابر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ درہم ۶ مثقال یعنی ۴۰ ایرام کا

ہوتا ہے یعنی ۶۰ جو کے برابر ہمارے ملک کے حساب سے ایک درہم کا وزن ۲۰ ماشہ ہے اور ۱۲ ماشہ ۱۲ اتنی کے قریب

ہوتا ہے جس کی قیمت آج کل کے حساب سے تقریباً چار پانچ آنے ہوتی ہے سہ فتح القیومین ہدایہ اندر کافی ۱۲

تو نگرانی اگر سال بھر باچھ مہینے بیمار رہے تو اہل پر سے جزیہ ساقط ہو جائے۔

جزیہ سے مستثنیات

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ اسلامی حکومت جن کے مفاد و قیام کی ذمہ داری ہے۔ لیکن ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا

’ذاریح ہو کہ عورت، بچہ، اندھا، مقنوج، بوڑھا اور فقیر غیر معتمل (بیکار) جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔‘

’مجبوزوں اور پانچ پر بھی جزیہ نہیں ہے۔‘
’مستثنیٰ سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔‘

چند اور مستثنیات

جزیہ کے سلسلہ میں مستثنیات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ چنانچہ مذکورہ لوگوں کے علاوہ اور بھی کچھ لوگ جزیہ سے معذور قرار دیئے گئے ہیں۔

’میک، مکاتب، مدبر، ام ولد پر جزیہ نہیں بانڈھا جائے گا۔ نہ ان کے مولیٰ اور اقارب ان کی طرف سے لے کر لیں گے۔‘ — نہ راہبوں پر جزیہ عاید کیا جائے گا۔

غلبہ کے بعد جزیہ

فقہ اس کی بھی اجازت دیتی ہے کہ دشمن کو مغلوب کر لینے کے بعد اس سے جزیہ

لے لیا جائے۔ اور اس کی تمام ملاک اسے پس کر دی جائیں۔

’اور اگر امام کسی قوم اہل حرب پر غالب آید پھر اس کو مناسب معلوم ہو کہ ان کو ذمی بنا کر ان پر امان کی اور ارضی پر خراج بانڈھے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے سواد کو فہد اللیل کے ساتھ کہا تھا۔ تو یہ جائز ہے جب ایسا کیا گیا۔ تو یہ

لہ اہدایہ سنیہ اختیار شرح مختار سنیہ البحر المحیط سنیہ الہدایہ

لوگ: مٹی ہو جائیں گے اور

۱۔ کنیسہ بنانے

۲۔ مسجد بنانے

۳۔ تہ نش خانہ بنانے

۴۔ بیچ خمر

۵۔ ادب بیچ خمر: یہ سے منع نہ کئے جائیں گے نہ

کیا ایک مغلوب اور مفتوح دشمن کے ساتھ اس سے بڑھ کر بھی کوئی بات کی جا سکتی ہے؟

جسریہ کی تاریخ

یہ خیال بھی غلط ہے کہ جزیرہ اسلام کی بدعت ہے!

تاریخ کے اوراق کھنگالے جائیں تو معلوم ہو گا۔ کہ جزیرہ بہت پرانا محصول ہے۔

فرق جو کچھ ہے۔ وہ یہ کہ مسلمانوں نے اس بوجھ کو زیادہ سے زیادہ ہلکا کر دیا۔ اور تمام حقوق

مسلمات عطا کر دیئے۔ مسلمانوں سے پہلے یہ حقوق کسی قسم کے حاصل نہ تھے۔ اور یہ بوجھ

جان لیواؤں کیا تھا۔

یہ قدیم زمانہ کا ایک ٹسکیں ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں جب

ساحل ایشیا سے کوچک کے باشندوں کو یونانیوں نے اپنی حمایت میں لے کر

قیقہہ وکیل کے حملہ سے بچایا ہے۔ تو ان سے جزیرہ وصول کیا جاتا تھا۔ جس کو

حفاظت جہان کے صلہ میں یہ لوگ خوشی سے ادا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح

یونانیوں نے جب گال و فرانس کا ملک فتح کیا ہے۔ تو وہاں کے باشندوں پر

گنتی سے ۵ گنتی تک سالانہ جزیرہ وصول کیا تھا۔ اس کے بعد یونانیوں سے ایران

میں یہ ٹسکیں آیا۔ جس کا نام گزیت تھا۔ گزیت کے لغت میں یہ معنی ہیں

۱۶۹ جلد اول مطبوعہ مصر

گزیت ذر سے باشد کہ حکام ہر سال از رعایا گیرند: آن را خراج ہم گویند
 ذر سے دینز گویند کہ از ذمی می ستانند
 گزیت کی سند میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گمش خانان خراج چیں فرستہ
 گمش قیصر گزیت یں فرستہ
 (نظامی گنجوی)

گزیت ز باد و شش درم
 بخرستان بر ہمیں ز درستم
 (شردوسی)

فردوسی کہتا ہے کہ سامانی ہمد میں انگور کی ٹٹیوں اور کھجوروں پر چھ درہم
 کے حساب سے لگان (گزیت) لیا جاتا تھا۔

جب مسلمانوں نے ایمان فتح کو لیا تو مغیر مسلم رعایا پر حفاظت جان
 و مال کے معاہدہ میں جو یہ مقرر کیا گیا اور جزیرہ دیشے والے فوجی خدمات
 سے معاف کر دیئے گئے۔ عہد عباسیہ میں جزیرہ کی شرح یہ تھی۔

۱۔ دو لہند	۴۸ درہم (بارہ روپے)	سالانہ
۲۔ متوسط	۲۴ درہم (چھ روپے)	۴
۳۔ غریب	۱۲ درہم (تین روپے)	۴

بیس سال سے کم عمر والے اور پچاس سال سے زائد عمر والے پورھے

مرد، عورت، بچوں، مفلیج، اندھے، مفلس، راہب، عیسائی، درویش، اور
 فوجی لازم جزیرہ سے بری تھے اور حکام کی رپورٹوں پر کمی بھی ہو جاتی تھی اور
 کبھی بجائے فی کس ٹیکس چوکیداری کی طرح فی گھر جزیرہ وصول ہوتا تھا اور یہ

ٹیکس بذریعہ اقساط وصول کیا جاتا تھا اور نقدی کے عوض کبھی جزیہ میں سے ہری
جنس بھی قبول کی جاتی تھی۔ چنانچہ تجران کے عیسائی بجلے نقدی کے حلقے
رایک قسم کا باکس، دیا کرتے تھے۔

بہر حال جزیہ کوئی مذہبی ٹیکس نہ تھا۔ بلکہ حفاظت جان و مال کا ایک معمولی معاوضہ تھا۔
اور لفظ جزیہ عربی نہیں ہے۔ بلکہ گزیت سے عرب ہوا ہے۔

جزیہ کے مفصل حالات کے لئے قراہ و نوشیران کا قانون دیکھنا چاہیے، یہ رقم
خراج سے جدا گانہ تھی۔

چند اور مسائل

جہاد چھ پرہستان جہادی ہوتی

گذشتہ صفحات میں ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ فقہ اسلامی غیر مسلموں کے ساتھ کیسے روادارانہ قوانین پر مشتمل ہے۔

ذیل میں ہم چند اور مسائل بیان کرنے ہیں۔ یہ مسائل اگرچہ فقہی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر بغیر تفصیل و استیعاب ان کا مسلماً لکھ کر چلے تو ان سے بھی یہ بات واضح ہو جائے گی۔ کہ نہ صرف کلیات میں بلکہ جزئی امور میں بھی غیر مسلموں کے جذبات کا کس درجہ پاس و لحاظ رکھا گیا ہے۔ ————— حالانکہ قانون بڑی خشک اور سنگدل چیز ہے۔ اسے رحم و رعایت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن فقہ اسلامی کے قوانین چونکہ تعلیمات اسلامی پر مبنی ہیں۔ اہل لئے یہ اپنی نوعیت میں بالکل منفرد ہیں۔

اپنی ملت پر قبائل اقوام مغرب سے نہ کر : خاص ہے کہ قبیل میں قوم رسول ہاشمی

دعوت اور جہاد

جہاد کے متعلق فقہانے بیانات اور زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کر دی ہے کہ جب تک اسلام کی دعوت نہ دی جائے۔ دشمن سے لڑائی روا نہیں۔

سچے لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ہے۔ انہیں پہلے دعوت اسلام دی جائے۔ بغیر دعوت ان سے لڑنا جائز نہیں ہے۔

پاس عہد

کفار دشمنین سے جو عہد کیا جائے۔ اس کی پابندی بہر حال لازمی ہے؛ عہد توڑنا مثلاً یہ معاہدہ کیا کہ اتنے دنوں تک جنگ نہیں ہوگی پھر اسی زمانہ عہد میں جنگ شروع کر دی تو یہ ناجائز ہے۔

مقتول دشمن سے سلوک

یہ عام رواج تھا کہ دشمن کو قتل کرنے کے بعد اس کا منہ کھرنے تھے یعنی اس کے ہاتھ پاؤں ٹاک وغیرہ کاٹ کر اسے بہت زیادہ پھینک دیتے تھے لیکن اسلام میں یہ جائز نہیں۔

مثلاً یعنی ہاتھ پاؤں یا ٹاک کان کاٹنا یا منہ کالا کر دینا جائز نہیں۔

قاتل اور اندھے مسلمان کی امان

دشمن کو امان دینے کے لئے اسلام نے اور اس کے قانون نے تقریباً گولی شرط نہیں رکھی ہے۔ یہ وہ حق ہے جو سب کو حاصل ہے:

مسلمان آزاد مرد یا عورت تھے کافر ہیں سے کسی ایک مرد کو یا کسی کافر جماعت کو یا پورے شہر کفار کو امان دے دی۔ تو یہ امان صحیح ہے نافذ ہو جائے گی۔ اب کسی کافر کا قتل جائز نہیں۔ اگر چہ امان دینے والا تاسفی ہو

یا اندھا ہو۔ یا بہت بوڑھا ہو۔ یا ان صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ کفار
نے فقط ان سن رہا ہو۔ اگرچہ وہ کسی زبان میں ہو۔ اگرچہ اس لفظ کے معنی وہ نہ
سمجھتے ہوں۔

اے دلی نسلوں پر دُورِ داری
اسلام غیر مسلموں کے ساتھ وقتی معاہدہ نہیں کرتا۔ دائمی پیمانہ بانڈ عتنا ہے مفتوح
بعد مغلوب کافروں سے جن شرائط پر صلح کی جاتے۔ وہ صرف ایک دو کے لئے نہیں ہوتے۔
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوتے ہیں۔

اگر کسی شہر کو بیٹھ صلح مسلمانوں نے، فتح کیا تو جن شرائط پر صلح ہوئی
وہ قائم رہیں گے۔ بن شرائط کی خلاف ورزی کرنے کی نہ صلح کرنے والوں کو
اجازت ہے نہ بعد میں آنے والی نسلوں کو اور وہاں کی زمین انہی لوگوں کی
رک رہے گی۔

کیا اس سے زیادہ احترام ایک غیر مذہب کا ممکن ہے؟
مسلمان اور دار الحرب

دار الحرب میں کوئی مسلمان رہا کر گیا تو وہاں دالوں کی جان سے
تعرض نہ کرنا اس پر حرام ہے۔ کیونکہ ان کا پلہا کرنا: اجسب ہے۔ اسی طرح کافروں
کی عورتیں بھی اس پر حرام ہیں۔
قاضی کی بیسی

مسلمان دار الحرب میں رہا کر گیا۔ اس سے وہاں کسی حربی کو قرض دیا
یا کوئی چیز اس کے ہاتھ آدھانہ بچی۔ یا حربی نے مسلمان کو قرض دیا یا اس کے
ہاتھ کوئی چیز آدھانہ بچی۔ یا ایک نے دوسرے کی کوئی چیز غصب کی۔ پھر یہ

۱۔ در مختار ۲۔ در مختار ۳۔ جوہرہ۔ در مختار

دو دنوں والا اسلام میں آئے۔ تو قاضی شہر کوئی فیصلہ نہ کرے گا۔ ہاں اب یہاں آنے کے بعد اگر اس قسم کی بات ہوگی۔ تو فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دو حربی المین سے کوہ والا اسلام میں آئے اور دار الحرب میں ان کے درمیان اس قسم کا کوئی معاملہ تھا تو ان کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔

ذمی عورت، اور حربی مرد

مگر ایسے عورت، المین سے کوہ والا اسلام میں آئی۔ اور اس سے کسی مسلمان یا ذمی نے نکاح کو لیا۔ تو یہ عورت ذمہ ہوگئی۔ اب دار الحرب نہیں جاسکتی اسی طرح اگر میاں بیوی دونوں آئے اور شوہر مسلمان ہو گیا۔ تو عورت نہیں جاسکتی۔ اور اگر حربی مرد نے کسی ذمی عورت سے نکاح کیا۔ تو اس عورت کی وجہ سے وہ ذمی تصور نہیں کیا جائے گا۔ وہ طلاق دے کر جاسکتا ہے۔

الدار اپنا حج

جزیہ اپنا حج اور محذور سے نہیں لیا جاتا۔ لیکن اگر وہ دولت مند ہو تو بھی نہیں لیا جاسکتا۔

بچہ، عورت، غلام، پاگل، بہرا، لہجہ، اپنا حج، قتلچ زدہ، بیمار، بوڑھا، عاجز، اندھا، فقیر، ناکارہ، پجاری، لہا، سب ان میں سے کسی سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اگرچہ یہ بیمار اور اپنا حج وغیرہ مالدار کیوں نہ ہوں۔

ایک اور رعایت

ذمی جو کچھ کمانا ہے۔ وہ سب اس کی ضروریات میں صرف ہو جاتا ہے۔ کچھ بچتا نہیں۔ تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

غور و غمناک سے در مختار سے در مختار سے فتاویٰ عالمگیری

ذمی اگر مر جائے

کوئی ذمی اثنائے سال میں یا سال تمام کے بعد مسلمان ہو گیا۔ تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اگرچہ کئی سال کا اس کے ذمہ باقی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی ذمی مر جائے یا اندھا ہو جائے یا پا پا سچ ہو جائے یا فقیر ہو جائے یا کام پڑنا رہ نہ رہے تو اس کا جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

جزیہ کا اصل اصول

جزیہ کے بارے میں اصل اہل یہ ہے:

ان الله اوجب الجزية على من هو اهل القتال فلا تجب

على من ليس من اهل القتال۔ یعنی اللہ نے اہل قتال پر جزیہ واجب کیا ہے۔ جو لوگ قتال کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان پر نہیں واجب ہو گا۔

ذمی اگر رسول کو گالی دے

ایک مسلمان کے لئے رسول اللہ سے زیادہ محبوب ہستی کس کی ہو سکتی ہے۔ — بنی کی حرمت پر کٹ مزاہر مسلمان کا تو شکر از ترین فریضہ ہے مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن نبی کی توہین ہواشت نہیں کر سکتا۔

لیکن اگر کوئی کافر ذمی بن چکا ہے۔ اسلام کی پناہ میں آچکا ہے۔ تو اب اگر وہ نعوذ باللہ سب نبی کرے یعنی رسالت کتاب کو گالی دے تو بھی اس کا ذمہ قائم رہے گا۔ اس کے حقوق قائم رہیں گے۔ اسے باغی تصور نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ ہماری طرح رسول اکرم کے احترام پر مجبور نہیں ہے۔

ذمی جزیہ دینے کا سلسلہ بند کر دے مسلمان کو قتل کر ڈالے۔ یہ تکفیر کی نشان دہی گستاخی کرے کسی مسلمان عورت کی آبروریزی کرے۔ ان

میں سے کوئی فعل بھی ذمہ کو ختم نہیں کر سکتا اسے تو انہیں مردہ کے
 ماتحت مزار ان جرائم کی ملے گی، لیکن عقدہ ذمہ قائم رہے گا۔ سو اس کے
 کہ وہ علانیہ بغاوت کا مرتکب ہو یا فتنہ و فساد کا جرم اس سے سرزد ہو سہ
 ذمی کا ذمہ بیت المال سے

اگر کوئی ذمی اپنے کسی دشمن کے پیچھے پھنس جاتا ہے اور یا بعض دشمن اس بات
 پر اڑا ہوا ہے کہ جب تک ذمہ نہیں ملے گا اسے رہا نہیں کرے گا۔ —
 ایسی صورت میں اسلام کا بیت المال ذمہ کی رقم ادا کرے گا۔ اور اس غیر مسلم کو دشمن کے
 پیچھے سے نکال کر اپنے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔
 اگر کوئی ذمی دشمن کے قبضہ میں آجائے اور اس کی رہائی ذمہ پر منحصر
 ہو تو اس کا ذمہ مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائیگا۔
 یہ ہے قرونِ وسطیٰ کا اسلام! — کاش دنیا کے محکمہ مغلوب مسلمانوں کو
 وہی حقوق اسلام کے معتزضین دے دیتے جو اسلام نے غیر مسلموں کو دیئے ہیں۔

اعتراض و جواب

افسانہ اور حقیقت کا تصادم

گذشتہ صفحات میں ہم بسط و تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ فقہ اسلامی نے
 زمینوں اور غیر مسلموں کو اسلامی حکومت اور اسلامی غلبہ کی صورت میں کتنے اور کیسے
 مساویانہ حقوق دیئے ہیں۔ یہ وہ حقوق ہیں جو موجودہ دور جمہوریت میں کوئی حکومت اپنے
 سیاسی مخالفین اور مشتبہین تک کو نہیں دیتی۔ امریکہ میں میکا تھی نے تلپیر کی جو ہمہ
 شروع کر رکھی تھی اس کی زد سے سابق صدر ریڈین تک نہ بچ سکے۔ مصر میں جنرل نجیب
 اور کرنل ناصر نے نحاس پاشا کے ساتھ جو کچھ کیا اور ایران میں ڈاکٹر مصدق کے ساتھ
 جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ کل کا نہیں آج کا واقعہ ہے۔ اسی طرح روس میں اسٹالن کے
 بعد (NEXT TO STALIN) سب سے بڑے آدمی بیریا کو معزول کر کے حکومت
 کے حکم سے حملے کی طرح گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔ ہندوستان میں شیخ عبد اللہ کی گرفتاری
 جس جرم کے ماتحت عمل میں آئی۔ ان واقعات کو سامنے رکھ کر زمینوں اور غیر مسلموں کے

حقوق پر ایک نظر ڈالنے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

اب ہم ان اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو فقہ اسلامی پر زور رکھے جاتے ہیں جن کی رو سے فقہ اسلامی پر الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ ذمیوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ روا رکھتی ہے۔ وہ ذمیوں سے جسکی لینے بقت انہیں ذمیوں کے لئے محصل کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اس کا گلا پکڑ کر جھٹھوڑے اور اسے "عذر اللہ" کہہ کر جزیہ کا مٹا لے کر سے مرتد کے لئے سترائے موت تجویز کرتی ہے۔ ذمیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنا لباس تک مسلمانوں کا سا نہ رکھیں۔

یہ ہیں وہ اعتراضات جو فقہ پر زور رکھے جاتے ہیں ہم مانتے ہیں فقہ کی بعض کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں لیکن یہ متاخرین فقہاء کی اہج ہے۔ اور وہ اس کی بنا قرآنی لفظ صاعدون پر قائم کرتے ہیں لیکن بول تو صاعدون کا وہ مطلب نہیں جو ان متاخرین فقہائے لیا ہے۔ دوسرے اہل فقہانے نہ صرف ان باتوں کو تسلیم نہیں کیا بلکہ انہیں قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ پیسے یہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ عقلی طور پر یہ سمجھی تاغذ نہیں ہوئے۔ اور اس کا اعتراض غیر مسلم موذین تک نے کیا ہے جس کا ذکر آگے چل کر ہم کریں گے۔

مسئلہ ارتداد

مسئلہ ارتداد کے بارے میں قرآن و حدیث کا مسلک ہم اچھی طرح صفحات سابقہ میں پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم فقہ کو لیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فقہ مرتد کی سزا قتل تجویز کرتی ہے لیکن اول تو اس کی سزا لکیرہ پابندیوں کی بنا پر اس کا قاتل تقریباً ناممکن ہے۔

مسلمانوں کا فقہی قانون جو ہم ارتداد کی سزا معین کرتے ہیں بہت

نرم ہے۔ "موید الایصار" کا مصنف لکھتا ہے کہ

"کسی مسلمان کے ارتداد پر اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جائے گا

جب تک کہ اس کے الفاظ کا کوئی عمدہ محل پیدا ہو سکتا ہو۔ یا جبکہ اس کے
کفر میں اختلاف سامنے ہو۔ اگرچہ کہ اس اختلاف کی بنیاد غیر صحیح احادیث
ہی پر کیوں نہ ہو۔

دوسرے جیسا کہ اس سے پیشتر ہم کہیں عرض کر چکے ہیں، فقہ کے سامنے ارتداد
ہمیشہ بغاوت کے روپ میں آیا۔ اور باغی کی سزا قتل کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتی۔ اس
طرح فقہ کے نزدیک ارتداد اور بغاوت ہم معنی الفاظ بن گئے۔

نافیہ ترویج و دلیل

ممکن ہے ہمارے اس قول کو قول بلا دلیل کہا جائے لیکن ہمارے پاس اس
دعوے کی تائید میں ایسا حکم ثبوت موجود ہے جس کی ترویج نہیں کی جاسکتی جس سے
انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جس کی تائید بھی ہمیں کی جاسکتی۔

فقہ نے مرتد مرد کے قتل کا فتویٰ دیا ہے لیکن مرتد عورت کو قتل سے مستثنیٰ رکھا
ہے۔ اس لئے کہ اس میں عورت ہونے کی وجہ سے یہ صلاحیت نہیں کہ وہ باہنشاہ یا حکومت
کے خلاف صف آرا ہو۔ برسرِ جنگ ہو۔ اور تمہیں مار لے کہ اس کے مقابلے کو نیکے۔ وہ صرف
مرتد ہے باغی نہیں۔ ہند میں کافر قتل بھی جائز نہیں۔ ————— کیا اس پر بیان

قاطع کے بعد ہمیں کسی اور دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت ہے؟

قرآنی آیت اور اس کا مطلب

صاعقون کا لفظ قرآن میں سورہ توبہ کے اندر آیا ہے۔

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِقُونَ۔ اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی

صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا ہے:

یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اندر رعیت بن کر جو یہ دینا منظور کریں!

۱۔ دلائل کتاب الجہاد باب المرتد صفحہ ۷۴۴ مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ ہجری ۱۹۰۰ء

مولانا شرف علی رح اپنے عہد کے حکیم امت نے جلتے تھے انہوں نے ذیل ہو کر
ترجمہ نہیں کیا۔ ماتحت اور رعیت بن کر کیا اور یہی صحیح ہے!

دوسرے ائمہ کی رائے

امام شافعی رح کی جلالت شان سے کون بھا کر کہہ سکتا ہے؟ ان پر امام ابو حنیفہ رح کی
طرح صاحب الامرائے ہونے کا التزام بھی نہیں ہے۔ وہ خالص عرب تھے، ہاتھی تھے،
تھانہ ان رسول کے ایک فرد تھے۔ ان کی فقہ تمام تر حدیث ہی ہے انہوں نے بھی صغار
کی یہ تفسیر تسلیم کی ہے کہ ذمیوں کا مسلم مملکت کا قانون تسلیم کر لینا اور ٹیکس دینا بجائے خود
اہانت ہے اس لئے کہ جب وہ لڑنے اور مخالفت کرنے کے بجائے اطاعت پر رضامند ہوئے
تو گویا خود انہوں نے اپنے لئے ماتحتی کی زندگی پسند کر لی۔ اس کے بعد عمال حکومت کی طرف
سے ذلت چپکانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حافظ ابن قیم رنتوی نے اس کی بھی یہی رائے ہے کہ ذمیوں کو ذلیل کرنے اور ان
سے اہانت آمیز لہجہ میں خطاب کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ وہ اسے ملتے
ہیں کہ نہ آیت سے یہ مطلب نکلتا ہے نہ رسالہ کتاب اور حلقائے ماشین رح سے ایسی
کوئی روایت پہنچی ہے۔ امام شافعی رح نے کتاب اللہ میں جو فقہ شافعی کی مستند ترین
کتاب ہے۔ فرمایا ہے۔ صغار یا عیسائیوں کی ذلت صرف یہ ہے کہ وہ
توانوں مملکت کی پیروی کریں۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ آیت ذمیوں کے بارے میں ہے
بھی نہیں۔ اس کی شان نزول ان عیسائیوں سے متعلق ہے جو شامی سرحد پر مجتمع ہو کر
فتح مکہ کا خواب دیکھ رہے تھے۔

مشہور حنفی المذہب مصنف جو اس صدی میں شام و مصر و ترکی

۱۰ فتح البیان حصہ اول از اب عبدی حسن خاں، ۱۱ کتاب الامم والشانعی، ۱۲ کتاب الامم (الشافعی)

ذراہب کا مشہور فقیر گذرا ہے۔ اور جن کا نام ابن عابد بن محمد ابن ہے۔ اور جس نے وہ المختار کی شرح لکھی ہے۔ وہ اپنی کتاب رد المحدثات میں لکھتا ہے کہ:

مصنف ہدایہ نے جہاں اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ از روئے حدیث
ٹکیس و صہل کرنے والوں کو چاہیے کہ اس کا ٹکلا پکڑے اور کہے اے
ذوقی! محمول ادا کرو! تو صاحب ہدایہ کو اس حدیث پر یقین نہیں ہے۔ اور وہ
اس پر اہتمام نہیں کرتے کہ

علاوہ انہیں:

اہم تو وہی ہے جو ساتویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں، خاص کر اس
قانون کی نسبت بر اجلا کہا ہے۔ وہ اپنی کتاب منہاج میں بیان مذکورہ کو نقل کرنے
کے بعد یہ رائے دیتے ہیں:

یہ حالت اب بالکل کا عدم ہے۔ اور اسے مستحب جہاں کرنا خطائے
شدید ہے!

امام شہاب الدین احمد ابن حجر شمشیری کی جہنوں نے شرحہ میں وفات
پائی۔ اپنی شرح کتاب مذکور میں یہ فرماتے ہیں:

یہ حالت اب بالکل کا عدم ہے کیونکہ سنت میں اس کی کوئی بنیاد یا
سند نہیں ہے اور نہ حلقائے راشدین نے کبھی ایسا عمل کیا ہے۔ اور اسی بنا
پر ائمہ میں صحت لکھا ہے کہ ٹکیس بڑے اخلاق کے ساتھ ذہول کیا ہے
ان کی اہمیت صرف اس قدر ہے کہ ہمیں قانون کی اتباع کرنی پڑتی ہے لیکن
ان کے ساتھ کسی قسم کا برا سلوک کیا جاتا ہے اور نہ ماہر پیٹ کی جاتی ہے

۱۵ رد المحدثات جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

ہے چونکہ یہ بلا جبر بدصلوکی ہے۔ لہذا ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔
 کتاب اقم جس کا حوالہ پیشتر دیا گیا ہے۔ امام شافعی کی تالیف ہے جو مذہب فقہ
 کے چار ائمہ میں سے ہیں۔ وہ ہجری کی دوسری صدی میں تھے رسن پیدائش ۱۵۰۔ اور
 سن وفات ۲۰۴ ہجری،

فقہ کی مشہور کتاب بدایہ کے انگریزی ترجمہ میں بھی یہی بات موجود ہے:
 جن لوگوں سے جزیہ طلب کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اس کے دینے پر
 راضی ہوں تو اسی حفاظت اور حقوق کے مستحق ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں
 کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جزیہ دیتے ہیں تاکہ ان کا خون مسلمانوں
 کے خون کے مانند اور ان کا مال مسلمانوں کے مال کے مثل ہو جائے۔
 اسی طرح جامع صغیر میں بھی یہ بات موجود ہے!

جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر کسی ذمی سے سال کے گزر جانے
 تک جزیہ وصول نہیں کیا گیا۔ اور وہ سراسر سال پہنچا تو پچھلے سال کا ٹیکس
 نہیں لیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ کی سائے سے ہے۔
 ذمی کی توبہ

نکاح کا مسئلہ کتنا اہم ہوتا ہے۔ شرعی، اخلاقی، قانونی، عرفی ہر اعتبار سے اس کی
 اہمیت مسلم ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ نکاح کے معاملہ میں ہم کسی ذمی کو اپنا کیوں
 بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہیں۔ آخر ایک غیر مسلم کو کسی مسلمان
 کے نکاح سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ کیوں نہ ایسے موقع پر کسی مسلمان ہی کو وکالت سپرد
 کی جائے۔ ٹھیک ہے ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان

بدایہ، مترجمہ چارلس ہملٹن جلد دوم صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ لندن ۱۹۱۷ء۔

جلد ۲، بدایہ، جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ ترجمہ انگریزی سر چارلس ہملٹن۔

کسی غیر مسلم زنی کو اپنے نکاح کے سلسلہ میں وکیل بنانا چاہے۔ تو شرعاً اسے نہیں روک سکتی۔ وہ ایسا کر سکتا ہے اور زنی کی وکیل چاہتے ہوگی۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔
ذنی کی دل شکنی

فقہ کی بعض معتبر و مستند کتابوں میں صاف طور پر مرقوم ہے کہ ذمیوں سے ایسے الفاظ میں مخاطب نہ کیا جائے۔ جس سے ان کا دل دکھے یا وہ اپنی توہین محسوس کریں۔

”اسلامی فقہ میں کسی ذمی کو یا کافر اور یا عدو اللہ کے الفاظ سے مخاطب کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور ایسے شخص کے لئے عسراً مقرر کی گئی ہے۔ جو غیر مسلم رعایا کی تکلیف دہی یا دل آزاری کے لئے ایسے غیر مہذب الفاظ سے ان کو مخاطب کرے۔ وہ المختار کا مصنف ’تنبیہ تصنیف نجم الدین زہد ہی منونی ص ۱۵۷ سے نقل کرتا ہے کہ ایک ذمی کو لفظ ”یا کافر“ سے مخاطب نہ کرنا چاہیے۔ اور جو شخص اس لفظ سے مخاطب کر کے اس کا دل دکھاتا ہے۔ وہ گنہگار ہوتا ہے۔“

مصنف ’دوا المختار شرح دوا المختار“ اس فقرے کی شرح میں ہیں کہ ”جو شخص اس لفظ سے مخاطب کر کے اس کا دل دکھاتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے۔“ لکھتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے والے کے لئے قانونی عسراً مقرر کیا گئی ہے۔

مصنف ’بجری“ کی بھی یہی رائے ہے۔ مصنف ’دوا المختار“ نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ لیکن صرف ’بخاری“ کا مصنف اس

پر مستز عن ہے سہ

کیا ان واضح تر تشریحات کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ اسلامی دیموں
کی توہین و تذلیل ردالہ کھتی ہے؟ انہیں مساویانہ حقوق نہیں دینی؟ ان کے ساتھ
متعصبانہ سلوک کرتی ہے؟

ملہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۶ مطبوعہ مصر بحوالہ اعظم الکلام

اعترافات

مسلمانوں کے حسن سلوک کا اعتراف غیر مسلموں کی زبان سے

ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ قانون اسلامی اور شرع اسلامی نے وہیوں اور غیر مسلموں کو کیسے مساویانہ حقوق عطا کئے ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ معتز عقیدین کی طرف سے اس سلسلے میں بعض فقہی مسائل پر جو اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی کتنے کمزور اور بوسے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ خود حقیقت شناس غیر مسلم مورخین نے کتنے فاضل اور برطانوی مسلمانوں کی عالی ظرفی اور وسعت قلب کا اعتراف کیا ہے۔ کتنی صفائی اور صداقت کے ساتھ مانا ہے کہ اسلام اور شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلموں اور مسلمانوں میں عملی طور پر کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہیں رکھا ہے۔ تسلیم کیا ہے کہ مسلم لوگ و سلاطین نے اپنے مفتوح و غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ملاحظت اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔

مورخ کا اعتراف

مسٹر نہری کو پی نے اپنی تاریخ "فتح ہسپانیہ" میں اس برتاؤ کے متعلق جو مسلمان، یہودی اور عیسائیوں سے کرتے تھے یہ تحریر کیا ہے:

"میں اس سے قبل اس برتاؤ کے متعلق جو یہودی اور عیسائیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ اور وہ قیاس اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن عملاً بوجہ تعصب و عناد نہری اس میں بڑی بڑی دشواریاں تھیں۔ باوجود اس کے کہ مسلمان اپنے مذہب کی پابندی میں بہت سخت ہیں۔ اور دیگر مذاہب کو ناقص اور باطل سمجھتے ہیں تو بھی اس برتاؤ کے مقابلہ میں جو عیسائی فرقے آخر زمانہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ردا رکھتے تھے۔ اور نیز اس برتاؤ کے مقابلہ میں جو عیسائیوں نے ہرزہ خانہ میں یہودیوں کے ساتھ ردا رکھا ہے مسلمانوں کا برتاؤ تمام اہل مذاہب سے نہایت مسامحت اور مسالمت کا تھا۔ یہی تو بڑی قوی وجہ تھی کہ مفتوحہ اقوام ان کی اطاعت، سہولت اور آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتی تھیں۔ البتہ مرتدوں کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ جو لوگ مطلوبہ خراج ادا کرتے تھے وہ اپنے مذہب میں آزاد تھے۔ یہ مذہبی آزادی یا مسالمت پیغمبر کا ایک نیا غنائہ خیال اور نیز سیاسی ضابطہ تھا۔ یوں دیکھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاساً ان کے مذہب کی اصل اس بات کی

سے مرتد کے بارے میں گزشتہ صفحات میں ہم تفصیل سے بحث و گفتگو کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام میں قتل مرتد جاتا تو نہیں ہے بشرطیکہ وہ باغی اور طاعنی نہ ہو نہری کو پی صاحب اس بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ چونکہ

اہل مذہب مسلسل پیدا کرتے چلے آئے ہیں، (اصغری) ۴

اجازت دیتی کہ تمام کفار کو غارت کر دیا جائے۔

ایک اور اعتراض

ایک اور فرنگی مورخ صاف اور واضح الفاظ میں کہتا ہے

”ان برائیوں سے اگر قطع نظر کر کے دیکھا جائے۔ جو ایک ایسی فوج کشی کے ساتھ ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو بھی فاتحوں کی پالیسی قیامتاً تھی۔ جن عیسائیوں نے ملک مفتوحہ میں رہنا پسند کیا۔ ان کے جان و مال کی پوری پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا سنی حاصل تھا۔ کہ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں۔ معینہ حدود میں انہیں کسے قانون رائج نہ ہو۔ بعض ملکی اور فوجی عہدوں پر ان کا تقرر کیا گیا۔ ان کی عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ فاتحوں کے ساتھ شادی بیاہ کریں۔ عرض از روئے قانون ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا۔ جس سے وہ مفتوحہ یا غلام محلوں میں۔ بی بیچ ہے کہ بعض اوقات عیسائی ظلم و ستم کے یا عام شورش کے شکار ہو جاتے تھے۔“

۱۷ ہنری کوپی صاحب کا یہ خیال بھی غلط ہے جس مذہب کی اصل تمام کفار کو غارت کر دینے کی اجازت دیتی ہو۔ وہ لہذا کہے ہو سکتا ہے اور لہذا کہی ایسا کہ جس جگہ گیا ہو وہاں لہذا اسی کا یہ کارہ قائم کر دیا ہو۔ جس کا اعتراض خود ہنری صاحب بھی اقرار ہے۔ اہل بات یہ ہے اور گزشتہ صفحات میں ہم اس پر بھی گفتگو کر چکے ہیں کہ جن کافروں کو غارت کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ وہی ہیں۔ جو خود بھی مسلمانوں کو غارت کرتے پر تیل گئے ہیں اور کسی طرح صلح و سلام کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ لہذا تاریخ فتح ہندوستان میں صحت کار نامہ لکھنا جو انہیں نے عہد پ کوپٹی مصنفہ ہنری کوپی ج ۲ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء میں لکھا ہے۔ انہیں انہی کے جس طرح عیسائی ظلم و ستم یا عام شورش کا شکار ہو جاتے تھے۔ اسی طرح خود مسلمانوں کے عہد حکومت دہلی (۱۲۰۶ء) میں

لیکن بحیثیت مجموعی ان کی حالت ان تمام عیسائیوں سے بہتر تھی۔
جو آئندہ زمانہ میں عیسائی حکمرانوں کے تحت میں تھے اور ہمارے سکس آبادیوں
کی حالت کے مقابلے میں جو تارمن فتح کے بعد کی تھی بہت ہی اچھی تھی۔
ایک اعتراض کا جواب

انتیازی لباس کے بارے میں جو اعتراض کیا جاتا ہے، اس کا جواب خود ایک عیسائی
اہل قلم نے بہت خوب دیا ہے۔

ڈیوڈ ریویو کے ایک مضمون نگار نے وان کریمر کی کتاب خلائے بنیاد
پر ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے:

بعض نے اس پر بہت کچھ زور دیا ہے کہ عیسائیوں کو ایک خاص قسم
کا لباس پہننا پڑتا تھا لیکن یہ کسی دولت کے خیال سے نہ تھا۔ بلکہ مختلف
اہل مذاہب کے امتیاز کے لئے تھا۔ عیسائیوں کی دماغی سعی بے اثر نہ رہی۔
مسلمان ریونائی فلسفہ علم طب اور دیگر دقیق فنون کے لئے ان کے مہنون ہیں
اور اسلامی خیالات میں عیسائی مذہب کی وجہ سے بہت کچھ تغیر و تبدل
پیدا ہوا۔ مسطویین کیتھیولک اور پرنس آف دی کیپ ٹوٹی کو بغداد میں جو قحط
حاصل تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان دیگر مذاہب کے سربراہوں
سے اچھا برتاؤ کرتے تھے۔

(یقیناً مشابہ صفحہ ۳۰۱ میں بعض اقتوات مسلمان بھی ظلم و ستم یا عام شورش کے شکار ہو جاتے تھے۔ لہذا یہ کوئی

قابل ذکر یا قابل تکلیف بات نہیں۔ اصل چیز یہی ہے اور اسی پر غور کرنا چاہیے۔ تاریخ اسپین

۳۰ ڈیوڈ ریویو EDINBURGH REVIEW (ریویو نمبر ۳۱۸) بابت ۱۵ اپریل ۱۸۸۲ء

مضمون نمبر ۳ تمدن اہل مشرق زیر حکومت خلائے صفحہ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ (ان اسے کریمر

مطبوعہ دہلی ۱۸۸۵ء

قیاس اور عمل

بعض فقہی مسائل سے یہ قیاس کہ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ ظلم و ستم کرتے ہوں گے عمل کی دینا ہیں واقعات و مشاہدات کے بعد باطل ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مذہبی اعتبار سے اپنے عہد نہال میں کبھی اپنے ماتحت غیر مسلموں کو کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

”پر وہ فیبرجے۔ ایل پور پڑ پنے لیکچر میں جو انہوں نے مقام گلاسگو ماہ
دسمبر ۱۸۶۶ء میں دیا یہ کہتے ہیں۔“

تاریخ ثابت کرتی ہے نیز سلاطین ترکی اور تاریخ ہمسایہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ فقہ اسلامی کی مذہبی بنیاد قیاساً خواہ کسی ہی سخت کیوں نہ ہو لیکن عملاً وہ کبھی تمام مذاہب میں کامل مساومت کے دستہ میں شامل نہیں ہوئی جو لوگ ان کے قومی مذہب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ انہیں ہر ایک قسم کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ باقی تمام معاملات میں وہ آزاد ہیں۔ یہ مشہور بات ہے۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مختلف عیسائی اقوام مثلاً آرمینی، یونانی، شامی، ترکی میں ابتدائے سلطنت سے اب تک کامل آزادی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اندیہی نہیں۔ بلکہ ہر قوم کو سلطان نے اپنے اپنے دیوان اور مذہبی معاملات کے انتظام کرنے کا حق دے رکھا ہے شہر اور مضافات کی کونسلوں میں بھی ہر فرقہ کا مذہبی وکیل مٹھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ملکی وکیل بھی رہتا ہے۔ کیا اب بھی ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہاں مذہبی آزادی نہیں؟

ترکی کی تاریخ کا یورپ کی عیسائی اقوام کی تاریخ سے مقابلہ کیجئے
ترکی نے کبھی تحقیقات مذہب کی غدا میں قائم کر کے قاعدہ اور ضابطہ نہیں

بنایا نہ شرمناک ظلم و ستم اور جس وقت عدلی کی اس کا دامن اس دھبہ سے
پاک رہا ہے۔ ترکی نے کبھی ظالمانہ طور سے ان لوگوں کو جو اس کے مذہب
سے اختلاف رکھتے تھے۔ جلا وطن نہیں کیا۔ ان غریب بے خانماں یہودیوں کو
جنہیں جرمنی، انگلینڈ، فرانس، اسپین نے پے درپے طرح طرح کی ایذا نہیں
دی۔ بلکہ انہیں اپنی اپنی ترکہ ہی نے پناہ دی۔

عیسائی اور مسلمان

عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی سلوک کے بارے میں یہ دقیق شہادت ایک
ایسی دستاویز ہے۔ جو ہمیشہ یادگار رہے گی۔

میں بلا تامل اس امر کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ ترکی افسردہ دولت عثمانیہ کے
اس حصہ میں عیسائیوں اور یہودیوں سے نہایت درجہ معاملت کا برتاؤ
کرتے تھے۔ اور میں نے کبھی کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں
انہوں نے ان سے بڑا برتاؤ کیا ہو یا لڑے جھگڑے ہوں۔ اور حقیقت
جہاں تک میرا تجربہ ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان عیسائیوں کے معاملہ
میں بہت متحمل ہیں۔ حالانکہ عیسائیوں کا معاملہ مسلمانوں سے بجا نہیں ہے
عیسائیوں کو وہی حقوق اور رعایتیں حاصل ہیں جو ان کے مسلمان
بھائیوں کو اور اگرچہ انصاف بہت مستعدی کے ساتھ نہیں کیا جاتا لیکن
پے در رعایت کیا جاتا ہے۔

ایک اور شہادت

ذیل میں ہم ایک اور شہادت پیش کرتے ہیں۔ یہ پہلی سے زیادہ دقیق اور یادگار

(2) The Army man Campaign, by Charles William, page 10

حیثیت کی حامل ہے۔

TWELVE YEARS STUDY OF THE

EASTERN QUESTION

کیتان سن کلیر اور چارلس پرونی مصنفین

دو ازودہ سالہ مطالعہ مسئلہ مشرق میں لکھتے ہیں کہ۔

اگر ترک عیسائی رعایا سے نفرت کرتے ہیں تو ان لئے نہیں کہ وہ عیسائی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ کسی مذہب کو اپنے مذہب کے بعد بہتر سمجھتے ہیں تو وہ عیسائی مذہب ہے۔ بلکہ یہ نفرت ان کے خصائل و اخلاق کی وجہ سے ہے۔ ایک حساس طبیعت کا شخص ایک سال کلیسائے یونانی کے مقتداؤں کے ساتھ رہنے کے بعد انکار نہ کر سکے گا۔ کہ تمام امور میں یہاں تک کہ مذہب میں بھی مشرقی کلیسا پر وایت اسلام سے بدرجہا کمتر ہے نہ کیا یہ اعتراضات کافی نہیں؟

کیا ان اعتراضات کے بعد بھی مسلمانوں پر لگائے ہوئے ان الزامات کی فہرست بدستور طویل رہے گی؟

کیا اب بھی حق کے ماننے سے انکار اور کذب کی تبلیغ پر اصرار ہوتا رہے گا؟

رواداری کے بارے میں مختلف نظریات اور حکم کی افواج

بعض علماء نے کرام کا خیال ہے کہ جو سرزمین صلح سے نہیں بلکہ دست و پاڑ کی قوت سے فتح کی جائے اور کسی معاہدہ اور معاہدہ کے بغیر یا نجانہ طور پر مسلمان اس ملک میں داخل ہوں تو وہیں حق ہے کہ کئی غیر مسلموں کے عبادت خانے بچھا دیں یا حکم از حکم نئے نہ بنائے جائیں لیکن مصر پر جب توفیق علی کی حکومت تھی تو انہوں نے اس قول پر عمل نہیں کیا بلکہ غیر مسلموں کی عبادت خانے بنانے کی اجازت دی۔ انہیں اعلیٰ مناصب پر سرفراز کیا۔ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فیاضانہ فریاد لانا اور اور انہیں تیار کیا۔ یہ حسن سلوک علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کو امتزاج سے بڑھا ہوا نظر آیا کہ انہوں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرح فتوے کے کفر تک دست نہ بڑھا چھوڑا۔ قاہرہ کا ذکر کرتے ہوئے جو عنونہ رہی بزرگوں کی فتح ہوا تھا۔ وہ فرماتے ہیں۔

فان القاهرة عند ملکہا
 العبد یون الدین التمدد خارجون
 قاہرہ کی بادشاہت عبیدیوں کے ہاتھ
 میں تھی۔ یہ لوگ خارج از شریعت تھے۔ یہی وہ

عن انشورجیة والنهم كانوا اسماء عیالیته
 كما قال الغزالی ظاهر مذہبہم للقرض
 دبا طند الكفر المحض وانفقوا ان
 قتلهم صکان جائزاً وهدموا الدین
 احدثوا للنصارى هذه الكنائس
 وصف العلماء في كفرهم وزندقتهم
 مثل القدوری والشیخ ابی حامد
 الاسفراینی والقاضی ابی یعلی و
 ابی محمد بن ابی نرید و ابی بکر
 ابن الطیب الباتلانی لہ

لوگ ہیں جو اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ
 علامہ غزالی فرماتے ہیں۔ ان کا مذہب ظاہری
 طور پر تو رقتل ہے اور باطنی طور پر کفر محض
 متفقہ طور پر ان کا قتل جائز ہے۔ یہ وہ
 لوگ ہیں۔ جنہوں نے نصاریٰ کے لئے
 نئے نئے کتبے اور گرجے بنائے۔ ان کے
 کفر اور زندقت پر علما مثلاً قدوری۔ شیخ
 ابو حامد اسفرائینی۔ قاضی ابویعلیٰ، ابو محمد بن
 ابو یعلیٰ، ابو بکر ابن الطیب با تلانی وغیرہ
 کافی لکھ چکے ہیں۔

ابن تمیمی نے عبیدین یعنی خلفائے بنو ناطمہ مصر کے جو انہم کفر زندقت
 اور الحاد کی جو فہرست گنائی ہے۔ وہ کافی لمبی چوڑی ہے۔ لیکن جب انہم میں
 سرفہرست جو چیز نظر آتی ہے۔ وہ غیر مسلمانوں کے ساتھ ان کی بھی درادار کی ہے
 چنانچہ مزید فرماتے ہیں۔

وهکان وشیروہربا لقاهرة
 مرۃ یہودیا فقویت الیہودیه
 بسببہ ومرۃ نصرا نیا اس مینیا
 وقویت النصارى بسبب ذالک
 والنصرانی الاسرمتی وبنوا کنا سماً

ان عیب بدیل کا ذکر وہیں جو دنیہ
 ہوتا تھا۔ وہ کبھی یہودی ہوتا تھا۔ تو اس
 کے سبب یہودیت جڑ پکڑ جاتی تھی۔
 اور کبھی ارمنی عیسائی ہوتا تھا۔ تو اس کے
 سبب عیسائیت قوت حاصل کرتی تھی

کثیرۃ بارض مصر فی دولتہ اولئک
ان لوگول نے سرزمین مصر پر بہت سے
الرافضۃ المنافقین لہ
کلیسا اور گرجے ان ناقصی منافقوں کے زمانے
میں بنا ڈالے۔

پہر حال بنوفاطمہ جب تک مصر پر حکمران رہے اپنی اس روش پر قائم رہے۔ ان
پر چاہے جتنے کفر کے قوتے دیئے جائیں۔ لیکن ان کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ لاکھوں
غیر مسلموں کے قلوب پر انہوں نے اسلام کی بے تعصبی، براداری اور عالی حوصلگی کا نقش
بٹھا دیا۔ انہوں نے خود اپنے ہم مذہبوں کی طرف سے کفر اور زندہ اور منافقت کا
الزام گوارا کر لیا۔ لیکن اسلام پر اور اسلام کی ہیئت حاکمہ پر یہ الزام نہیں لگنے دیا۔ کہ
محکوم غیر مسلم اسلام کے حدود میں عزت نفس، خودداری اور مساوات کی زندگی نہیں
بسر کر سکتا۔ لہذا کیا کہ یہ سیدی (بنوفاطمہ) کافر تھے لیکن کافر بھی کتنے اچھے تھے۔
جنہوں نے اسلام کی تعلیمات، براداری پر عمل کر کے غیر مسلموں کو اسلام سے قریب تر کر دیا۔
اسلام کا دارح اور حیرت کر دیا۔

اور بنوفاطمہ پر کفر کا فتویٰ دینے والے علامہ ابن تیمیہ خود مفتی کی حیثیت سے
یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہیں۔

داذکان الیہودی والنصرانی	اگر کوئی یہودی یا نصرانی فن طب میں
خبیراً بالطلب جائز لہ ان یتطبہ	درک رکھتا ہو۔ تو یہ بات جائز ہے۔ کہ اس سے
کما یجوز لہ ان یودعہ المال دان	معالجہ کر لیا جائے جس طرح سے یہ بات جائز
یعاملہ وقت استاجر رسول اللہ	ہے کہ اس کے پاس ال بطیر امانت رکھوایا جائے
صلی اللہ علیہ وسلم ساجلاً مشراً	اور اس سے معاملات کی جائے۔ خود رسول اللہ

لہ مختصر الفتاویٰ المصریہ لابن تیمیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۱۳

لما هاجر وكان هاديا ما هرا بالهداية
 الى الطريق من المملكة الى المدينة
 واتقته على نفسه وماله وقل روى
 ان الحادث ابن كلدان — وكان
 كافرا — امرهم رسول الله صلى الله
 عليه وسلم ان يستطوبوا له

نے ایک مشرک شخص کو اجرت پر حاصل کیا
 جب آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔ جو بڑا
 ماہر راہ شناس تھا۔ تاکہ وہ مکہ سے مدینہ
 تک کے راستے کی رہنمائی کرے۔ اور اس
 طرح گویا اس کی ہانت میں اپنی جان اور مال
 دے دیا۔ نیز روایت ہے کہ عمارت بن کلدان
 جو ایک کافر تھا اس کے بارے میں رسول اللہ
 نے حکم دیا کہ لوگ اس سے علاج کرائیں :

اس سلسلہ میں یہ نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کسی طبیب سے علاج کرانا
 درحقیقت اپنی زندگی کو اس کی امانت میں دے دینا ہے اور اتنا اعتماد ہر شخص پر
 نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور پر ایسے آدمی پر جو اسلام کا مخالف ہو۔ لیکن اسلام کی
 مواداری صاف اور واضح الفاظ میں اس کی اجازت دیتی ہے۔

سرور کائنات کی رواداری

غیر مسلموں سے!

دشمنوں اور پیمان شکنوں سے!

مناقضوں سے!

تسکت خوردہ حریفوں، محکوموں اور جی قیدیوں سے!

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت دخل سهط من اليهود
 على رسول الله عليه وسلم فقالوا السلام عليكم قالت عائشة فقهيما
 فقلت وعليكم السلام واللعنة قالت فقال رسول الله صلى الله عليه
 وسلم مهلا يا عائشة ان الله يحب الرفق في الامر كله فقلت يا
 رسول الله اولم تسمع ما قالوا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 قلت وعليكم

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رازراہ شیطنت
 اس شخصیت کی خدمت میں حاضر ہوئی یہودیوں نے اس شخصیت کو مخاطب کر کے کہا
 "السلام عليكم" یعنی آپ پر موت آئے
 حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے مطلب سمجھ گئی میں نے کہا
 "وعليكم السلام واللعنة" یعنی تم پر موت آئے اور تم پر لعنت ہو
 رسول اللہ نے فرمایا

تمہی یہ تو عائشہ اللہ تعالیٰ بہر معاملہ میں رفق کو پسند فرماتا ہے!
 میں نے کہا

یا رسول اللہ کیا آپ نے تمہیں سنا انہوں نے کیا کہا؟
 رسول اللہ نے فرمایا

میں نے کہہ دیا تھا "وعليكم" (یعنی تم پر)
 انہوں نے کہا تم پر موت آئے ہیں نے کہا تم پر پس یہ کافی ہے!

تفہیم

سرور کائنات کی حیات طیبہ ایک آئینہ کی طرح صاف اور روشن ہے جس میں آپ کے جلوہ جہان آرا کا پورے طور پر نظارہ کر لیا جاسکتا ہے۔ دنیا کے کسی نبی، کسی حکیم، کسی قائد اور کسی رہنما کے احوال شب و روز اس استناد اس صحت اور اس جزئی تفصیل کے ساتھ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ جنتی محمد کے حالات — تاریخ مسلمانوں کے اس بہت بڑے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی!

قول اور عمل کی جانچ

گذشتہ صفحات میں ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ پیغمبر مسلمانوں کے ساتھ روادارانہ اور فراخ دلانہ برتاؤ کے سلسلہ میں قرآن کریم کیا کہتا ہے؟ احادیث نبوی سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟ اور فقہ اسلامی کا فتویٰ کیا ہے؟ لیکن اس دنیا میں قول و عمل کا اتفاق کبھی بھی لازمی نہیں رہا ہے۔ زبان کچھ

کہتی ہے اور عمل کچھ کہتا ہے کجاڑوں کے پروے سے جو آواز بکراتی ہے وہ طمی شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے۔ دل کے اعصاب پر انحرافِ قول کا عمل جس طرح بجلی بن کر گرتا ہے۔ وہ بالکل جداگانہ چیز ہے۔ آج بھی کہ تہذیب و مدنیت ارتقا کی انتہائی منزلیں طے کر چکی ہے۔ ہماری آنکھیں برابر ہی دیکھ رہی ہیں کہ اباب جاہ و حشمت اندھ اصحاب اقتدار و اختیار کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی اور اطالیہ یہ وہ سب ممالک ہیں جنہیں اپنی مدنیت اور حضارت۔ انسانیت دوستی اور فراخدلی و رواداری پر تازہ ہے لیکن ان کا اسلک ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے ہمرنگ نہیں، کیسا ہے؟ یہ کون نہیں جانتا؟ قوت اور بے بسی کے درمیان آج بھی بڑی بڑی دیواریں موجود ہیں۔ یہ دیواریں رنگ کی ہیں۔ وطن کی ہیں۔ مذہب کی ہیں، قوم کی ہیں، مائنتی کی ہیں۔ یہ دیواریں مردِ ایم کے ساتھ ساتھ زیادہ دبیر ہوتی جا رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دیوار بھی آج تک نہیں ٹوٹ سکی۔ ان کی بلندی بھلی بڑھ رہی ہے اور محسوس بھی۔ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں ہر شہری کو بلا امتیاز مذہب و ملت یکساں حقوق حاصل ہیں لیکن صرف بستیوں کے کاغذ پر۔ ورنہ کہا بات ہے کہ ہر روز سینکڑوں مسلمانوں کے قافلے اپنے آبائی دیس کو چھوڑ کر ترک وطن کرتے رہتے ہیں۔ مساوات یہ ہے کہ انہیں قابلیت کے باوجود ملازمت نہیں ملتی۔ دولت اور تجزیہ کے باوجود کاروبار کی سہولتیں نہیں حاصل ہوتیں۔ اپنے مویشی اور ذاتی مکانات پر دوکانات اور جائدادوں پر ہر قسم کے تصرف سے صرف ان لئے محروم کر دیتے جاتے ہیں کہ مسلمان ہیں۔ پس ضرورتی اور ایسا ضروری ہے کہ تاریخی حقائق اور شواہد کی روشنی میں دیکھیں۔ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کی جو تعلیم دی تھی خود اس پر کہاں تک عمل فرمایا؟ وہ کسوی ہے جس پر قول اور عمل کی جانچ کی جاسکتی ہے اور صحیح نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے!

دشمنوں کا اعتراف

غیر مسلموں تک نے ان کا اعتراف کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی سراپا رفیق و شفقت تھی۔ وہ خاکساری اور بے نفسی کے پیکر تھے۔ ان کی حیات گرامی، عوامی تھی، مخالفوں، دشمنوں اور معاندوں کے ساتھ رحم و عطا، بخشش، دکرہم اور صلہ و عقو کا برتاؤ کرنے سے۔ ایک طرف یہ کیفیت تھی کہ آپؐ نیش خاک پر بغیر فرشل و سند کے نشست فرما ہونے لگے، اپنے دست بر مالک سے اپنی جوتی گمانٹھ لیتے تھے۔ سب کے ساتھ ملاطفت اور رحمت کا برتاؤ کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جو دعوت اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ جو ذات رسالت پناہی کے ساتھ انتہائی مخالفت رکھتے تھے جو مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر چکے تھے، جنہوں نے جنگ کے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ جنہوں نے سازشیں کی تھیں۔ منصوبے تیار کئے تھے۔ تدبیریں سوچی تھیں۔ مگر اسلام کا نام و نشان صرف غلطی کی طرح صفحہ از غش سے مٹا دیں۔ اور پھر دوبارہ بولیں یہ بڑے بڑے خطا کار اور سپہ کار لڑتے اور کانپتے اپنے انجام سے مخالفت، زندگی سے یا اس اور وسیلہ سے محروم حاضر ہوتے ہیں۔ انہیں خود تقابین ہوتا ہے کہ اب بیچ نہیں سکتے اپنی سب کاریاں ایک ایک کر کے یاد آتی ہیں۔ اپنے جرائم سنی اور محسوس صورت میں دیکھنے لگتے ہیں، اپنی منافیوں، انسانی سوزیوں اور خون کشیا میوں کو یاد کرتے ہیں۔ اپنی شقاوت، استہم گری، ظلم و جور اور درندگی و سہمیت کے مناظر نظر کے سامنے سے گزرتے لگتے ہیں۔ اپنے مکر و فریب، سازش و کید، جنت باطن اور غنا و تاشق کو پیش نظر رکھ کر کانپ جاتے ہیں کہ اب اس دنیا سے زندہ و سلامت وہیں نہیں جا سکتے۔ لیکن رحمت للعالمین کی نگاہ رحمت ان جرائم پر خطا عقو کی تیج دیتی ہے۔ ان

لغة تاریخ عرب (سید یو) صفحہ شفاء (تقاضی حیاض) سے تاریخ عرب و تلپ عطا

کی زندگی انہیں واپس مل جاتی ہے۔ صرف زندگی ہی نہیں، مال و دولت بھی، عزت اور گروہی وقعت اور سربلندی بھی۔

داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی اس پر عمل کیا۔ جو ہدایت دی اسے نوادگر کے بنایا۔ جو حکم دیا اسے اپنے عمل سے سنوار دیا۔ آج اس حقیقت کو بہت آسانی سے معلوم کر لیا جاسکتا ہے کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کو یہ مہذب اور تمدن دینا جو کچھ اب تک نہ سے سکی ۱۵۹۱ء اسلام کے دارالامن سے چودہ سو برس پہلے عطا ہو گیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

رسالت کا پرتاؤ غیر مسلموں سے

قرآن مجید میں ناسخ طور پر فرادیا گیا ہے لاکھراہ فی الدین یعنی دین کے معاملہ میں جبرد جبرد نہیں۔ قرآن کریم ہی ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ کافرین اور اسلام کی دعوت قبول کرنے والوں سے کہہ دیں کہ دیکھو دیکھو دینی دین تمہیں تمہارا دین مبارک ہمیں ہمارا۔ رسول اکرم کی زندگی مبارک ان اہم تعلیمات و ہدایات کا واضح ترین اندکھل ترین نمونہ تھی۔ رسالت اکبر کی زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی غیر مسلم کو جبر یا دباؤ کے ماتحت مسلمان کیا گیا ہو یا ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہوں کہ قبول اسلام کے سوا اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہ گیا ہو۔ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ یہ رسول اللہ کا ایمان تھا۔ اور سچائی کی دعوت جبر اور دباؤ کے ذریعہ نہیں دی جاتی۔ سچائی میں خود اعتمادی ہوتی ہے۔ اور بالآخر یہی خود اعتمادی اس کی کامیابی کی ضمانت اور کفیل بن جاتی ہے۔ اسلام کی کامیابی کا راز اس کی ہی خود اعتمادی تھی۔ اور دعوت اسلام کے سلسلہ میں رسالت اکبر کی طرف سے

کبھی کسی طرح کا جبر نہ کیا جاتا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دل فتح کرنا چاہتے تھے نہ کہ
 نہ بیان اور زبان تو دور وقت سے ہمنوا بتائی جا سکتی ہے لیکن دل کسی طاقت سے
 کبھی مرعوب و متاثر نہیں ہوتا۔ وہ اس وقت ماتا ہے جب قائل ہو جاتا ہے۔

اس باب میں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ تیسرا مسلمانوں کے ساتھ سرور کائنات کا سادک
 اور پیر ناؤ کیا تھا۔ ان کے انکار و طغیان، ہتکبار اور شرارت کے باوجود عظمت اور
 مدارائی کی کیا کیفیت تھی۔

صبر فائز

آنحضرتؐ کی دعوت و تبلیغ سے کفار قریش بہت برہم ہوئے تھے۔ بت پرستی
 کے مرکز میں توحید کی یہ صدا سن کر دل اور کفار کو بے ہوش کر دیتی تھی۔ وہ چاہتے
 تھے کہ دعوت و تبلیغ کی یہ آواز بند ہو جائے۔ اور اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت
 نہیں کرتے تھے۔ لالچ دیتے تھے، دھمکی سے کام لیتا چاہتے تھے۔ رشوت پیش کرتے
 تھے۔ اور جب ان باتوں سے کام نہیں لیتا تھا۔ تو وہ بدترین قسم کی ایذا رسانی پر آم
 اتے تھے۔ تا کہ حق کی یہ آواز بند ہو جائے۔ اسلام کی دعوت لوگوں کے کان تک نہ
 پہنچنے پائے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں
 دو پردہ سیول کے شرکے درمیان تھا۔ بولہب و خبیبہ ابی معیط۔ یہ وہ لوگ پاخانہ
 لاتے تھے۔ اور میرے دروازے پر ڈال دیتے تھے۔ بعض مرتبہ آری زاپا کس چیز میں ہوتی
 تھیں جو لوگ پھینک دیتے تھے یا میرے دروازے پر یہ ڈال جاتے رسول اللہ
 باہر تشریف لاتے اور فرماتے

اسے نبی عہد منات یہ کون سا حق ہمسائی ہے؟

پھر سے کہتے لگا ڈال دیتے تھے سہ

کفار کہ اکثر آپ کو مٹاتے، پریشان کرتے اور ایذا پہنچانے کے لئے دانتے
 میں کانٹے بچھا دیتے تھے تاکہ پائے مبارک نہ خلی ہو جائیں۔ اور آپ چلنے پھرنے سے
 منع نہ ہو جائیں۔ اور یوں مستقل طور پر نہ سہی تو عارضی طور پر ہی تبلیغ کا کام رک جائے
 صرف یہی نہیں کہ اس رکاکت پر گفتا کر لیتے ہوں۔ ایک قدم اور آگے بڑھانے تھے
 آپ کے دروازے پر طرح طرح کی گندگیاں پھینک جاتے تھے تاکہ آپ کی
 طبیعت منغض ہو۔ آپ کو یہ جو شکایت پیدا ہو، آپ مستقل ہوں، اور اپنے حامیوں
 اور دوستوں کو ساتھ لے کر ہنگامہ سادانی پر مجبور ہو جائیں۔ صرف اسی طرح وہ جی بھر کے
 اپنی حسرتیں پوری کر سکتے تھے لیکن ان حرکتوں کے جواب میں — نہ سہل اگر ہم کیا
 کرتے تھے؟ وہ فرماتے تھے:

فرزندانِ جہدِ منانِ احق ہمسایگی خوب ادا کرتے ہوسا

ایک دوسری روایت ہے کہ —

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جو مشرکین آپ کے دولت خانہ میں جا کر

آپ کو آذیت اور تکلیف پہنچاتے تھے ان کے نام یہ ہیں:

ابوہب، حکم بن عاص بن امیر، عقید بن ابی معیط، عدی بن حمر، تھقی، ابن اللامدا

نہلی، یہ سب حضور کے پڑوسی تھے۔ اور سوا حکم بن عاص کے ایک بھی ان میں سے

دولت اسلام سے سرفراز نہیں ہوا۔ اور یہ لوگ ایسے شریر تھے کہ کوئی ان میں سے

حضور پر تہمت پڑھنے میں بکری کا پیٹ اور آنتیں ڈال دیتا تھا۔ اللہ کوئی اپنے گھر

کا کوڑا حضور پر ڈالتا تھا، یہاں تک کہ حضورؐ مکان کی پٹھری میں نہاتے پڑھنے لگتے

اور جب کوئی شخص ایسی چیز آپ پر ڈالتا تو آپ ان کو لے کر دروازہ پر آتے اور

آواز دیتے کہ اسے نبی بھی میناں یہ کسی ہمسائیگی ہے۔ پھر اس کو راستہ لگ ڈال دیتے
ساری شرارت اور بد طبعی کا جواب یہ تھا۔ جو رسول اللہ کی زبان پر آتا ہے

جب رورہنا

رسول اللہ کو سب سے زیادہ جو چیز مطلوب تھی وہ نماز تھی کسی حالت
میں بھی یہ ممکن نہ تھا کہ آپ نماز ترک کر دیں۔ خواہ وہ جنگ کا میدان ہو یا بہتر عداوت
نتیجہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب سارے آپ کا دشمن ہو رہا تھا۔ دشمن طرح طرح
کے آواز سے کہتے تھے اور پریشان کرتے تھے۔ آپ نماز سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔
جب ممکن ہوتا۔ خانہ کعبہ میں تنہا نماز ادا کرتے۔ کفار مکہ کے لئے اس سے بڑھ کر
اشتعال انگیز بات کیا ہو سکتی تھی۔ اسلام کا مبلغ، امت کدہ کو خدا کے واحد کی عبادت کا
مرکز بنانے۔ وہ مشتعل ہو کر زیادہ سے زیادہ ناروا حکمتوں پر اتر آتے تھے۔

چنانچہ ابن عمرو بن العاص اپنا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
ایک روز رسالت مآب م کعبۃ اللہ میں فریضہ نماز ادا کر رہے تھے۔ اتنے میں
عقبہ بن ابی معیط اموی آیا۔ آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر جل گیا۔ اس نے اپنی چادر کو
مروٹا اور بل دیئے۔ جب وہ ایک رسی کی طرح ہو گئی۔ تو مسجد کی حالت میں آپ
کی گردن میں ڈال کر بیچ دنیا شروع کر دیئے۔ ہر بیچ پر گردن کستی جاتی تھی اور
سانس رکنا ہاتا تھا یہاں تک کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے بلکہ آپ کے
حضور قلب اور توجہ الی اللہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ اسی اطمینان سے مسجد کنان
فریضہ نماز ادا کرتے رہے۔ اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا
انہوں نے عقبہ کو دھکا دے کر قرآن کے الفاظ میں فرمایا

لے سیرت ابن ہشام حصہ اول

الفتون سما جلا ان يقول سباني الله
 کیا تم ایسے آدمی کی جان لینا چاہتے ہو جو
 وقد جاءكم بالبينات ؟
 کہتا ہے میرا رب رحمت اٹھا ہے۔ اور
 حالانکہ اس کے پاس دلائل رد بھی ہیں ؟
 حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تو اتنا کچھ فرمایا بھی لیکن یہ حضرت م کا جواب صرف سکوت تھا۔
 نہ پرہمی نہ نفرت

ابو جہل کو رسول اکرم ص کی ذات گرامی سے اسلام سے اور دعوت اسلام سے
 جو کہ تھی۔ وہ اتنا عام اور مشہور واقعہ ہے کہ تاریخ و سیر کا ایک معمولی طالب علم بھی اس
 سے واقف ہے۔ اسی ابو جہل نے ایک مرتبہ سرکار رسالت م کو خانہ کعبہ میں نماز
 پڑھتے دیکھا کچھ اکابر قریش بھی صحن کعبہ میں بیٹھے یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہے
 تھے ابو جہل نے کہا فلاں مقام پر آج اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اس کی ادھڑی بیسی ہی
 پڑی ہے ریزہ مڑہ ہو، اگر کوئی شخص لاسے اور اس شخص (حضرت م) پر ڈال دے
 عقبتہ فوراً اٹھا اور گندگی سے بھری مٹی اور مٹ کی وزنی ادھڑی لاکر اس وقت جب
 آپ ص سجدہ میں تھے۔ آپ کی پیٹھ پر رکھ دی۔

کفار قریش کے لئے یہ منظر بڑا دلچسپ تھا۔ وہ سننے لگے۔ اور ایک دوسرے سے
 چہلیں کرنے لگے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانچ سال کی بچی تھیں۔ خبر سن کر دوڑی
 آئیں۔ ادھر ہٹائی اور کفار کو برا بھلا کہا۔ لیکن حضرت م بدستور پوری محبت کے
 ساتھ نماز میں مشغول رہے۔ انہوں نے نہ اس تمسخر کا کوئی جواب دیا نہ تشدد کا جواب
 تشدد سے دینے کی کوشش کی۔ صرف صبر فرمایا۔ نہ نفرت نہ برائی نہ غصہ نہ استنحال نہ
 جنگ نہ پیکار۔ کیا اس سے پرہی بھی کوئی نہولاری ہو سکتی ہے؟

لے بخاری باب ما لقی النبی من المشرکین

گناہ زلیخا کا برتاؤ دعوت اسلام کے جواب میں صرف ایذا سنانی تھا۔ اور
اس کا جواب آپ کی طرف سے صرف پند و برعظمت:

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم امر الہی پر نہایت
صبر و استقلال کے ساتھ قائم رہے۔ اور باوجود قوم کے جھٹلانے اور تکذیب
کرنے اور اذیت اور تکلیف پہنچانے کے ان کو پند و نصیحت فرماتے تھے۔ اور جو
لوگ مشرکین میں سے حضور کی ایداد ہی اور آپ کے ساتھ مضحکہ اور تمسخر کرنے
کے باطنی مہمانی تھے یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے عمر رسیدہ اور سردار تھے
خاموشی کے ساتھ

ابولہب کی بد طبیعتی، عناد اور اسلام ہمنامی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اپنی
زندگی کا یہ مقصد تیار دے چکا تھا۔ کہ دعوت اسلام کو سرسبز نہ ہونے دے۔
وہ اپنے حضرت کے پیچھے پیچھے تھوکتا۔ اور آپ کے دین مبارک سے نکلے ہوئے
فقروں کی تردید کرتا۔ مذاق اڑاتا۔ اور ان لوگوں کو جو رسول اللہ ص کی طرف متوجہ ہوتے
اپنی برکت متوجہ کر لیتا۔ عکاظ میں ہر سال ایک بہت بڑا میلہ لگا کرتا تھا۔
اس میلہ میں دور و نزدیک کے قبائل آ کر ٹنر بیک ہوتے تھے یہاں زور بازو کے
مظاہرے بھی ہوتے تھے۔ اور زور کلام کی معجز نمایاں بھی اپنا کر شہ دکھاتی
تھیں یہ ایک بہت بڑا انگل بھی تھا اور بہت بڑا بیت الشعر بھی پہلوان سلجھوری
کے جو ہر دکھاتے اور شعراء زبان دانی، زور کلام، روانی سخن اور انفاط کی جاوید گری
کا معجزہ دکھاتے۔ ہر طرف لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے رہتے جس کو جس چیز سے
دبسی ہوتی۔ اسی سے دبسی لیتے میں محو ہو جاتا۔

ملہ میرت ابن ہشام حصار اول

اس میلہ میں ایک مرتبہ سرکارِ دہ عالم بھی پہنچے بمقصد یہ تھا کہ دور دورے تک سے
 آئندہ لے قبائل کے کاؤن تک اسلام کی پکار پہنچا دیں۔ آپ مستند قبائل کے پاس
 تشریف لے گئے اور انہیں دین اسلام کی دعوت دی لیکن زیادہ تر کاہر عالم تھا کہ
 وہ ان خود راہی کے عالم میں پاگلوں اور مجنوںوں کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا
 اور جوش مخالفت میں بہ آواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔
 یہ شخص جھوٹا ہے!

یہ اپنے آبائی دین سے منحرف ہو گیا ہے۔
 لیکن آنحضرتؐ اس دور غیبت سے ذرا بھی متاثر نہ ہوتے۔ وہ خاموشی
 کے ساتھ بغیر کسی سے الجھے ہوئے اپنے مقدس کلام میں لگے رہے۔
 صاف بیانی کی سند۔

اس سلسلہ عدوت میں آپؐ قبائل کو دعوت اسلام دیتے ہوئے قبیلہ بنو ذہل
 بن شیبان کے پاس پہنچے اور اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔ اس قبیلہ کے رؤسا اس
 موقع پر موجود تھے سب نے آپؐ کی دعوت سنی۔ آیات قرآنی کی سماعت کی۔ دین
 اسلام کی کشش اور جاذبیت سے متاثر ہوئے۔ لیکن آبائی دین سے منحرف ہونا اور
 ایک بالکل نئے دین کو قبول کر لینا آسان نہیں ہوتا۔ اور دین کجی وہ جس کا نہ کوئی
 حامی نہ ملے وہ گارہ نہیں کے پاس فوج نہ بدلت نہ روپیہ نہ حکومت چھنا چھ انہوں
 نے اسلام سے ایک حد تک متاثر ہو چکنے کے باوجود اسلام قبول کرنے سے معذرت
 کر دی۔ اور اپنی معذرت کے اسباب و وجوہ بتاتے ہوئے کہا
 جس دین پر ہم مشہرتا پشت سے قائم چلے آ رہے ہیں۔ اسے یوں یک بیک

چھوڑ دینا ایک طرح کی زبردستی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کسری کے حلقہ بگوش
ہیں۔ اور اس سے عہد کر چکے ہیں کہ کسی اور کی اطاعت قبول نہیں کریں گے!
آنحضرتؐ نے یہ جواب بنا۔ بجلتے بدل، باپوں، برہمن اور کٹر ہونے کے ان
کی صاف سیانی اور کھرے پن کی داد دی اور فرمایا
خدا اپنے دین کی خود مدد فرمائے گا۔

خدا پر بھروسہ

کفار قریش نے اپنا یہ معمول بنایا تھا کہ آنحضرتؐ کو زیادہ سے زیادہ
تسائیں۔ زیادہ سے زیادہ دکھ دیں۔ پریشان کریں۔ آزار پہنچائیں۔ اس طرح وہ
ذہنی سکون حاصل کرتے تھے۔ آپؐ کو دکھ پہنچا کر مطمئن ہو جاتے تھے۔ کہ اگر کچھ نہ کر
سکے تو کم از کم آتا تو کر لیا۔ کہ کھوڑ سی دیر کے لئے آپؐ کو در ماندہ اور خستہ کر کے
دعوتِ تبلیغ کے فریضہ سے روک دیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپؐ اپنی راہ چلے جا رہے تھے۔ اور دشمن تاک میں
تھے۔ ایک بد طبیعت موقع پا کر آگے بڑھا۔ اور اس نے آپؐ کے سر مبارک پر کوڑا
پھینک دیا۔ آپؐ نے اس شرارت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے اپنے گھر
تشریف لے آئے۔ حضرت فاطمہؑ کو باپ سے بغیر تمولی اور داہانہ محبت تھی۔
یہ منظر دیکھ کر وہ بیتاب ہو گئیں۔ جلدی سے اٹھیں اور سر مبارک دھلانے لگیں۔
سر دھلاتی جاتی تھیں۔ اور روتی جاتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔
"بیٹی تو کیوں رو رہی ہو؟ یہ تو جانتی جا رہی ہے؟ تیرے باپ کی حفاظت
خدا کرے گا"

ایک دوسری روایت

جب ابوطالب کا وصال ہو گیا تو قریش آپؐ کی ایذا دہی میں اور حسری

ہو گئے یہ جرات اس سے پہلے بیسنہ تھی۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے دستہ میں
آپ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ جب اس شخص نے آپ کے سر مبارک پر خاک ڈالی۔ آپ
مکان میں تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادی حضرت ناطقہؓ
اس کو دھونے لگیں۔ اور روئی جاتی تھیں۔ آپ نے ان سے فرمایا بیٹی روئی کیوں ہو۔

خدا تمہارے باپ کا محافظ ہے۔

خود بھی عبرت لیتے تھے اور متعلقین کی بھی ڈھارس بدلاتے تھے۔

خدا کے لئے

عظمت و تعظیم اور تبلیغ و موعظت کا کوئی موقع آپ ہاتھ سے جانے نہ دیتے
خواہ دین حق کے بداندیشوں کی طرف سے کسی ہی مخالفتیں کیوں نہ ظہور پذیر ہو۔
ایک مرتبہ آپ نے حسب معمول دعوت دینا شروع کی۔ مگر اسے اسباب جاہ
حسب معمول تملک اٹھے۔ انہوں نے اپنے غلاموں اور آوارہ گرد چھوکر دوں کو پہلے
سے سکوھا پڑھا رکھا تھا۔ ایسے مواقع پر وہ چیتے چلاتے مقامِ عظم پر پہنچ جاتے
کنکر پیل کھینکتے، پتھر لڑھکتے، سیٹیاں بجاتے، ایذا پہنچانے سے کوئی دستبند
فر و گداشت نہ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ لہو بہان ہو جاتے۔ خون ریں ریں کر جوتے
میں جمع ہو جاتا اور دھوکے لئے جوتے سے پاؤں نکالنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن ان تمام
سرگرمیوں کے باوجود آپ کسی قسم کی مزاحمت کرتے نہ تھے۔ نہ تڑکی تیر کی جو اب ویسے نہ
کسی اپنے حاکم کو بدلہ لینے پر ابھارتے۔ خاموشی کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کر
لینے اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے۔ گویا یہ جو کچھ ہوا اور ہوا نہ تھا۔ اس کا

سہ سیرت ابن ہشام حصہ اول

آپ کی ذات سے کوئی تعلق نہ تھا۔

اللہ—

ایک مرتبہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا
سرکارِ دو عالم مٹھکے مٹھکے کھائے کپورہ تھا ایک درخت کے سایہ میں لیٹے اور سو گئے
تلاوار کمر سے لگی تھی اسے اتانا اور درخت کی ایک مضبوط شاخ سے ٹانگ دیا۔ ایسی
حالت میں کہ آپ بخواب تھے۔ ایک بلاناہیش کافر غوث بن حراث ادھر سے گزرا۔
اس نے دیکھا تلاوار درخت کی شاخ سے ٹک رہی ہے۔ اور آنحضرتؐ بے خبری
کی نیند سو رہے ہیں۔ دل میں خوش ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر بوقتہ قدرت کی طرف سے
یور کیا مل سکتا تھا؟ ہر طرف ستانا نہ کوئی حامی نہ مددگار، دشمن محو خواب، شمشیر
آبدار مانتے۔ ایک ہی ناریں سارے جھنگڑا ختم نہ کوئی خون کا مطالبہ کر سکتا ہے، نہ
کسی اور قسم کا ہنگامہ رونما ہو سکتا ہے۔ ضرور اس حداداد موقع سے فائدہ اٹھانا
چاہیے۔ یہ سوچ کر اس نے تلاوار تار کی اسے مہان سے باہر نکالا

آنحضرتؐ کو خواب سے بیدار کیا۔ اور پیکر تہرہ جلال بن کر سوال کیا
اسے محمد! اب تجھے کون میری تلاوار سے بچا سکتا ہے؟
آنحضرتؐ نے یہ منظر دیکھا۔ نہ ہراس طاری ہوا، نہ وہمشت کی کیفیت پیدا
ہوئی۔ اس اطمینان سے جیسے کوئی خطرہ سر سے درپیش ہی نہیں ہے۔ آپؐ
نے فرمایا

اللہ—

اپنے سوال کا غیر متوقع جواب سن کر غوث چکر گیا۔ کھڑا نہ رہ سکا، گر پڑا
آپؐ نے تلاوار اٹھالی اور باوقار لہجہ میں دریافت فرمایا
بول اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟

وہ جبرانی اور گشتگی کے عالم میں آپ کی طرف حسرت بھری نظریانہ نظروں سے
دیکھنے لگا۔ کچھ نہ کہہ سکا!

رحمۃ للعالمین نے فرمایا

جا۔۔۔۔۔ ہیں (کسی سے) بدلہ لینے کا دعویٰ نہیں!

کل کی امید

دعوت اسلام کے سلسلہ میں آپ صراطِ شریف لے گئے۔ وہاں کے
لوگوں نے تہامت متمرزوانہ انداز اختیار کیا۔ نہ صرف دعوت اسلام قبول کرنے سے
انکار کیا بلکہ سخت بے پروا اختیار کیا۔ بدتمیزی اور بدہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ ایک
سردار طائف نے انہیں مسخرہ دعوت کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

اگر آپ واقعی پیغمبر ہیں تو آپ سے گفتگو کرنا بے ادبی ہے اور اگر پیغمبر نہیں
ہیں تو اس قابل نہیں کہ گفتگو بھی کی جائے۔

معاذ اللہ یہ سب ختم نہیں ہوا۔ طائف کے ان سربراہوں نے ٹھنڈوں کو ابھار دیا
کہ وہ آپ کو صحیح و سلامت واپس نہ جانے دیں۔ انہوں نے سنگباری کو کر کے آپ کو
ہوہان کر دیا۔ آخر آپ انگوٹھوں کے ایک بانغ میں تپاہ گزین ہوئے۔ اس موقع پر آپ
کو مشورہ دیا گیا کہ ان کسرش اور بدشاہوں کو گول کے لئے بارگاہِ ایزدی میں بددعا فرمائیں

آپ نے فرمایا

میں بددعا نہیں کر سکتا۔ آج یہ ایمان نہیں لاتے۔ ممکن ہے کل ان کی نسلیں
اسلام قبول کر لیں!

بددعا سے انکار

اسی طرح توحش کی ابتداء ساتیاں جب حد سے بڑھ گئیں۔ تو آپ سے ایک

صحابی نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپ ان لوگوں کے لئے بد دعا فرمائیے! آپ کا چہرہ مبارک یہ الفاظ سن کر تمہارا اٹھا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے وہ لوگ گد چکے ہیں جن کے سروں پر آدے چلائے جاتے تھے اور وہ چیر ڈالے جاتے تھے۔ پھر بھی اپنے فرض کے ادا کرنے سے وہ نہ چوکتے! اللہ اہل کافرین اسلام کی تکمیل کرے گا!

یہود کو سلاحتی کا تحفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی جنتیہ کے نام جو منافقین تھے۔ اور اہل مہنا کے نام تحریر فرمایا۔ مہنا ایلہ کے قریب ہے تمہارے ناصد جو تمہاری بستی کو واپس جا رہے ہیں وہ میرے پاس آئے۔ لہذا جب میرا یہ فرمان تمہارے پاس پہنچے۔ تو تم لوگوں کو امن ہے تمہارے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری ساری برائیاں اور تمام جرائم معاف کر دیئے ہیں تمہارے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے۔ تم پر کوئی ظلم نہ ہو سکتی نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے خود اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے تمہارے بھی محافظ رہیں گے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمہارا وہ مال غنیمت ہے جس پر تم کسی سے صلح کر لو۔ اور وہ غلام جو تمہارے پاس صلح میں نہیں آیا، گھوڑا، تمہارا اور مال۔ سدا کس کے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرمادیں یا آپ کا کوئی ناصد معاف کر دے۔

تم پر تمہارے کھجور کے باغوں کا پوتھانی حصہ، بحری شکار کا پوتھانی حصہ اور تمہاری عورتوں کے کاتے ہوئے سوت کا پوتھانی حصہ ہے۔ آئندہ تم لوگ ہر قسم کے جزیہ یا بیگار سے بری ہو۔ اگر تم سناؤ گے اور اطاعت کرے گے۔ تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہوگا۔ کہ وہ تمہارے بزرگوں کا احترام کریں۔ اور تمہارے
 بدکار سے درگزر کریں۔ امانتوں بنام مومنین و مسلمین جو شخص اہل تقنا کے ساتھ
 نیکی کرے گا۔ تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اور جہان کے ساتھ بدی کرے گا۔ تو اس کے
 لئے بھی برا ہوگا۔ اور تم لوگوں پر جو حاکم و امیر ہوگا۔ وہ یا تو تمہیں میں سے ہوگا۔ یا رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں سے ہوگا۔ والسلام
 یہود و نصاریٰ سے معاہدہ

ہجرت کے بعد آپ نے یہود و نصاریٰ سے جو پہلا معاہدہ کیا۔ اس کا ایک حصہ
 حسب ذیل ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ستر یا سردار کی پریشانی نہ تھا۔
 بے شک خدا کا ذمہ ایک ہے، اور نبی مسلمان کا فر کو پناہ دے سکتا ہے۔
 اور بے شک مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور موالی ہیں یہود و نصاریٰ
 جو شخص ہمارا ساتھ دے گا۔ اس کی مدد ہم پناہ جی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم دشمنوں
 کے مقابلہ میں ان کی مدد کریں۔ اور مسلمانوں کی صلح ایک ہے۔ یعنی اگر جہاد میں ایک
 مسلمان صلح کرے گا۔ سب کو منظور ہوگی۔ اور کوئی مسلمان تمہارا عدل و انصاف کو
 چھوڑ کر اور مسلمانوں کے برخلاف کفار سے صلح نہ کرے گا۔

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں ہی میں شمار کئے جائیں گے مسلمانوں کے
 واسطے ان کا دین ہے اور یہودیوں کے واسطے ان کا دین۔ اور ہر ایک کے موالی
 بھی انہیں کے ساتھ ہیں۔ اور جو شخص ظلم یا گناہ کرے گا۔ وہ اپنے تئیں آپ ہلاک
 کرے گا۔ اور بنی نجار کے یہود کے واسطے بھی یہی ہے جو بنی عوف کے یہود کے واسطے
 ہے۔ اور بنی حریث اور بنی ساعدہ اور بنی حنظلہ اور بنی اسد اور بنی ثعلبہ اور بنی شظنہ

سہ طبقات ابن سعد ج ۲۰ نالت

ان سب کا یہودی کے واسطے ذہبی ہے۔ جو بنی مونت کے یہودی کے واسطے ہے اور جو
 شخص کوئی برا کام کرے گا۔ اس کا دیال اس کے اوپر ہے۔ اور بنی ثعلبہ کے موالی مثل بنی
 ثعلبہ کے ہیں اور یہودی کی شناختیں بھی مثل انہیں کے ہیں۔

پر دانتہ امت

اب علم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی حمزہ بن بکر بن عبدمناف
 بن کنانہ کے لئے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال کا امن ہے۔ اس
 کے خلاف ان کی مدد کی جائے جو ان پر ظلم سے حملہ کرے ان پر بنی ثعلبہ
 و سلم کی مدد واجب ہوگی۔ جب تک سمندر ایک بال بھی تر کر سکے۔ سوائے اس کے
 کہ یہ لوگ دین الہی میں جنگ کریں۔ جب بنی ثعلبہ و سلم ان کو بلائیں گے تو
 یہ آپ کا حکم قبول کریں گے اس پر ان لوگوں کا اللہ و رسول ذمہ دار ہے ان میں سے
 جو نیکو کار و متقی ہوگا۔ اس کی بھی مدد کی جائے گی۔

اسلام کی تلوار

ظہیل بن عمرو دہلی اپنے قبول اسلام کی دلچسپ داستان بیان کرتے ہیں۔
 میری بیوی میرے پاس آئی میں نے کہا تمہارا میرے پاس کچھ کام نہیں
 ہے۔ نہ تم کو مجھ سے کچھ واسطہ اس نے کہا کیوں کیا ہوا، میرے مال باپ تمہارے
 قربان ہوں میں نے کہا اسلام نے میرے اور تمہارے درمیان جدائی کر دی ہے۔
 اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا بس تو میں بھی تمہارا دین
 اختیار کرتی ہوں میں نے کہا کہ پہلے جا کر غسل کر اور ذی الشریٰ کی ناپاکی دور کر
 دینے سے پہلے اس کے بت کا نام ہے، میری بیوی نے کہا ایسا نہ ہو ذی الشریٰ بچوں کو

سے میرت ان ہشام حصارل سے طبقات ابن سعد جلد ثالث

کچھ تکلیف پہنچائے ہیں تے کہا اس میں کیا قدرت ہے کہ کچھ کر سکے ہیں اس کا
ضامن ہوں۔ غرضیکہ میں نے بیوی کو بھی مسلمان کیا۔ پھر اپنے قبیلہ دؤں کو اسلام کی
دعوت دی۔ انہوں نے قبول اسلام میں تامل کیا۔ میں کہہ میں حضور ص کے پاس آیا اور
عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ وہ اس جلد اسلام قبول کرے۔ آپ نے دعا فرمائی اور مجھ سے
ادناؤ کیا کہ اپنی قوم میں جاؤ اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔
ہدایت نرمی کی ہے۔ جبراً جو زیادتی کا کوئی سوال نہیں۔ سچ پوچھنے۔ تو
اسلام کی تلوار یہی تھی!

زہر دینے والی عورت کی ہمان بخشی

جب حضور قوتحات سے فارغ ہوئے۔ زینب حوث کی
بیٹی اور سلام بن مشکم بیوی کی بیوی نے بکری کا گوشت بھون کر آپ کی خدمت
میں بھیجا۔ اور لوگوں سے دریافت کیا کہ حضور کو کون سا گوشت پسند ہے۔ لوگوں
نے کہا دست کا پس اس نے دست میں بہت سا اور باقی گوشت میں بھی خوب
زہر ملا کر سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں سے ایک بوٹی اٹھا کر منہ میں رکھی
اور اسے چیا یا لیکن نگلا نہیں۔ بلکہ خفک دیا۔ اور مبشر بن ہارث بن محرز بھی پاس
بٹھے تھے۔ انہوں نے ایک بوٹی چبا کر نگل لی۔ آپ نے فرمایا یہ ہری مجھ سے
کشتی ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ پھر آپ نے اس عورت کو بلا کر دریافت کیا۔
اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے زہر ملا ہے۔ آپ نے فرمایا تو بٹھے یہ کام کیوں کیا۔
عورت نے کہا اس واسطے کہ میری قوم کی جو حالت تم نے کی وہ تم جانتے ہو میں
نے یہ سوچا کہ اگر تم باوٹنا ہو تو میں زہر دے کر راحت پاؤں گی۔ لہذا گری ہو

سہ سیرت ابن ہشام حصہ اول

تب اس زہر کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔

داوی کہتا ہے حضورؐ نے اس عورت سے درگزر کی سزا
ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعرض رہا نہ پس
نہیں فرمایا سزا

امن نامہ

محمد بن عمر نے کہا کہ زور نہ دیا اور تیمار کے لوگوں نے جب دیکھا کہ تمام عرب
اسلام لے آیا تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف پیدا ہوا۔ اس پر ان کی تسلی
کے لئے یہ قرآن تحریر فرمایا

محمد بن عمر نے کہا کہ بخت بن دویب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے
پر ایلہ کے بادشاہ تھے۔ انہیں اذیت نہ ہو کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے
پس بھی رشتہ نہ بھیج دیں۔ بخت آئے تو ان کے ہمراہ اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر
بھی تھے۔ کچھ لوگ حربہ و روح کے بھی تھے۔

اس نے ان لوگوں سے معاملت فرمائی۔ ایک معینہ حربہ مقرر فرمایا۔ اور ان
کے لئے یہ قرآن تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: یہ امن نامہ اللہ اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
جانب سے بخت بن دویب اہل ایلہ کے لئے ان کی کشتیوں اور قلوں کے لئے ہے
جو حربہ بہرین ہیں۔ ان لوگوں کے لئے اور ان اہل شام، اہل یمن و اہل بحر کے لئے جو
ان کے ہمراہ ہیں۔ اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔
جو کوئی اس عہد کے خلاف انہی بات کہے گا تو اس کا مال اس کی جان کو نہ بچا

سنة بیروت ابن ہشام جلد دوم منہ طبقات ابن سعد جزو دراج

سکے گا۔ وہ اس شخص کے لئے حلال ہو گا جو اس کو لے نے زحمتی اس پر عمل کرے،
یہ بھی حلال نہ ہو گا کہ یہ لوگ جس پانی رکے کو لیں، پر اترتے ہیں۔ اسے روکیں کہ
اگر کوئی نہ بھرے، اور نہ خشکی اور تری کے اس راہنہ کو جس کا وہ لوگ اور وہ
کرتے ہیں۔

یہ فرمان جہیم بن الصلت و شریح بن مسنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے حکم سے لکھا۔

عبدالرحمن بن جابر نے اپنے والد سے روایت کی کہ جس روزہ بچہ بن دوہ
بنی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے ان کے بدن پر سونے
کی صلیب دیکھی۔ جو ان کی پیشانی پر بندھی ہوئی تھی۔ جب انہوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے سر سے تعظیم
وسلام کا اشارہ کیا۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنا سرا کھاؤ۔
آپ نے اسی روز ان سے مصالحت کر لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مینی چادر اڑھائی۔ اور بلان کے
پس ٹھیرانے کا حکم دیا۔ جس روز ایک در کو خالد لائے۔ تو میں نے انہیں بھی اس
کیفیت سے دیکھا تھا۔ کہ ان کے بدن پر سونے کی صلیب تھی۔ اور وہ شمشیری لباس
پہنے تھے۔

ابو سعیدان سے حسن سلوک

ابو سعیدان نے جس مسلسل شمشیری کا منظر ہوا حضرت کے ساتھ کیا۔ اسے
کون نہیں جانتا۔ فتح مکہ کے بعد جب کوئی سبیل نجات کی نہ رہی۔ تو یہ

عمر رسول حضرت عباس کے پاس حاضر ہوا۔

ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں مجھ کو تو کوئی ترکیب بجات
کی بتاؤ میں نے کہا میں کیا بتاؤں مگر تو مسلمانوں کے ہاتھ آگیا تو فدا تیری گردن
بار دیں گے خیر تو میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جا میں تجھ کو حضور کی خدمت میں لے
چلتا ہوں۔ اور تیرے واسطے من کی درخواست کروں گا حضرت عباس فرماتے
ہیں ابوسفیان میرے پیچھے سوار ہو گیا۔ اور دونوں ساتھی اس کے اٹے پھر گئے
اور میں اس کو لے کر لشکر میں آیا جس خیمہ کے پاس سے گذرنا تھا لوگ پوچھتے تھے
کہ یہ کون جانتا ہے پھر مجھ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ رسول خدا کے چچا رسول خدا کی خچر
پر سوار ہیں یہاں تک کہ میں حضرت عمر بن خطاب کے خیمہ کے پاس سے گذرا تو
عمر کھڑے ہو گئے اور ابوسفیان کو میرے پیچھے سوار دیکھ کر کہنے لگے یہ ابوسفیان خدا
کا دشمن ہے لشکر سے خدا کیا کہ خدا نے مجھ کو اس پر تباہ دیا۔ اور کوئی عہد و پیمان بھی
اس کی جان کے پختے کے واسطے نہیں ہے۔ اور پھر حضرت عمر رضہ حضور کی خدمت
میں دوڑے حضرت عباس کہتے ہیں میں نے بھی خچر کو دڑایا تاکہ میں عمر سے
پہلے حضور کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ اور ابوسفیان کے واسطے من اور پناہ
حضور سے لے لوں پس میں عمر سے پہلے حضور کی خدمت میں پہنچ گیا اور عمر بھی
اسی وقت آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدا نے مجھ کو ابوسفیان پر بغیر کسی عہد و
پیمان کے قابو سے دیا ہے پس مجھ کو اجازت دیجئے میں اس کی گردن بار دوں
عباس کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابوسفیان کو پناہ دے دی
ہے اور قسم ہے خدا کی آج کی بات میں اس کو اپنے پاس رکھوں گا۔

آپ نے فرمایا سے عباس اب تو تم اس کو لے جاؤ اور صبح کو میرے پاس

لے آتا۔

حضرت عباس کہتے ہیں روایت کو ابو سعیدان میرے ہی پاس رہا۔ اور صبح کو میں اس کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے ابو سعیدان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ابے ابو سعیدان تجھ کو خرابی ہو کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تو خدا کی وحدانیت کو جانے ابو سعیدان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کس قدر حکیم و کریم اور شتہ کے لانے والے ہیں۔ بے شک میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اگر خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو ضرور مجھ کو کوئی نفع پہنچاتا۔ کیونکہ میں اس کی پوجا کرتا تھا پھر حضور نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اسے ابو سعیدان کیا تیرے واسطے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری رسالت کا اقرار کرے۔ ابو سعیدان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کس قدر حکیم و کریم اور شتہ کا پاس اور خیال کرنے والے ہیں قسم ہے خدا کی اس بات سے اس وقت تک سائل میں کچھ ہے نہ

کچھ ہے! کا مطلب یہ ہے کہ نبوت تسلیم کرنے میں ابھی تک شک ہے۔ اگرچہ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

لیکن اس کے باوجود آپ ابو سعیدان کو امن دیتے ہیں۔ اس کے گھر کو دس سال تک قرار دیتے ہیں۔ اللہ اس کی مدد یہ دہشتی پر کوئی باز پرس نہیں کرتے!

اسلام کیوں کر پھیلا؟

مذبح کے غنم بن مالک کے قبیلہ کے ایک شخص سے مروی ہے کہ ہم میں ایک شخص تھے جو بطور قد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آنحضرت شام کا کھانا نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے انہیں

سیرت ابن ہشام حصہ دوم

کھانے کے لئے بلایا۔ تو یہ بیٹھ گئے۔

جب آپ کھانا دیکھ کر فرما چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب آئے اور فرمایا کہ کیا تم شہادت دیتے ہو کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل کے بندہ اور رسول ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ شہدان لا الہ الا اللہ و شہدان محمد عبده و رسولہ

فرمایا کہ تم طمع سے آئے ہو یا خوف سے۔ عرض کی طمع کے متعلق یہ عرض ہے کہ نبی آپ کے قبضہ میں کوئی مال نہیں رہیں گا کوئی لالچ کرے اور خوف کے متعلق یہ گدازش ہے کہ نبی میں ایسے شہر میں رہتا ہوں جہاں آپ کے لشکر نہیں پہنچ سکتے رکہ کوئی خوف کرے لیکن مجھے (عذابِ سموت کا) خوف دلایا گیا۔ تو میں ڈر گیا۔ مجھے کہا گیا کہ اللہ پر ایمان لاؤ میں نے آیاتِ نقیف کے لئے دعا

ظالفت سے رخصت ہو کر آپ مقامِ جبرائیل میں تشریف لائے۔ ہوازن کے بہت سے قبیلے آپ کے ساتھ تھے۔ راہی کہتا ہے۔ ظالفت کی جنگ میں ایک شخص نے عرض کیا کہ نقیف کے لئے بددعا فرمائیے۔ آپ نے دعا کی کہ اسے خدا نقیف کو ہدایت دے کر میرے پاس بھیج دے۔

یہودی کی شہادت

زہری سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے کہا۔ تو ریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صفت ایسی نہ رہی جو میں نے نہ دیکھی ہو۔ سوائے حلم کے میں نے نہیں دیکھا۔ ایک معینہ میعاد کے لئے آپ کو قرض دیئے تھے میں آپ

سلاطینات ابن سعد جزو الثلث سہ میرت ابن ہشام جلد دوم

کو چھوڑے، واجب مبعاد کا ایک روز رہ گیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم امیر متقی ادا کر دیجئے۔ اے گروہ بنی عبدالمطلب آپ لوگوں کی ٹال مٹول بہت بڑھ گئی ہے۔

عمر بن زینہ نے کہا اے یہودی خلیفہ! اگر آنحضرتؐ نہ ہوتے تو میں تیرا سر توڑ ڈالتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو حفص! تمہارا خدا تمہاری معفرت کرے ہم دونوں کو اس کلام کے علاوہ تم سے اس امر کی ضرورت تھی کہ تم مجھے اس کا عرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے۔ جو مجھ پر واجب ہے۔ وہ یہودی اس کا محتاج تھا۔ کہ تم اس کا متقی و صیل کرنے میں اس کی مدد کرتے۔

یہودی نے کہا کہ میری جہالت و سستی سے براہم آپ کے علم و نرمی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ اے یہودی تیرے متقی کا وقت توکل ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے ابو حفص! اس کیس باغ میں لے جاؤ جو اس نے پہلے روز مانگا تھا۔ اگر یہ رضی ہو جائے تو اس کو اتنے اتنے صاع دے دو۔ اور جو کچھ تم نے اس کو کہا ہے۔ اس کی وجہ سے اتنے اتنے صاع زائد دے دو۔ اگر وہ رضی نہ ہو تو پھر یہی اس کو قلال قلال یاغ سے دے دو۔

وہ کھجور پر رضی ہو گیا۔ عمر نے اس کو دہ دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اور اتنا زیادہ بھی جس کا آپ نے حکم فرمایا تھا۔

یہودی نے کھجور پر قبضہ کر لیا تو کہا اشہدان لا الہ الا اللہ وانہ رسول اللہ اے عمر! آپ نے مجھے جو کچھ کرتے دیکھا۔ مجھے اس پر محض اس امر سے یادہ کیا کہ میں نے تمام صفات مذکورہ تورات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشاہدہ کر لی تھیں۔ صرف علم باقی تھا۔ آج میں نے وہ بھی آزمایا ہیں نے آپ کو تورات کی صفت کے مطابق پایا۔

میں آپ کو گواہ بنانا ہوں کہ یہ کھجور اور میرے مال کا نصف حصہ تمام فقرا سے
مسلمین پر صرف ہوگا۔ عمر نے کہا کہ یا بعض فقرا پر تو اس کے کہا کہ یا بعض فقرا پر
اس یہودی کے تمام گھروں کے اسلام لے آئے۔ سوائے ایک عدد سالہ بڑھے کے
جو اپنے کفر پر قائم رہا۔

یہودیوں سے لین دین

یہودیوں کا جو برتاؤ آنحضرت کے ساتھ تھا۔ وہ مستطعم و معروف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
شرارت، سازش، سچو، غیبت سب ہی افعال تینوں ان سے سرزد ہوتے تھے۔
لیکن آپ سے ان سے سماجی تعلقات برابر قائم رکھے۔ ان میں بھی فرق نہیں
آئے دیا۔ چنانچہ:

اسما بنت زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
ہوئی۔ اور حسین رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ آپ کی زہرا ایک یہودی کے ہاں ایک
دستی تقریباً ۵ من، جو کے عین میں تھی۔
اسلام قبول کرنے کی کہانی

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ آپ کا لشکر جاہل تھا۔ انہیں سترہ بی بی حنیفہ میں سے
ایک شخص ملا لشکر نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کون شخص ہے
یہاں تک کہ اس کو آپ کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ تم نے
کس کو گرفتار کیا ہے؟ یہ ثامر بن انال حنفی ہے۔ اس کو اچھی طرح سے رکھو۔ اور آپ
نے اپنی اونٹنی کے واسطے حکم دیا کہ اس کا دو دو صبح اور شام دونوں وقت تمام کو
پلایا جائے۔

۱۰ طبقات ابن سعد جز ۱۰ ثالث

دادی کہتا ہے۔ آپ جب تمام سے ملنے فرماتے۔ اسے تمام اسلام قبول کر لے
 تمام کہتا۔ اسے محمد! اگر تم مجھ کو قتل کرو گے تو قتل کر دو۔ اور اگر فریب چاہتے ہو تو جو
 کہیں منگو اور اہل۔ اسی طرح چند روز گذر گئے۔ آخر ایک روز حضور نے فرمایا تمام کو
 چھوڑ دو۔ تم نے چھوڑ دیا تو تمام بقتح میں گئے اور وہاں خوب اسی طرح سے غسل اور
 وضو کر کے آئے اور مسلمان ہو گئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں پھر تمام عمرہ کے ارادہ سے کہ گئے اور وہاں جا کر انہوں
 نے لپیک کہا اور یہی مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جس نے کہ میں داخل ہو کر لپیک
 کہا۔ قریش نے پکڑ لیا اور قتل کرنے لے چلے۔ ایک شخص نے کہا قتل نہ کرو۔ کیونکہ تم
 لوگ پیام سے غلہ کے محتاج ہو تب قریش نے چھوڑ دیا۔

پھر تمام عمرہ میں عمرہ کے واسطے گئے۔ اہل مکہ نے کہا اسے تمام تو بے دین ہو گیا
 ہے۔ انہوں نے کہا نہیں میں سب سے بہترین محمد کے دین میں داخل ہوا ہوں۔ اور تم
 ہے خدا کی اسے قریش اپنا پیام سے تم کو ایک دانہ نہ لٹھے گا چنانچہ جب تمام پیام
 میں پہنچے۔ اپنی ذمہ کو منع کر دیا۔ کہ خبردار کہ مالوں کے ہاتھ ایک دانہ فروخت نہ کرنا۔
 اہل مکہ جب بہت تنگ ہوئے۔ تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو صلہ رحم
 کا حکم فرماتے ہیں۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ بالیل کو تو آپ نے تلوار سے قتل کیا۔ اللہ اب
 اولاد کو بچوک کی شدت سے ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ نے تمام کو لکھا کہ اہل مکہ کے ساتھ
 حسب دستور خرید و فروخت جاری رکھو۔

مردین سے رواد الکی

مرد کے بارے میں فقہاء مختلف ہیں کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے

سہ سیرت ابن ہشام حصہ دوم

لیکن جہاں تک اسوۂ نبوی کا تعلق ہے مسئلہ بالکل عفا اور نہ اس صبح ہے کسی قسم کے تشکیک اور شبہ کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ مثال خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔

اہل علم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے کہ قنیاہ الحسن میں سے جو اسلام لائے گا۔ نماز قائم کرے گا۔ زکوٰۃ دے گا۔ اللہ اور رسول صلعم کا حصہ دے گا۔ شرک کو ترک کر دے گا۔ تو وہ اللہ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ و ذمہ داری میں ہے۔ بے وقوف ہے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا۔ تو اللہ اللہ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں جس شخص کے اسلام کی کوئی مسلمان شہادت دے تو وہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ و ذمہ داری میں ہے اور وہ مسلمانوں میں ہے۔

وقت آخر غلاموں کا خیال

علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری جب شدید ہو گئی تو فرمایا۔ اے علی! میرے پاس ایک طبق رکھاؤ، لاؤ تو میں نہایت لکھ دوں کہ میرے بعد میری امت گمراہ نہ ہو۔ علی نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ رکھاؤ لانے سے پہلے آپ کی جان نہ چلی جائے پس کاغذ سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، مجھ سے نہ بانی فرما دیجئے!

آپ کا سر میری باہول اور بانہ دوئل کے درمیان تھا۔ کہ آپ وصیت فرمانے لگے: نماز اور زکوٰۃ اور حین غلاموں کے تم مالک ہو۔ ان کا خیال رکھنا، آپ اس طرح فرما رہے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ آپ نے کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ

و ان محمد اجداد سولہ کا حکم دیا اور فرمایا جس نے ان دونوں (توحید رسالت) کی شہادت دی۔ اس پر دوزخ حرام کر دی گئی۔
حضرت علیؑ کو ہدایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو یمن بھیجا ان کے لئے جھنڈا لٹا دیا۔ اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا جاؤ اور کسی طرف پھر نہ دیکھو۔ جب ان کے میدان میں اترے تو ان سے جنگ نہ کرو۔ اور تا وقتیکہ وہ تم سے نہ لڑیں۔

غلاموں کے لئے وصیت

زید بن الخطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: اپنے غلاموں کا رخیال رکھو، اپنے غلاموں کا رخیال رکھو، جو تم کھاؤ۔ اسی میں سے انہیں کھلاؤ۔ جو تم پہنو۔ اسی میں سے انہیں پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسا گناہ کریں جسے تم معاف کرتا نہ پھا ہو۔ تو اسے اللہ کے بندو انہیں بیچ ڈالو اور انہیں سزا نہ دو۔

عبدالرحمن بن عوف کو ہدایت

شعبان سے مروی ہے عبدالرحمن بن عوف کا سر پہ دو تہ الجھنڈا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف کو بلایا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا اور فرمایا:

اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ جو اللہ کے ساتھ لڑو۔ تم اس سے اس طرح لڑو کہ تم تو جہانت کرو۔ نہ بدبھدی کرو۔ اور نہ کسی بچے کو قتل کرو۔

سہ طبقات ابن سعد جلد ۲۰، ج ۱، ص ۱۰۰، طبقات ابن سعد جز ثانی

نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد آپ پر اسی مسابک پر قائم رہے۔
 جتنے عہد و پیمان ہو چکے تھے، حلف افضول کا معاہدہ ان سب میں معزز تھا
 سب سے پہلے زبیر بن عبد المطلب نے اس کی دعوت دی، بنی ہاشم و بنی زہرہ و
 نئی تہم پر سب لوگ عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ زبیر نے ان کے
 لئے کھانے کا انتظام کیا۔ سب نے اللہ تعالیٰ کو بیچ میں ڈال کے ان افضولوں
 میں عہد کیا۔

جب تک زبیر یا اس عہد کے لہگوئے کی نشان بانی ہے، ہم مظلوم کا
 ساتھ دیں گے، بناؤں گے اس کا حق ادا کیا جائے اور معاش میں اس کی خبر گیری اور
 مواسات بھی کریں گے۔

زبیر بن مطلق کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میں ابن جدعان کے گھر میں حلف میں شریک ہوا تھا مجھے پسند نہیں
 کہ صرخ زنگ کے اونٹ بلیں تو میں اس کو توڑنے طلب ہاشم و زہرہ و تہم نے قسمیں
 کھائی تھیں کہ کوئی وریا جب تک کسی عہد کو بھگو سکتا ہے۔ وہ مظلوم کا ساتھ
 دیں گے اور اگر مجھ کو راب لہی، اس میں ملایا جائے۔ تو میں قبول کر لوں گا۔

حلف افضول یہی ہے۔

ابو طالب کیلئے دعائے مغفرت

ابو طالب آپ کے چچا تھے عربی تھے۔ ہمہ روز اور غنسا رتھے لیکن اسلام نہ

لائے۔ پھر بھی آپ کی ہمدردیاں ان کے ساتھ قائم رہیں۔

ملہ طبقات ابن سعد جز اول

کاتب کی دشمنی

سید بن ابی سب سے مروی ہے کہ ابی بن خلف اجمعی بدر کے دن گرفتار ہوا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فدیہ دیا اور کہا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ جسے میں روزانہ ایک فرقہ (میرا) جو اہل کھلاہ اہول۔ شاید آپ کو اسی پر سوا یہ پو کے قتل کر دیں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میں انشاء اللہ اس پر مجھے قتل کروں گا۔

حالانکہ بڑی آسانی سے ممکن تھا کہ اس گستاخی کے بعد فدیہ نہ لیا جاتا۔ اور قتل کر دیا جاتا۔

مشک کی جرات

راوی کہتا ہے جب حضور نے ہوازن کے مقابلہ پر جانے کی تیاری کی تو کسی نے عرض کیا ہفتان بن امیہ کے پاس زرہ اور ہتھیار بہت ہیں۔ حضور نے ہفتان کے پاس جو ہتھیار مشک تھے۔ ان کی بھینجا کہ بھیر عاہ بیت کے تم اپنی زرہیں اور ہتھیار ہمیں دے دو۔ تاکہ ہم ان کے ساتھ اپنے دشمن سے جنگ کریں۔ ہفتان نے کہا کیا آپ میرا سالانہ منصب کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ منصب نہیں کرتے بلکہ بطور امانت کے رکھتے ہیں۔ جنگ سے فارغ ہو کر ہتھیار ہم کو واپس سے دیں گے۔ تب ہفتان نے ایک سوتہ لیا اور ہفتان کے ہتھیاروں کے حضور کی خدمت میں بیچ دیں۔

حلف القتل

فلاح و امہ کے بارے میں آپ مسلم و کافر کا امتیاز نہیں کرتے تھے۔

لہ طبعات ابن سعد جزو اول صفحہ میرت ابن ہشام صفحہ ۳۳

عمر کہتے ہیں کہ ابو طالب نے جب انتقال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے اور تجھے بخش دے جب تک جناب الہی سے
ممانعت نہ ہوگی پس تیرے لئے استغفار کرتا رہوں گا کہ
ابو طالب کیلئے مغفرت کی امید

اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث کہتے ہیں :-

عباس بن عبد المطلب نے عرض کی

یا رسول اللہ! متوجو لابی طالب، یا رسول اللہ! کیا آپ ابو طالب کے

لئے بھی امید رکھتے ہیں، یعنی آیا ان کے لئے بھی کچھ مغفرت ہے؟

فرمایا

کل الخیر لیس جو من ربی، میں اپنے پروردگار سے ہر طرح کی خیر و خوبی

پونگی کی امید رکھتا ہوں۔

پیا سے دشمن کے ساتھ رعایت

جب یہ لوگ یعنی قریش بدر کے میدان میں آکر آتے تو ان میں سے

ایک گروہ آپ کے عرض پر آن کر اپنی پیٹھ لگا، حضور ص نے صحابہ سے فرمایا کہ ان کو

منع نہ کرو پیٹھ سے۔

۱۰ طبقات ابن سعد جز اول ۱۰ سیرت ابن ہشام حصہ اول

آنحضرت کی ایک سیرت اور اس میں اسکا شکر

گذشتہ باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کا جو رخ پیش کیا گیا ہے وہ اس حقیقت پر مشتمل تھا کہ غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا اور وہ حالت نے ثابت کر دیا کہ وہ برتاؤ سرسری اور سارا احسان و سلوک اور لطف و کرم کا تھا۔ لیکن ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ دور محبوری اور پریشانی کا دور تھا۔ اس دور میں میر و برداشت کے سوا اور چارہ کار بھی کیا تھا۔ آنحضرت کی پوری حیات طیبہ پر اگر نظر ڈالی جائے۔ تو یہ بات بالکل ایچ اور بے وقعت ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اسے کچھ اہمیت بھی دی جاسکتی ہے۔ تو اب اس باب میں ہم یہ دکھائیں گے کہ نسبتاً وقت اور طاقت حاصل کرنے کے بعد آپ کا برتاؤ ان لوگوں کے ساتھ کیا رہا جو کھلے ہوئے دشمن تھے جنہوں نے معاہدے کیے اور ان پر عمل نہ کیا جنہوں نے آپ کو اپنی دوستی کا یقین دلایا لیکن جب دوستی کے امتحان کا وقت آیا تو معلوم ہوا۔ ان میں اور دشمنوں میں کوئی فرق نہیں جنہوں نے

پیمان کا احترام صرف اس وقت تک کیا۔ جب تک اپنے مفاد کا تقاضا نظر
 آیا۔ اور جب مفاد کا تقاضا یہ ہوا کہ اسے تڑپا جائے۔ تو پھر کسی بھجک امداد
 کے ردی کاغذ کا ایک پرزہ قرار دے دیا۔ ان
 کی بغاوت اور سرکشی پیمان شکنی شریب کاری اور شروع و مکر کا جواب صرف
 تلوار ہی سے دیا جاسکتا تھا۔ اور اب یہ بات بہت آسان تھی۔ کہ تلوار سے یہ
 جواب دے دیا جائے لیکن ہم دیکھیں گے کہ آیا آپ نے بھی قدرت اور امکان کے
 باوجود ایسا کیا یا نہیں۔

دشمن کیلئے تاج کا تحفہ

کفار کی چیرہ دستیوں اور منافکیوں کی مجبوریوں اور تاج پاریوں
 اہل مکہ کی قسوت اور شہادت۔ یونین مدینہ کی غلط وقت و رافت ایک ایسی
 حقیقت تھی۔ جو نہ بدرواج صبح تر اور روشن تر صورت اختیار کرتی جاتی تھی۔
 داعی اسلام کے علم و عقیدہ اور شہادہ رکھنے کی شہادت اور بغاوت میں کوئی نسبت
 ہی نہیں تھی۔ ثمامہ کے قبول اسلام نے ایک بالکل نئی صورت حالات
 پیدا کر دی۔ اس کا نیک نچہ اہل مکہ کا انبار خانہ تھا۔ اگر وہ تاج کی رسد بند کر دیتا
 تو مکہ والے فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے۔ ثمامہ کے قبول اسلام نے یہی کیفیت
 پیدا کر دی۔ اس کی غیرت ایمانی اسے بدداشت نہ کر سکی۔ کہ اب اس کے مذک
 سے ان لوگوں کو تاج فراہم کیا جائے جو اس کے دین۔ اس کے خدا اور اس کے
 رسول کے بڑے دشمن ہیں۔ چنانچہ اس نے غلہ کی فراہمی بند کر دی۔ یہ اتنا
 بڑا سانحہ تھا جس کی تاب لگنے کے خود پسند لوگ نہ ٹائیکے چنچ اٹھے۔

مخضرت مکہ کی یہ کیفیت معلوم ہوئی۔ تو آپ کی طبع تھی پسند اسے
 گوارا نہ کر سکی۔ کہ اس دشمن کو بھی پیٹ کی مار دی جائے جس نے جنگ بدر کی

معرکہ آریوں میں، خندق کی زبردست جنگ میں۔ احد کی فیرت چیز لڑائی میں مسلمانوں کو یہاں لکھیا کر دینے میں کوئی بے قیقہ فرقہ گذشت نہیں کیا تھا۔ آپ کو یہ بات بھی گوارا نہ تھی کہ دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر ناکہ بندی کر کے مجبور کر دیا جائے چنانچہ آپ نے تمام کو فرمان بھجوا کر اہل مکہ کا غلہ نہ روکا جائے جس طرح غلہ کی آمد و رفت جاری تھی۔ اس میں کسی طرح کی خلل اندازی نہ کی جائے۔

نہ جسیر نہ جود

حضرت نے بہت سے فراتر وادوں، حاکموں اور بادشاہوں کے پاس خطوط لکھے۔ کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو جائیں اور ان کو سلامتی کا نذیب اختیار کر لیں۔ چنانچہ سرکارہ سلامت کے نائب بر کی حیثیت سے حضرت علامہ (حضری) محمد بن سامی کے پاس گئے جو اپنے علاقہ کا فرمان لدا تھا۔ نامہ نبوی کا منندہ پر ایسا اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے خود ایک کتب خانہ حضرت کی خدمت میں لکھ کر وہاں کی صورت حالات کی وضاحت کی۔ یہ جو تھی۔ کہ کچھ لوگوں نے انشراح قلب کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ کچھ نے کہا بہت کا اٹھا رہا کیا اور ایک طبقہ نے علامہ حقائق کی۔ ان طبقہ کو پیش نظر رکھ کر ان سے سرکارہ رسالے سے دریافت کیا کہ میرے ہاں یہودیوں اور مجوسیوں کی کالی تعداد ہے۔ ان کو مخالفین و معاندین اسلام کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

یہ بڑا اچھا موقع تھا۔ دشمنوں کے ہتھیار کا بڑی آسانی سے اسلام کے دشمن یہودیوں اور مجوسیوں کا قلع قمع کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ کام دینپاہی بادشاہوں اور ملک گیروں کے ہوتے ہیں۔ روحانی تاجداروں اور باقی نمازیوں

طہ سیرت ابن ہشام

کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ مندر کو جواب دینے ہوئے رسول اللہ نے فرمایا۔

ومن يتصلح انما يتصلح لنفسه
 ومن اقام على يهوديته ادنحو سببته
 فعليه الجزية

یہ شخص نصیحت اور اسلام قبول کرتا ہے۔ وہ اپنی بھلائی کے لئے قبول کرتا ہے۔ لیکن جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

کسی طرح کے جبر و جور اور انتقام کا خیال اس حضرت م کے قلب میں کبھی اور کسی موقع پر آنے ہی نہیں پاتا تھا:

مال غنیمت قبول کرنے سے انکار

رجب سطرہ کا واقعہ ہے۔ سرور کائنات م نے حضرت عبداللہ بن جحش کو اس کام پر مامور فرمایا۔ کہ وہ نخلہ جائیں۔ اور تزییش کی سرگرمیوں کی سن گن لیں اور حالات سے وریا رسالت کو مطلع کریں۔ حضرت عبداللہ اس کام پر تشریف لے گئے۔ اتفاق کی بات تزییش کے ایک کاروان تجارت سے ٹکھیر ہو گئی۔ حضرت عید اللہ نے سید چادشمن سامنے آگیا ہے۔ تو اسے بغیر لڑے بھڑے کیوں جانے دیا جائے جنگ شروع کر دی۔ اس لڑائی میں دشمن کا ایک شخص ہلاک ہوا۔ دو گناہ کر لئے گئے۔ سادہ کانی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت عبداللہ خوش خوش مدینہ تشریف لائے اور یہ واقعہ بیان کر کے مال غنیمت سارے کا سارا ساتماب م کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

لیکن کیا رسالت آپ نے حضرت عبداللہ کے اس فعل کو سراہا و پسند کیا؟ مال غنیمت قبول فرمایا؟ تاریخ کا جواب

صاف انکار میں ہے۔ جو صحابہ موجود تھے۔ انہوں نے بھی آنحضرت م کی چشم غناب دیکھ کر حضرت عبداللہ کی زبردستی کی۔ اور خشکی کے اندازہ میں کہا

صنعتهم مالم تو مروا به
 تم نے یہ کام کیا جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا

سہ تاریخ طبری

مال غنیمت نہ قبول فرمانے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت ص کو ایک کافر اور دشمن کے خون ناحق سے کتنی تکلیف پہنچتی تھی۔

اسی سلسلہ کی ایک اور توضیحی روایت

مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آج جب کا آخری روز ہے۔ اگر تم ان سے لڑتے ہو اور ان کو قتل کرتے ہو۔ تو یہ مہینہ حرام ہے۔ اور اگر آج انتظار کرتے ہو تو یہ ساتویں رات حرم میں داخل ہو کر پھر تمہارے ہاتھ نہ آئیں گے۔ آخر انہوں نے اپنے دل قوی کئے اور جنگ ہی پر سب کا اتفاق ہوا۔ اور واقعہ بن عبد اللہ تمیمی نے ایک تبر بن حضرمی کے ایسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کلبان کو مسلمانوں نے قید کر لیا۔ اور توفیل بن عبد اللہ بھاگ گیا۔ ہر جہاں کو تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا۔ پھر عبد اللہ بن جحش ان دو قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر مدینہ میں حضور کے پاس حاضر ہوئے۔

روایت ہے کہ عبد اللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ یہ ہیں قدر مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ اس میں سے پانچواں حصہ ہم حضور کی نذر کریں گے۔ اور یہ ذائقہ خمس کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے چنانچہ عبد اللہ بن جحش نے حضور کے واسطے خمس نکالا۔ ابن حشام کہتے ہیں جب عبد اللہ بن جحش مدینہ میں آئے تو حضور نے ان سے فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم حرام مہینہ میں جنگ کرو۔ اور حضور نے اس خمس کو نہیں لیا۔ اور سب مال اور دو قتل قیدیوں کو رہنے دیا۔ عبد اللہ اور ان کے ساتھی بہت رنجیدہ تھے۔ اور خیال کرتے تھے کہ ہم ہلاک ہو گئے اور مسلمان بھی ان کی اس حرکت کو برا کہتے تھے۔

سنہ یسرت ابن ہشام حصہ اول

دشمن سے رعایت

تاریخ اسلام کی مشہور جنگ بدر کے سلسلہ میں فرقہ فتنہ میں جب اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف و متوجہ تھے۔ تو قدرۃً ہر ایک کے دل میں یہی خیال موجزن ہو گا کہ جس طرح بھی اپنے دشمن کو شکست دی جائے جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے ہم سروت۔ رعایت یہ نظام اخلاق ان وعافیت کے زمانہ کا ہے۔ جنگ کا نظام اخلاق صرف تشدد و اذیت کا ہے۔

جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ کہ ایک موقع تغیر طے فتح حاصل کرنے کا مسلمانوں کو مل گیا۔ مسلمانوں نے ایک شہر پر قبضہ کر لیا جس نے مسلمانوں کی تشدد ہی دور کر دی۔ اور کافروں کے لئے موت و ذریت کا سوال پیدا ہو گیا۔ لیکن اسلام کے تاجدار نے یہ گوارا نہ کیا کہ دشمن کو پیا ساما جا جائے۔ آپ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ اس پانی سے دشمن بھی حسب ضرورت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ گو اس حسن اخلاق کا دشمن کی عشق اور قسارت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس کی اسلام پیرا رہی اور مسلم آندہ کی کا جذبہ جوں کا توں قائم رہا۔ لیکن تاریخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس لطفت عظیم اور احسان عظیم کو اپنے منجات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا اور مسلمانوں کے لئے ایک ایسی رعایت قائم کر دی جس سے بعد کے زمانہ ہونان کے لئے بعد کے اذیت میں بھی امتان نہ رہا۔

کافر باپ کا لحاظ

غزوہ احد میں عجیب صورت حال سامنے آئی۔ کفار کے لشکر سے ابو عامر لڑنے کے لئے بڑھا۔ اسلام کے لشکر سے جو شخص اس سے مقابلہ کرنے کے

اس عاظم میں بھی سرور کائنات کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہیں نکلا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ کے دل میں دشمن کی نفرت ہے۔ اس مرحلہ پر بھی آپ کی زبان پر جو کلمات جاری تھے یہ تھے

سب اغفر تعوی خالہم لا یعلمون یعنی اے میرے پروردگار میری تویم کو بخش دے

یہ وہ لوگ ہیں جو راہی حق کو، نہیں

جاتے سہ

ان الفاظ میں محبت، تعلق خاطر اور خیر و فلاح کے سوا کچھ اور بھی ہے؟

کافر کا خون ہیا

قبیلہ کلاب کے رئیس ابوہریر نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ مجھ کو مسلمان اس کے ساتھ کر دیئے جائیں تاکہ وہ اس کے اہل قبیلہ کو اچھی طرح سمجھا سکے۔ آنحضرتؐ نے یہ استدعا قبول کر لی اور مشر صحابہ کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یہ لوگ ایک مقام ہجر معونہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اور ایک شخص کو مکتوب نبوی دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا سردار تھا۔ عامر نے قاصد کو قتل کر دیا اس پاس کے قبائل سے مدد لے کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ چڑھ دوڑا اور تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ صرف ایک مسلمان عمرو بن ابیہہ کو سر کے بال کاٹنے کے بعد یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی ہمت مانی تھی۔ جا تجھے آزاد کرنا ہوں۔ عمرو بن ابیہہ وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنو عامر کے دو آدمی اٹل گئے۔ عمرو نے انہیں قتل کر دیا۔ اور مدینہ پہنچے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ان بے گناہ مبلغین اسلام کی ہیکیانہ شہادت سے سرور کائنات کو کتنا زبردست صدمہ پہنچا ہوگا۔ آپ کو اتنا غم ہوا کہ کسی

سہ صحیح مسلم

حادثہ کا اتنا زیادہ غم نہیں ہوا تھا لیکن جب عمرو بن امیہ سے سنا کہ اتنے میں انہوں نے دو عامری لوگوں کو قتل کر کے عامری بے وفائی کا بدلہ لے لیا تو آپ نے نہ صرف یہ کہ خوشنودی مزاج کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ برہم ہوئے۔ اس لئے کہ یہ دو عامری وہ تھے جنہیں دو بار رسالت سے کافر ہونے کے باوجود ایمان مل چکی تھی اور آنحضرت ص کی یہ گوارا نہ تھا کہ اسلام کی ان میں آنے کے بعد کوئی کافر بھی بے گناہ قتل ہو ان مقتولوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر یہ قتل کیوں ہوئے۔ آنحضرت ص اس واقعہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک طرف تو آپ نے عمرو بن امیہ پر خفگی کا اظہار فرمایا اور دوسری طرف ان عامری لوگوں کے خون بہا کا اعلان فرمادیا:

مجھے فضیلت نہ دو

کفار کی تالیف قلوب ان کی بدترین ابتداء سانیوں کے باوجود آپ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی حضرت موسیٰ کے متاقب اس طرح بیان کرنے لگا کہ گویا حضرت موسیٰ کو آنحضرت ص پر بیعت حاصل ہے۔ ایک انصاری کو یہ بات سن کر تاب نہ رہی۔ انہوں نے یہودی کے منہ پر ایک تھپڑ لگا دیا۔ یہودی زیرک تھا بجا ہے اس کے کہ تری تبری کی جواب دینا وہ آنحضرت ص کے پاس پہنچا اور انصاری کی شکایت کی۔ آپ نے یہودی کی دادرسی کرتے ہوئے حسب روایت تجارتی فرمایا:

”مجھ کو دوسرے پیغمبروں پر فضیلت نہ دو!“

مسلمان باپ کی کافر اولاد

یہودیوں کو بار بار معاف کیا گیا۔ ان کی سازشوں اور جیلہ جوتیوں کو نظر انداز کیا گیا۔ ان کی باغبانہ اور سرکستانہ سرگرمیوں پر عفو و درگزر کا مظاہرہ کیا گیا لیکن ان کی سرشت اور طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہاں تک کہ ان کا ایک قبیلہ بنو نضیر جلا وطن کر دیا گیا۔ لیکن سب کچھ چھین کر نہیں سب کچھ دے کر اور وہ

اس نشان و شکوہ اور جاہ و تمہل سے مدینہ چھوڑ رہے تھے جیسے بڑے ٹھکانے کے ساتھ کسی شادی میں شرکت کے لئے جا رہے ہوں لیکن ان کے جانے جاتے ایک بڑی رکاوٹ پیش آگئی جب تک انصار نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ یہودیوں سے متاثر تھے۔ بے اولاد لوگ یہودی عبادت گاہوں میں جا جا کر منت مانتے تھے کہ اگر اولاد ہوئی تو یہی اولاد کو وہ یہودی بنا دیں گے۔ یہ ضعیف الاعتقادیاں ہندوستان میں بھی ہیں، اس جملہ معترضہ سے قطع نظر یہودی جب جانے لگے تو ان انصاری عربوں کو ساتھ لے چلے۔ چونکہ اور منت کے باعث یہودی بنائے جا چکے تھے لیکن اب جن کا خاندان ان کو ساتھ نہ جانے دیتے پر مصر تھا۔

یہ انصاری عرب بہر حال مذہباً یہودی تھے ان کے مسلمان والدین اور متعلقین کو اگر اجازت دے دی جاتی کہ وہ انہیں روک لیں۔ تو یہ مذہبی معاملات میں مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں پر ایک قسم کا دباؤ ہوتا۔ اور آپ سے گوارا نہ کر سکتے تھے۔ لہذا عرب خاندان کے یہودی نوجوانوں کو بلا استثنا اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ چلے جائیں۔

رسول کے لفظ پر نزاع

صلح حدیبیہ دسواں برس کے موقع پر بار بار ایسے مرحلے آئے کہ معاہدہ لکھنے سے پہلے فسوخ ہو جاتا۔ لیکن آپ کی رواداری سے ان تمام نازک مرحلوں کو خیر و خوبی کے ساتھ گزر جانے دیا۔ عین اس وقت جب شرائط پر اتفاق ہو چکا تھا تھا اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ معاہدہ لکھ رہے تھے۔ قریش کا تادمہ سہیل بن عمرو تھا۔ معاہدہ

کے آغاز میں برکت کے لئے امیر المومنین نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" تحریر فرمایا
 سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا یہ نسی بات ہے ہم اس کے خاکو نہیں ہمیشہ سے اپنے
 خطوں کی ابتدا میں "یا سئلک اللہم" لکھنے چلے آئے ہیں وہی لکھئے۔ رسول اللہ
 نے سہیل کی یہ بات مان لی۔ اور حضرت علی رضی سے فرمایا کہ یہی لکھو جو سہیل چاہتا ہے
 اس کے بعد بڑا نازک موقعہ آیا۔

حضرت علی رضی نے تحریر فرمایا

"یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ نے منظور فرمایا"

سہیل بھڑک اٹھا

"اگر ہم محمد کو رسول اللہ مانتے ہوتے۔ تو جھگڑا ہی کب ہے کا تھا صرف محمد اور محمد
 کے باپ کا نام ہونا چاہیے۔"

یہ سن کر آپ نے امیر المومنین سے فرمایا

"رسول اللہ" کا لفظ کاٹ دو!

حضرت علی رضی عاشق رسول تھے بچپن سے اب تک زندگی کا ایک لمحہ
 صرف اس لئے گزارا تھا کہ یہ زندگی سرور کائنات پر قربان ہو جائے لیکن محمد کے
 نام سے رسول اللہ کا لفظ اپنے فہم سے بھول کر نے پر رضامند نہ ہوئے۔ فرمایا
 "مجھ سے سرگزیر نہیں مٹایا جاسکتا۔"

سرور کائنات نے فرمایا

"جس جگہ میرا نام لکھا ہے مجھے دکھاؤ"

امیر المومنین نے وہاں انگلی رکھ دی۔ آنحضرت نے خود اپنے دست گرامی سے

رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔

پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے سرورہ کا منہ کو مخاطب کر کے کہا:

محمد — عہدہ اللہ صلح کے مطابق ابو جندل کو مجھے واپس

کر دو !
سہیل کا یہ مطالبہ سن کر حاقیرین بارگاہِ رسالت کے چہرے غصہ سے سرخ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قابو ہو گئے۔ ہم اسو مسلمان قافلہ نبوت میں موجود تھے اور یہ ایسی تعداد تھی۔ جو بڑے بڑے معرکے سر کی چکی تھی اور کرسکتی تھی۔ ان میں کاہر شخص ابو جندل کا حال نہ اردیکھ کر لڑنے پھرنے پر تیار تھا۔ صرف اشارہ نبوی کا نظر تھا۔ کوئی مسلمان بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ کہ ابو جندل جس پر اتنے ہولناک اور وحشیانہ مظالم توڑے جا چکے ہیں۔ پھر کافروں کے حملے کر دیا جائے۔ یہ معاہدہ کی تکمیل کا نہیں۔ اس کے شکست کر دینے کا، اسے مسوخ کر دینے کا، اسے چاک کر دینے کا، اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا وقت تھا۔ وہ معاہدہ جو ابو جندل جیسے سردنوں کو نرفہ کفار و انقیاء کے حملے کر دے۔ ہرگز باقی نہیں رکھا جاسکتا۔ اور ابو جندل بدستور خاک و خون میں لٹھڑے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

رسالت آبانے ابو جندل پر شفقت سے بھری ہوئی ایک نظر ڈالی۔ اور عبرت تحمل کی تلقین فرمائی۔ پھر فرمایا:

انا عقدنا بیننا و بین القوم صلحا

ہم سے اور کفار مکہ کے مابین صلح ہو چکی اور

وانا لا نعذر بہم

ہم یہ عہد ہی کا انکاب نہیں کر سکتے!

یہ سن کر سہیل کا چہرہ جوشِ مسرت سے تمنا اٹھا۔ ابو جندل کو نبوت نظر آنے لگی۔ مسلمانوں پر بھائی گر پڑی لیکن کس مسلمان میں مجال تھی۔ کہ وہ تاخیر رسالت کے

یسا کرتا ہے بے تامل عقوبت کو حکم دیا کہ نگہ واپس جائیں۔

انہوں نے بے بسی کے ساتھ کہا

کیا ان کافروں کے پاس جاؤں۔ جو مجھے کفر پر مجبور کرتے ہیں؟

سرور کائنات نے فرمایا

خدا تمہارے لئے کشتیوں کی کوئی صورت نکالے گا۔

اب عقوبت کے پاس اس کے سوا کیا چارہ کار تھا کہ جہاں کی سختیوں کی تاب نہ

لا کر وہ مذہب کے دارالامن میں پہنچے تھے۔ اب پھر وہاں واپس جائیں پھر پھر وہاں

مذہب کافروں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

پیمان شکنوں کے ساتھ پاس عہد کی یہ ایسی مثال ہے۔ جو قیامت تک بے مثال

رہے گی۔

درگزر سے کام لو

آنحضرت کی ساتھیوں میں چراگاہ میں چھا کر تکی تھیں، اس کا نام تھا۔

ایک مرتبہ قبیلہ قطفان کی — جس سے دوستی تھی — ایک جماعت نے

اس چراگاہ پر چھا پہ مارا اور اونٹنیاں بچا کر لے گئی۔ حضرت ابو ذر غفاری کے بیٹے

اس کے محافظ تھے۔ انہیں قتل کر دیا۔ اور ان کی بیوی کو بچا لے گئے، ایک صحابی حضرت

سلمہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع ملی۔ تو ان حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ اور تیر باری

شروع کر دی۔ حملہ آوروں کی بارش نہ سہہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت

سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور رسالت آپ سے پہنچ کر یہ تفصیل سنائی اور عرض کیا میں دشمنوں

کو تشدد سے چھوڑ آیا ہوں۔ اگر سوا آدمیوں کا ایک دستہ حرمت بتو تو سب کو گرفتار کر لائیں

سیدہ طبری

سو آدمی بڑی آسانی سے ممکن تھے اور ان تانوں اور حملہ آوروں کی گرفتاری بہت آسان تھی لیکن معلوم ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم نے اس معروفہ کا کیا جواب دیا۔ ارشاد ہوا

اذا ملکت فاصبح
یعنی جب تاروپاؤ تو درگزر سے کام لو

عین جنگ کے وقت

جنگ خیبر کا واقعہ ہے کہ جب دوسرے اہل صحابہ میں مرحلہ نہ سر کر سکے۔ تو سرور کائنات نے عظم فتح امیر المومنین حضرت علیؑ کے حوالہ کیا۔ اگرچہ آپ کا مزاج گرامی نامساز تھا۔ امیر المومنین نے پرچم ہاتھ میں لیتے کے بعد سرور کائنات سے دریافت فرمایا

کیا جنگ کر کے ران (یہود) کو مسلمان بنا لیا جائے؟

ارشاد ہوا

”نرمی اور ملاحظت کے ساتھ اسلام پیش کرو۔ ایک آدمی بھی اگر تمہاری تلقین سے مسلمان ہو جائے۔ تو یہ سرخ اونٹوں ران (غنیمت) سے بہتر ہے۔“

یہ ہیبت اہل وقت دربارہ رسالت سے دی جا رہی ہے جب فتح خیبر دشمن سے لڑنے کے لئے پرچم ہاتھ میں لے چکے ہیں؟

سزایا انعام؟

یہود کے ساتھ آنحضرتؐ کا بتاؤ ہمیشہ لطف و مراعات کا رہا لیکن یہ ہمیشہ احسان فراموشی اور کدہ پی کا منہ اسہرو کرتے رہے۔ یہ تو نصیر اللہؓ میں خیبر کی طرف جلاوطن کئے گئے تھے۔ اس لئے کہ ان کی شرارتیں حد سے تجاوز کر گئی تھیں۔ اب یہ سرکار رسالت کی جان کے گاکب ہو گئے۔ ایک مرتبہ ایک دیوار کے سہارے آپؐ کو بٹھا کر اوپر سے پھر لڑھکانے کا پروگرام بنایا لیکن وحی الہی تے آپؐ کو باخبر کر دیا۔ لہذا آپؐ بچ کر چلے آئے۔ اسی طرح نبی قینقار کو مدینہ سے جلاوطن کر کے خیبر جانے کا حکم دیا گیا لیکن ان کے جان و مال سے عہد شکنی کے باوجود کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

ہوا یہ تھا کہ انہوں نے ایک مسلمان عورت کو ازراہ شرارت سر بازا اور ہتھیار کر دیا۔ اور
ایک غیور مسلمان نے جب اس یہودی کو جس نے یہ حرکت کی تھی سزا دی۔ تو اسے
قتل کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں مصروف تھے۔
واپسی پر آپ نے یہود سے اس شرارت اور عہد شکنی کی وجہ دریافت کی۔ یہود نے معاہدہ
صلح کا کاغذ پیش کر دیا۔ اور جنگ کی تیاریاں علانیہ کرنے لگے۔ کیا جلا وطنی اتنے بڑے
جرم کی ہلکی سے ہلکی سزا تھی؟ کیا پیمان شکنوں اور سرکشوں بیاغیوں اور فتنہ انگیزوں
اور اقلیت کی شور و شہینوں کا جواب دینا اسی طرح دیتی ہے؟ کیا اب بھی اتنی بڑی
شور و شہین اور پیمان شکنی کا ایسا ہلکا جواب کوئی غیر منقذ دیکھ بھی سکے گا ہے؟

زہر پیے والی عورت

خیبر میں جانے کے بعد یہودی اور شہر ہو گئے یہاں بھی ان کی دور اندازیاں اور
شرارتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اسلام کے خلاف یہ تباہ وطن یہود سب سے بڑا امور چھ
بن گیا تھا۔ پھر جب فتح خیبر نے خیبر فتح کر لیا۔ اور یہاں کے فتنہ جو اور شرانگیز
یہودی مسلمانوں کے محکم بن گئے تب بھی ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوتی گئی۔
امن و امان اور عافیت کی زندگی بسر کرنے کا آپس میں موافقہ دیا گیا۔ لیکن
محکم بن جانے اور مسلمانوں سے امن کی نعمت حاصل کر لینے کے باوجود ان کا
رد یہ کیا تھا؟

ایک روز ایک یہودی خاندان نے آنحضرتؐ کو کچھ مجاہدین کی دعوت کی۔
آپ نے دعوت استمال اور تالیف قلوب کے خیال سے قبول فرمائی لیکن ایک
نغمہ کھایا اور ہاتھ کھینچ لیا۔ کھانے میں زہر ملا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے یہ نغمہ کھانے کی۔ تو
یہود نے اعتراض کیا کہ ہم نے یہ حرکت اس لئے کی تھی کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو
زہر کا اثر نہ ہو گا۔ اور نہ آپ سے ہمیں نجات مل جائے گی۔ یہ کھانے میں زہر ملانے والی

عورت کا نام زینب تھا یہ مرتبہ کی بھانج تھی جو بڑا مشہور اور کیتا سنے زمانہ
 یہودی لہووان تھا۔ جیسے فاتح خیبر امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے ہلاک کر دیا تھا۔
 یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ سادش تھی۔ سادش کا اعتراف تھا۔ مجرمہ آنکھوں کے
 سامنے موجود تھی لیکن کیا اسے سزا ملی؟ کیا وہ قید کر لی گئی؟ لوگوں کے اصرار کے
 باوجود آپؐ نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔

آپؐ نے زینب کو کوئی سزا نہیں دی۔ اپنے لئے ان مقام لینا آپؐ کو گوارا نہ تھا۔
 حضرت عائشہ رضہ کا یہ قول ایک تابندہ حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے
 ذاتی ان مقام نہیں لیا۔

جب تک ثبوت نزل جاتے.....!

خیبر میں ایک مرتبہ یہودیوں نے وہو کہہ کر ایک صحابی عبداللہ بن مسہل کو
 قتل کیا اور نہر میں ڈال دیا۔ مقتول صحابی کے ساتھی حضرت مجیمہؓ نے آکر رسالتناہ
 سے یہ ماجرا بیان کیا۔ لیکن چونکہ حضرت مجیمہؓ اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہ دے سکے
 اس لئے اس حضرت نے یہود سے نہ کسی قسم کی باز پرس کی نہ سزا دی۔

کافر کا مال

صحاح ستہ کی کتابوں میں سے ایک کتاب ابوداؤد میں ایک انصاری یہودی
 علاقہ کے سفر کی دعوت کرتے ہیں جس کا واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے
 ساتھ ہم سفر میں تھے۔ بھوک معلوم ہوئی۔ مگر کچھ موجود نہ تھا۔ کھاتے۔ ساتھی کچھ
 بکریاں نظر آئیں۔ انہیں بکریوں کے ذبح کر ڈالا۔ اور گوشت بنایا۔ اور ہاتھی پر چڑھا دیا۔
 اتنے میں اس واقعہ کا رسالتناہ کو علم ہوا۔ آپؐ نے تشریف لائے۔ دست مبارک

لہ بخاری نیز مسلم

میں کمان تھی۔ اسی سے لائڈیاں الٹ دیں اور ارشاد فرمایا

لوٹ کی چیز مردار سے زیادہ حلال نہیں!

پہرہ امان

فتح خیبر کے بعد یہود کو دربار رسالت سے پہرہ امان مل گیا۔ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں نے ————— جو ان کی شرارتوں اور مفسدانہ حرکتوں سے بالال رہتے ہی تھے۔ ————— بعض یہودیوں سے پھل اور جانور لٹائے۔ انحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ تو حسب روایت ابوداؤد آپؐ نے حد پر ہم ہوئے۔ تمام صحابہ کو مجتمع کیا اور فرمایا

ان الله تعالى لم يجعل لکم
ان تکفروا بیوت اهل الکتاب
الا باذن ولا ضربتسا لہم ولا
اکل اتملسرہم ۛ

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات تم پر حلال نہیں
کی ہے۔ کہ اہل کتاب کفار کے گھروں میں
ان کی بغیر اجازت داخل ہو جاؤ۔ یا ان کی
غیرتوں سے یہ سلو کی کرو۔ یا ان کے پھل

پھلاری کھاؤ الیہ

پاس عہد

صلح حدیبیہ کے شرائط صلح میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ انحضرتؐ اس سال بخیر حج کئے اور پس چلے جائیں گے۔ ائمہ سالہ سال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ دوسرے سال آپؐ ان تمام مسلمانوں کے ساتھ جو گذشتہ سال صلح کے موقع پر موجود تھے بڑے تحمل اور شکوہ کے ساتھ تشریف لائے۔ سب سے پہلے آپؐ نے معاہدہ کے مطابق بخیر کسی کی یاد دہانی کے کلمہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر یمن باغ میں تمام تمہیار رکھ دیئے۔ اور دو سو سو اداروں کو ان کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ پھر کہ تشریف لے گئے اور وہاں حسب معاہدہ تین دن مقیم رہے۔ روزِ سائے قریش اسے گوارا نہیں

کر سکتے تھے کہ مسلمانوں کو اسلامی طرز پر حج کرنے سے لکھیں۔ وہ تین دن کے لئے
 کوہ قبلیس کی چوٹی پر جا لے۔ جب یہ مدت گزر گئی تو وہ اُسے اور انہوں نے امیر المؤمنین
 علی رض سے کہا

"تین دن پورے ہو چکے۔ محمد سے کہہ دو اب جائیں"
 پاس عہد کا اتنا جہال تھا کہ آپ نے ابوالفتح کو حکم دیا۔ تو انہوں نے کوچ کی
 ندادی۔ اور کہا کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص وہاں شام نہ کرے۔
 جیسے ہی گوش مبارک تک یہ پیام پہنچا آپ اسی وقت مکہ سے چل پڑے
 خالد سے بات پرس

مکہ میں اس وقت جب آپ کا قاتلانہ داخلہ ہوا تو آپ نے ہر اس شخص کو
 امن عطا کر دیا تھا۔ جو جنگ نہ کرتا چاہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے کسی سے
 تعرض نہیں کیا۔ لیکن قریش کی ایک جماعت برسرِ پیکار ہو گئی۔ حضرت خالد بن
 ولید نے نہ کی بترکی جواب دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آور ٹھہر نہ سکے۔ چند لاشیں
 چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حضرت مہدی نے اس خیال سے کہ شاید حضرت خالد نے
 یہ آیات نبوی کا لحاظ نہیں کیا اور کفار سے بھڑکے۔ خالد کو بلایا اور یہاں پر اس فریاد
 لیکن جب معلوم ہوا کہ پہل انہی کی طرف سے ہوئی تھی تو خاموش ہو رہے۔ اس
 واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فتح و کامرانی کے عالم میں بھی کفار و مشرکین کی
 کشتی اور حمایت آپ کو بد منظر متھی تھی۔

شطا کا دل سے درگند

معادۃً عند بلدیہ کی تکمیل کے بعد حضرت ابی وہب قیام پذیر تھے۔ کہ

ایک دن کوہنیم سے صبح منہ اندھیرے اسی آدمیوں کا ایک قافلہ عین ازل وقت
 کہ مسلمان نماز میں مصروف تھے۔ انہیں قتل کر دینے کے ارادہ سے نیچے اترا
 یہ لوگ بجائے ازل کے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے۔ اگلے گرفتار کر لئے
 گئے۔ دنیا کے ہر آئین و دستور کی رو سے ان کی سزا قتل ہو سکتی تھی۔ اور اب ان کا قتل
 کرونا صرف ایک اشارہ چشم کا محتاج تھا لیکن رحمتہ للعالمین نے ان خطا کاروں
 پر رحم فرمایا۔ اور سب کو رہا کر دیا۔

صلح حدیبیہ

خود صلح حدیبیہ کا انعقاد اور نفاذ اس حالت میں ہوا کہ مسلمان اب پہلے
 سے بہت زیادہ طاقتور ہو چکے تھے وہ کفار کا مقابلہ کر سکتے تھے انہیں شکست
 دے سکتے تھے لیکن چونکہ آپ جنگ پر صلح کو ترجیح دیتے تھے لہذا آپ نے
 وہ شرائط تسلیم کر لیں جو صرف ہذا ہوا حریف ہی تسلیم کر سکتا ہے۔ خود مسلمان
 ان شرائط کے تسلیم کرنے سے بہت بددل ہوئے لیکن آپ نے نہ صرف ان شرائط
 کو قبول فرمایا۔ بلکہ انہیں کاسرانی کا پہلا مرحلہ قرار دیا۔ قرآن کریم نے اسے فتح مبین
 قرار دیا۔ اور بعد کے صفحات نے ————— جن کی تفصیل ہمارے موضوع
 سے خارج ہے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی یہ صلح فتح مبین تھی!

اس معاہدہ کی ضروری تاریخ یہ ہے

دہوی کہتا ہے۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو عہد نامہ لکھنے کے
 واسطے طلب کیا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم یہاں سے کہا میں
 اس کو نہیں جانتا ہوں۔ یہ لکھو یا اسماک اللہم حضور نے فرمایا اچھا یہی لکھو

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی لکھا۔ پھر آپ نے فرمایا یہ لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے۔ جو محمد رسول خدا اور سہیل بن عمرو کے باہن طے ہوا۔ سہیل نے کہا۔ اگر میں آپ کو رسول خدا ماننا تو آپ کے کیوں لڑتا۔ بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ آپ نے فرمایا یوں لکھو۔ کہ یہ وہ صلح نامہ ہے۔ جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے باہن طے ہوا۔ یہ کہ میں آپ تک جنگ نہ ہو۔ اور ایک دوسرے سے دے رہیں۔ اور جو شخص تشریش میں سے بغیر اجازت اپنے ولی کے محمد کے پاس جائیگا۔ محمد اس کو واپس کر دیں گے اور اگر محمد کا کوئی شخص تشریش کے پاس چلا جائے گا۔ تو تشریش اس کو واپس نہ کریں گے۔ اور جو شخص یہ چاہے کہ محمد کے عہد میں داخل ہو وہ محمد کے عہد میں داخل ہو جائے۔ اور جو تشریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے وہ تشریش کے عہد میں داخل ہو۔ یہی عزا ہے اس بات کے سنتے ہی کہا۔ کہ ہم تو محمد کے عہد میں ہیں۔ اور یہ بکرنے کہا ہم تشریش کے عہد میں ہیں۔ اور اس بات پر عہد ہوا کہ آپ اس سال واپس تشریش لے جائیں۔ اور آیتہ سال اپنے اصحاب کے ساتھ آئیں۔ اور تلواروں کو میان میں کئے ہوئے تین روز تک میں رہیں اور بغیر تلواروں کے نہ رہیں۔

دادی کہتا ہے یہ تو یہ صلح نامہ لکھا ہی جا رہا تھا۔ کہ ابو جندل بن سہیل عمرو بن مخیرول سے بندھے ہوئے حضور کی خدمت میں آئے اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ پہلے تو اسے شوق اور فوق میں حضور کے خواب کی خبر من کر کے کی زیارت اور فتح کی امید سے آئے تھے۔ اب جو حضور کو اس طرح صلح کر کے واپس ہوتے دیکھا۔ تو مسلمان بہت ہی افسردہ دل ہو گئے تھے۔ قریب تھا کہ اس رنج سے ہلاک ہو جائیں۔

سہیل بن عمرو نے جو اپنے بیٹے ابو جندل کو کھڑا دیکھا۔ ایک طمہ انچھان کے

منہ پڑنا اور حضور سے کہا اے محمد! میرے تمہارے درمیان میں قضیہ اس کے
انے سے پہلے فیصل ہو چکا ہے یعنی ابو جندل کو تمہارے ساتھ لے نہ دوں گا۔
آپ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے یہ

مزید بہت

فتح مکہ کے بعد بھی وہ معاہدے جو کفار و مشرکین کے ساتھ
آنحضرت نے کئے تھے قائم رہے۔ ایک سال یعنی ۹ھ تک یہی کیفیت رہی
لیکن اس لطف عام سے کفار و مشرکین نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا وہ برا بر قتل و کینہ
اور مفسدہ پیدا کر لیں میں مصروف رہے۔ آخر سورہ ہرات نازل ہوئی۔ اور
آنحضرت نے خود کفار و مشرکین کے نقص عہد کے باعث وہ معاہدات منسوخ فرما
دیئے لیکن منسوخی کی تاریخ چار مہینے آگے کی رکھی یعنی اعلان کے چار ماہ بعد
معاہدات منسوخ ہوئے گئے۔ گویا چار ماہ کی بہت اور انہیں دی
گئی! حالانکہ جب خود ان کی طرف سے عملاً عہد شکنی ہو چکی تھی۔ تو اب اصولاً اور
قانوناً اور اخلاقاً کسی بہت کی ضرورت نہ تھی!

صرف خدا کے لئے

کفار اور مشرکین کے ساتھ جو عہد کیا جاتا تھا لفظاً و معنیاً اس کی زیادہ
سے زیادہ پابندی کی جاتی تھی۔ بلکہ ایسی ذمہ داریاں بھی اپنے اوپر عائد کر لی
جاتی تھیں جنکی بجائے کسی طرح بھی ضروری اور لازمی نہیں تھی۔
کفار سے حدیث کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ بلکہ اس معاہدہ پر دو سال کی مدت
گذر چکی تھی۔ کہ آپ کو اطلاع ملی۔ قریش کا ایک نجاری قافلہ شام سے آرہا ہے۔

سلہ میرٹھ ابن ہشام

قبیلہ جمینہ کی طرف سے اندیشہ تھا کہ یہ حملہ آور نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے اس قافلہ کی حفاظت کے لئے تین سو مجاہدوں کا ایک دستہ روانہ فرمایا جس کی سربراہی حضرت ابو بلیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں نے مشرکوں کے اس قافلہ کی حفاظت کا کام اس طرح سرانجام دیا کہ جب رسد ختم ہو گئی تو ایک ایک چھوڑ کر پورے گز اور دیا۔ لیکن فرض کی بجائے آدھی سے قافلہ نہ ہوتے۔ اور یہ وہ فرض تھا جس کی واد صرف خدا ہی دے سکتا تھا۔ ان مشرکوں کی طرف سے کوئی صلہ تھا نہ ان کے حامیوں اور مددگاروں کی طرف سے نہ

کفار کا سفیر

قریش کی طرف سے ایک مرتبہ ایک صاحب ابورافع قاصد کی حیثیت سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جمال نبوت دیکھتے ہی رنگ کفر و شرک آئینہ دل سے مچھو گیا۔ مسلمان ہو گئے اور قریش کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: تمہیں واپس جانا پڑے گا۔ کیونکہ تم قاصد کو نہیں روک سکتے۔ یہ بات خلاف اصول ہے۔ اس وقت چلے جاؤ۔ پھر شوق سے واپس آجانا۔ چنانچہ حضرت ابورافع بادل بنا تو استند واپس گئے۔

ایفاء عہد!

عین اس وقت جب بدر کی جنگ ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں لشکر کفار کہیں نہ یا رہا تھا۔ دو مسلمان کسی نہ کسی طرح کفار کی زد سے بچ کر دیار رسالت میں پہنچے اور شریک جنگ ہونے کے لئے پھل گئے۔ انہیں راستہ میں کافروں نے پکڑ لیا تھا اور اس شرط پر چھوڑا تھا کہ آواز مسلمانوں کے

سہ طبقات ابن سعد سے ابوداؤد

ساتھ مل کر کازروں سے جنگ نہیں کریں گے۔ اور یہ وعدہ ان لوگوں نے صرف اس لئے کر لیا تھا کہ یہاں وقت نہ ضائع ہو۔ ایسے غیر منطقی وعدے خود ہی باطل ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ نے انہیں شہرت جنگ کی اجازت نہیں دی۔ اس لئے کہ وعدہ کی پابندی اور اس کا اقلہ ایک مسلمان کے لئے بہر حال ضروری ہے:

موت نہ ہندید

جنگ کے اخلاقیات عام نظام اخلاق سے بالکل الگ اور جدا ہوتے ہیں۔ جو بات عام حالات میں جائز نہیں ہوتی۔ وہ جنگ کے دوران میں تو ایسے ہی جاتی ہے۔ تو می حکومتیں اپنے عوام پر اقتدار حاصل کر لیتی ہیں۔ کہ جس چیز پر چاہیں۔ قبضہ کر لیں۔ کسی کو جال دم زدوں نہیں ہوتی۔ اور اگر کہیں دشمن کی کوئی چیز ہاتھ آجائے تو وہ بغیر کسی نامل کے اپنی ہی ہوتی ہے۔ لیکن کیا اسلام کا جہاد اسے جائز رکھتا ہے؟ کیا دنیا کے سب سے بڑے مجاہد نے اسے گوارا کیا ہے؟ کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہے؟ حضرت امیر معاویہؓ نے اس روایت فرماتے ہیں کہ ایک نعرہ ہے حضور کے ساتھ میں بھی تھا رہم (لوگوں نے دوسروں کے پیر اور میں چاکر نہیں تنگ کیا، لوٹ مار کی) (قیامت الیٰ صلی اللہ علیہ وسلم متاد یا بنا دیا فی الناس ان من ضیق بیوتاً و قطع طریقاً لا جہاد لہ) تو رسول اللہ نے ایک متاد می کھینچا جو پکار رہا تھا کہ جو لوگوں (دشمنوں) کو گھروں میں تنگ کرے۔ یا لوٹ مار کرے۔ تو اس کا جہاد جہاد نہیں۔ کیا اس ہندید سے بڑھ کر کبھی کوئی ہندید موثر اور کارگر ہو سکتی تھی؟

دشمن مسجد نبوی میں

طاقت کا ایک دور وہ تھا کہ دشمنیت تبلیغ اسلام کے لئے پہلے تو آپ کو لوہان کر دیا گیا۔ دوسرا دور یہ تھا کہ دشمن طاقت اسلام کی قوت سے مرعوب

ہو چکا تھا۔ اور یہ سوچنے لگا تھا کہ اس میل روال سے ہم کیونکر بیچ سکیں گے؟ چنانچہ اہل طائف کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں پہنچا۔ اس وفد کا رئیس عبدیاللیل تھا۔ آنحضرتؐ نے جب پہلی مرتبہ طائف میں قدم رکھا تھا تو یہی عبدیاللیل آپؐ کی ایذا رسانی میں پیش پیش تھا۔ اور آج ایک وفد کا رئیس بن کر جھکی ہوئی گردن اور جھکی ہوئی آنکھ کے ساتھ حاضر و بار تھا۔

لیکن معلوم ہے۔ اس بزرگین۔ بدبندیب اور آزار رسالہ دشمن کے ساتھ رسول اللہؐ نے کیا برتاؤ کیا؟ اس کا فریاد آنحضرتؐ نے دنیا کے سب سے متقدس مقام مسجد نبویؐ میں اٹا۔ صرف اسی کو نہیں، اس کے ساتھ نبیوں کو بھی صحیح مسجد میں خیمے نصب کرائے گئے۔ اور یہ لوگ بنے نابل اس میں ٹھہرا دیتے گئے۔ — پھر ان کے ساتھ لطف و مراعات کا برتاؤ کیا گیا؟

عیسائیوں کی نماز مسجد نبویؐ میں

اسی طرح جب نجران رمضان میں آئے عیسائیوں کا ایک وفد بار یاب ہوا تو اسے بھی آپؐ نے مسجد نبویؐ کا کہیں بنایا یہی نہیں بلکہ مسجد صحیحی جو اہل بیت کا وقتہ تھا اور ان لوگوں نے مسجد میں اپنی نماز ادا کرنی چاہی۔ تو صحابہ کرام نے منع کیا۔ لیکن رسالت اکبرؐ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ یہود کا اسلام اور داعی اسلامؐ کے ساتھ کیا رویہ تھا۔ یہ بات گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ یہ یہود بھی نجرانی عیسائیوں سے ملنے مسجد نبویؐ میں آیا کرتے تھے اور گفتگوں بات چیت کیا کرتے تھے۔ ان کی آمد پر بھی کبھی کسی طرح کی پابندی غایب نہیں کی گئی؟

ابن اسحاق کہتے ہیں جب نصاریٰ کا گروہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ بہت عجز و بائس سے آراستہ تھے بعض صحابہ جنہوں نے ان کو دیکھا تھا فرماتے ہیں۔ ہم نے ان کے بعد کوئی ایسا گروہ نہیں

نہیں دیکھا جس وقت یہ لوگ آئے ہیں۔ آپ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے ان کی نماز کا بھی وقت آیا یہ مسجد ہی میں نماز پڑھنے لگے۔ آپ نے فرمایا ان کو نماز پڑھتے وہ کچھ نہ کہو ان لوگوں نے مشرق کی طرف متہ کر کے نماز پڑھی سہ
نجران کے عیسائیوں سے دائمی معاہدہ

نجرانی عیسائیوں کا یہ وفد آئے نہیں آیا تھا کہ اسلام قبول کیسے بلکہ اس لئے آیا تھا کہ اسلام کی سیاسی یا لادینی تسلیم کر لے چنانچہ وفد کو آنحضرتؐ کی طرف سے جو ضمانت (ASSURANCE) دی گئی اس کے چند الفاظ خاص طور پر اپنے نعرہ اثر کے لحاظ سے خور طلب میں نجران جو اسرا اللہ وذمہ محمد النبی علیہ السلام وملتہم وغانیہم وقاتلہم وقاتلہم وعتیرتہم وبتبعہم وان کالیغیہم حق من حقہم ولا ملتہم ولا یغیر کلہما تحت ایدہم من ثلیل اور کثیر و یس علیہم ریبۃ وکلام جاہلیۃ ولا یحیشون ولا یطاعہم امرضہم الجیش

یعنی نجران کے عیسائیوں کو خدا اور اس کے رسول محمدؐ کا ذمہ حاصل ہو گا۔ ان کی جہان، مذہب، زمین اور جائداد کے بارے میں ان تمام لوگوں کو جو دیہاں، حاضر ہیں یا دیہاں سے غائب ہیں قبیلہ واسط میں پاپیرو کا رہان کے کسی غنی میں تغیر نہیں کیا جائے گا۔ جو کچھ ان کے قبضہ اور تصرف میں ہے۔ خواہ کلم ہو یا زیادہ۔ اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ گذشتہ دور کے قبیلات یا قمل کے معاملات میں وہ مانعہ نہ کئے جائیں گے۔ نہ وہ بیگا رہیں پورے جائیں گے۔ نہ ان کے خلاف کو زمین سے اسلامی فوج گذرے گی! ————— کیا اس سے بڑا بھی کوئی ذمہ ہو سکتا ہے؟

پھر جب یہ وفد جانے لگا تو اس نے پھر ایک تحریر آنحضرتؐ سے اپنے
دین، معاہدہ اور شعائر دین کے بارے میں حاصل کی جو حسب ذیل ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأَسْقَفِ ابْنِي الْحَارِثِ
وَأَسَاقِفَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَصَفِيٍّ مِنْ سُرَبْيَانِيَّةٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِمْ وَسَيِّدِيهِمْ وَمَلِكِهِمْ
وَمَوَالِيَتِهِمْ وَعَلَى كُلِّ مَا نَحْتُمُ إِلَيْهِمْ مِنْ تَيْلٍ وَكَثِيرٍ جِوَا سِوَا اللَّهِ وَسِوَا سِوَا
لَا بَعْدَ اسْقَفٍ مِنْ سَقْفِيهِ وَلَا سِوَا أَهْبٍ مِنْ سُرَبْيَانِيَّةٍ وَلَا كَاهِنٍ مِنْ كَاهِنِيَّةٍ
وَلَا بَعْدَ يَرِ حَقٍّ مِنْ حَقِّهِمْ وَلَا سِلْطَانِهِمْ وَلَا مَلِكِهِمْ وَلَا عَلَيْهِ عَلَى ذَلِكَ جِوَا
اللَّهُ وَسِوَا سِوَا ابْنِ

یعنی محمد رسول اللہ کی طرف سے اسقف ابو حارث اور بنجران کے دو سرے
پاؤں اور ابوبکر ان کے رفیقوں، اہل بیت اور غلاموں کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ
جو کچھ ان کے قبضہ اور تصرف میں ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ سب کو خدا اور اس
کے رسول کا ذمہ حاصل ہوگا۔ کسی رہنمائی یا اختیار منصب میں
کچھ دوہرا نہیں کیا جائے گا۔ ان کی موجودہ حالت بخیر کسی تغیر کے خدا اور اس کے
رسول کے ذمہ میں دامن پائی رہے گی۔

اس تحریر میں دامن کا لفظ دیکھئے۔ اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دیکھئے۔ پادری
کاہن اور رہنمائی کے حق و سلطان کا اسلام کی طرف سے تسلیم ہونا دیکھئے۔
کیا یہ نہاداری کی انتہا نہیں ہے؟

جان بخشی

مسند ابن جنبل کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص گرفتار کے سرکار

رسالت کے سامنے لایا گیا۔ اس پر الزام تھا کہ یہ تاک میں تھا کسی طرح موقع ملے تو سرور کائنات پر قائلانہ حملہ کرے۔ آپ نے لازم کو دیکھ کر فرمایا

اسے چھوڑ دو

وہ چھوڑ دیا گیا

تہ کوئی تجدید نہ تہد یدانہ سرزنش نہ تعزیر نہ سزا نہ تفتیبت۔ حالانکہ مستحق قتل کا تھا:

یہودی شہر خواہ

مسند احمد بن حنبل کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک صحابی ابو صدورہ ایک یہودی کے مفروض تھے یہودی ناوہنگی کے الزام میں انہیں لے کر وہ بار رسالت میں آیا آنحضرت کے استفسار پر انہوں نے اپنی مجبوری اور معذرتی بیان کی لیکن آپ نے مسترد کیا

”قرض قدا ادا ہونا چاہیے!“

یہ سن کر صحابی رسول نے جو تہ تبراندھے ہونے تھے۔ ذر قرض کے معاوضہ میں یہودی کو پیش کر دیا۔ اور جو غلامہ سر پر تھا اسے تہ تبر تیا لیا:

کافر مہمان

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک کافر سرور کائنات کا مہمان ہوا۔ آپ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ سب کا سب پی گیا (نکر سپر ہوا) آپ نے یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دودھ اسے پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا:

یہودی کی آنحضرت سے بد تمیزی

الی پریشانیوں کے باعث آنحضرت کو بھی کبھی قرض لے لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی زید بن سعید اپنی رقم کے تہاضہ کے لئے پہنچا۔ حالانکہ مبعاد میں

ابھی چند دن باقی تھے لیکن اس نے گستاخی اور بد تمیزی کے ساتھ تقاضہ شروع کیا۔
حضرت عمرؓ موجود تھے۔ وہ اپنے غصہ کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ اسے ڈانسا، تو آنحضرتؐ
نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:-

”تمہیں چاہیے تھا کہ اسے سمجھاتے۔ نرمی سے تقاضہ کرو۔ اور مجھ سے کہتے کہ
قرض ادا کرو!“

پھر فرمایا

عمرؓ! تم اس کا قرض دہری طرت سے اہلیباق کرو۔ اور بیس صلح کھجور مزید
اس سخت کلامی کاتما ان اسے دو۔

یہ تھا سلوک سرور کائناتؐ کا ایک ایسے شخص کے ساتھ جس کی جان و مال
عزت، اہم و سپا آپ کے قبضہ میں تھی :-

شیردار :-

مسند ابن جنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ایک غزوہ میں مشیرین
کے کچھ بچے لپیٹے ہیں کہ ہلاک ہو گئے۔ آپؐ کو یہ خبر ملی۔ تو بہت غمگین ہوئے
ایک صحابی نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہؐ! وہ بچے مشیرین ہی کے تو تھے!“

ارشاد ہوا

”مشیرین کے بچے تم سے بہتر ہیں۔ شیردار بچوں کو قتل مت کرو۔ شیردار بچوں
کو قتل مت کرو“

حلیف مشرکوں کے لئے

سید میں صلح حدیبیہ کا عہد نامہ تحریر ہوا تھا۔ مشیرین ایک واقعہ ایسا ہوا
کہ آنحضرتؐ کو کہہ پر فوج کشی کا عزم کر لیتا پڑا۔ لیکن بینترم مسلمانوں کے وقار اور سختی

کی خاطر نہیں مشرکین کے تحفظ اور وفاداری کی خاطر فرمایا گیا۔
 عہد نامہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ قبائل میں جو چاہیں مشرکین کے حلیف بن
 جائیں۔ اور جو چاہیں رسول اللہ ﷺ سے پیمانہ دوستی استوار کر لیں۔ چنانچہ بنو بکر نے
 قریش سے دوستی کر لی۔ اور بنو خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے۔

۱۰۰ھ میں بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا۔ قریش خلافت عہدہ صرف یہ کہ
 بنو بکر کی اس کارروائی میں مزاحم نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے بنو خزاعہ کے خلافت بنو بکر کی مدد
 کی۔ اور انتہا یہ کہ بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور ان کو مذہب دینے والوں میں سہیل بن عمرو
 بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے قریش کا نمائندہ بن کر صلح نامہ حدیبیہ پر دستخط
 کئے تھے۔ ان لوگوں نے بڑی سنگدلی سے بنو خزاعہ کو ہلاک کیا
 نقصان پہنچایا۔ لوطا مارا۔ بچے کھچے بچے فریاد کناں دربارہ سالن میں حاضر ہوئے
 آپ اس بادشاہی اور بنو خزاعہ کی اس تباہی و بربادی اور ہلاکت سے بہت متاثر
 ہوئے۔ اور گم پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا۔ کہ اب اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا
 تھا۔ رواداری کی یہ مثال آج بھی اتنی ہی تابندہ ہے جتنی آج
 سے چودہ سو برس پہلے تھی۔
 تفصیل آگے آئے گی۔

دانت توڑنے کی اجازت

جنگ بدر کے قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا۔ وشتنام طراد، بدگو،
 بد زبان بے لگام یہ اپنی طلاق لسانی کا مصرت یہ سمجھتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے
 آپ کی برائیاں بیان کرے۔ اور لوگوں میں آپ کو مسلمان کرے۔ حضرت عمرؓ اس

سہ طبری و میرت ابن ہشام

سے بہت تھکے تھے جب اس کی رہائی کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس کے اگلے وقت اور ڈالوں اور اس کی زبان مسل ڈالوں تاکہ یہ کسی جگہ آپ ص کی برائی بیان نہ کرے آپ ص نے فرمایا نہیں، اس سے کیا فائدہ؟ شاید یہ کسی مجلس میں ایسی باتیں بھی کرے جو تم کو پر ہی نہ معلوم ہوں ساتھ اور وہ صحیح سلامت گزار تیرش ہیں واپس چلا گیا اور بدر کے جنگی قیدی

جنگ بدر میں جو قیدی ہاتھ آئے تھے یہ وہ لوگ تھے جو داعی اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے یہ موقع تھا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جس کے مستحق تھے۔ اور یہ خود بھی دل میں سمجھے ہوئے تھے جانتے تھے تمہیں ہمیشہ ستانے رہے ہیں آج ان کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ کسی گذرتی ہے؟

لیکن ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ جب آپ ص قیدیوں کو لائے تو ان کو اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ اور فرمایا ان کو کچھ تکلیف نہ دینا۔ اچھی طرح سے رکھنا بدر کے قیدیوں میں سے ایک قیدی ابو عزیز کا بیان ہے۔ کہ جب بدر سے ہم قیدیوں کو لے کر چلے ہیں تو میں انصار کے چند لوگوں میں مقید تھا۔ اور جب کھانے کا وقت ہوتا تو مجھ کو روٹی کھلاتے اور آپ ص جو روٹی پر گزارہ کرتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ کوئی روٹی کا ٹکڑا لگتا۔ وہ تک مجھ کو دے دیتا۔ مجھے روٹی کھاتے ہوئے نرم آتی میں

لے بیعت ابن ہشام حصہ اول

واپس کر دیتا۔ مگر وہ اس کو اتنے تک نہ لگاتے اور روٹی مجھی کو کھانی پڑتی تھی

کافر کی رعایت

جنگ بدر میں آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ابوالجہزی حتی الامکان ہلاک نہ کیا جائے۔ مگر قتار کو لیا جائے۔ آپؐ اس کے ساتھ سلوک فرمانا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ کافر ہونے کے باوجود وہ ضرور سال نہ تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ابوالجہزی کے قتل کرنے سے آپؐ نے اس واسطے منع فرمایا تھا کہ یہ حضورؐ کی مکہ میں حرمت کیا کرتا تھا۔ اور کبھی حضورؐ کی نسبت ایسی بات نہیں کہی جو حضورؐ کو ناگوار ہوتی تھی۔

بنو نضیر کی طرح جلاوطن ہونے

بنی عوف بن خزرج میں سے بعض منافقین نے جن میں بعد اللہ بن ابی بن سہیل اور وہب بن مالک بن ابی قوفل اور داعل اور سوید وغیرہ لوگ تھے انہوں نے بنی نضیر سے کہا بھیجا تھا کہ اگر تم مسلمانوں سے جنگ کرو گے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گے۔ اگر تم یہاں سے اپنا گھر بار چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ اسی بھروسہ پر بنو نضیر کئی دن قلعہ بند رہے۔ آخر جب ان منافقوں نے ان کی کچھ بددہن کیا۔ اور وہ لاچار ہوئے آپؐ سے انہوں نے کہا بھیجا کہ اگر آپؐ ہماری جان بخشی کریں اور یہ اجازت دیں کہ میں قدر مال تمہاری سے اونٹوں پر لے جایا جا سکے لے جائیں تو ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ آپؐ نے ان بات کو منظور فرمایا۔ اور وہ اپنا کل مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر لے گئے یہاں تک کہ اپنے مکاتوں کے کواڑ اور چوکھٹ بھی لے گئے۔ اور مکاتوں کو اپنے ہاتھوں

سے سیرت ابن ہشام حصہ اول صفحہ سیرت ابن ہشام حصہ اول

کے کہ آپ نے کوئی سزا دی ہو اس سزا کی :

تفسیر تہ اندازہ کو معافی

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مرثاس بن قیس نام ایک بوڑھا یہودی شخص مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ اور اس نے مسلمانوں کی باہمی الفت اور صحبت دیکھی (حالانکہ حالت کفر میں یہ ایک دوسرے کے دشمن تھے) تو یہ بات بہت ناگوار گذری۔ چنانچہ اس نے ایک نوجوان یہودی سے کہا۔ مسلمانوں میں بچھڑ کر عیاشی کی لڑائی کا ذکر کیا کرو۔ وہ اشعار پڑھا کر جو اس جنگ کے متعلق شاعروں نے کہے ہیں۔ یہ جنگ اس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ اور دونوں قبیلوں کے سردار قتل ہو گئے تھے۔ اس نوجوان یہودی نے مسلمانوں میں بچھڑ کر رہی ذکر چھیڑا۔ مسلمان یعنی اس اور خزرج ایک دوسرے پر اپنا فخر ظاہر کرنے لگے یہاں تک کہ باہمی سخت کلامی واقع ہوئی۔ اور آخر تمہیں لگا لگا کر جنگ کے واسطے میدان میں آن مجبور ہوئے۔ یہ خیر آپ کو پہنچی۔ آپ اسی وقت اپنے صحابہ کے ساتھ معرکہ میں تشریف لائے۔ اور فرمایا اے مسلمانو! یہ کیا حرکت ہے۔ جاہلیت کے دورے کرتے ہو۔ حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔ براؤں خدا ستم پر جاہلیت کی بدیہ اصلاح کی بزرگی بخشی اور جاہلیت کی سب پائیں تم سے قطع کر دیں۔ اور آپس میں محبت اور الفت قائم کر دی۔ اس وقت ہذا گروہوں کو معلوم ہوا کہ یہ ایک شیطانی دوسرے تھا جس میں ہم جیتا ہو گئے۔ پھر ہمارے اور آپس میں ایک دوسرے کے لگے۔ لگے پھر آپ کے ساتھ چلے آئے، اللہ تعالیٰ نے پھر عاقبت مرثاس کے شر کو دفع کیا۔ اور مرثاس کی نشان میں یہ آیت نازل فرمائی قتل یا اهل الكتاب لکن کفروا بايات الله والله شهيد على ما تعملون۔ قتل یا اهل الكتاب لکن کفروا بايات الله من آمن تبعوا عیوباً وانتم شهداء وما الله بغافل عما تعملون

سہ سیرت ابن ہشام جلد اول

۳۸۰

مشرق کا ناک اور زمین افقوں سے

کھلے ہوتے ذرا مست اور کھلے ہوتے دشمن کے ساتھ طرز عمل متعین کرنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی یہ وہ مست ہے جو دشمن ہے وہ مست اس لئے ہے کہ وہ وہ وقت و کرم ہے اور دشمن اس لئے ہے کہ اسے نہ کی تیر کی جواب دیا جائے لیکن دشمن کی ایک قسم اور ہوتی ہے یہ قسم سے منافقوں کی یہ اچھا نہیں وہ مست ظاہر کرتے ہیں۔ دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں پیمانہ رفاقت بڑے سے ذرا شور سے سمجھتے اور کرتے ہیں لیکن وہ یہ وہ دشمن ہوتے ہیں یہ دشمنوں سے سزا یا تار کھتے ہیں، ہر وقت تخریب کے درپے رہتے ہیں سزا پیش کرتے ہیں، نقصان پہنچاتے ہیں، زیادہ زیادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گداشت نہیں کرتے یہ دشمن کی سب سے بدترین، خطرناک اور ناقابل برداشت قسم ہے ایسے لوگ جب برنگندہ نقاب ہو جائیں تو انہیں محبت نہیں کیا جاسکتا ان سے دور گندہ نہیں کیا جاسکتا ان پر مہربانی و کرم کی بارش نہیں کی جاسکتی، انہیں موردِ مہربانی نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ صرف اس

قابل ہوتے ہیں کہ جہاں ملین کچل دینے جائیں جہاں ان کا سرخ لگے پامال کر دیے
 جائیں جب یہ ہاتھ آئیں من کے جسم و جان کا رشتہ ہے تامل منقطع کر دیا جائے۔
 زمانہ قبل از تاریخ میں بھی ایسی ہوتا تھا۔ دو زمانہ سرخ کے آغاز میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور
 اب کہ دنیا عمرانیت اور حضارت کے اور جہاں پر ہے یہی اصول کار فرما ہے۔ سچ تو یہ
 ہے کہ بغیر اس نظریہ کے کام بھی نہیں چل سکتا نہ نظم قائم ہو سکتا ہے نہ امن بحال ہو
 سکتا ہے۔ نہ دستور کی شناخت ہو سکتی ہے۔ نہ دشمنوں سے نجات مل سکتی
 ہے۔ ایسا ہی دیکھنا ہے کہ آفات دو جہاں نے مرنافقوں کے ساتھ کیا پرتاؤ کیا ہے
 ان کا کس طرح قلعہ قمع کیا ہے ان سے کیوں کر نجات حاصل کی؟ انہیں کس پیرت انگیز
 اور لڑنے خیز سترائیں دیں۔

اس سلسلہ میں چند واقعات خاص طور پر اس قابل ہیں کہ پیش نظر ہیں تاکہ
 عہد رسالت کی صحیح تصویر آپ کے سامنے آجائے۔ اور رسالت آپ کے کردار و اخلاق
 اور صفات و میرت کا واضح خاکہ متعین ہو جائے۔

مناقش کا وار

غزوہ احد تاریخ اسلام میں اپنے نتائج کے اعتبار سے بڑی فیصلہ کن جنگ ہے
 کفار قریش نے اس لڑائی کا بڑی تیاریوں کے ساتھ انتظام کیا۔ پدہ ہیں انہیں جو
 شکست فاش ہوئی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ بے چین تھے ہمدانہ ان قریش
 جو اس جنگ میں ہلاک ہوئے تھے ان کے متعلقین ایک خوفناک جنگ کے لئے
 سرگت ہو چکے تھے۔ قریش کے کاروان تجارت کا جو نفع جمع ہو رہا تھا۔ طے ہوا کہ اسے
 جنگی تیاریوں پر صرف کر دیا جائے۔ اور یہ بڑے بڑے گرم جوشی اور مسرت کے ساتھ
 منظور کر لی گئی۔

آنحضرتؐ اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا نہیں فرماتے تھے لیکن اگر جنگ مسلط

کر دی جاتے۔ تو پھر میدان جنگ اپنا کام خوب ترین مقام بن جاتا تھا جب آپ کو قریش کی تیاریوں کا علم ہوا۔ تو آپ نے بھی جتنی اور جیسی کچھ تیاریاں ممکن تھیں۔ شروع کر دیں لیکن یہ تیاریاں ایسی پاپہ پتھیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ یک ایک قریش کا لشکر نمودار ہو گیا۔ بدقبہ کے قریب پہنچ کر اس نے احد پر پڑاؤ ڈال دیا۔ تعداد لشکر کے بارے میں آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا بہت زیادہ ہے۔ یہ اندیشہ تھا کہ ہمیں قریش کا لشکر بڑھ کر دینہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ چنانچہ ہر طرف چوکیاں پرے کا انتظام کیا۔ مسجد نبوی کے دروازے پر دو صحابی ہانت پھرخ کھڑے پہرہ دینے رہے۔ دوسرے دن صبح مشورہ ہوا۔ کچھ لوگوں نے یہ سنا دیا کہ شہر میں قلعہ بند ہو کر لڑا جائے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ پہلی رائے دینے والوں میں عبداللہ بن ابی بکر تھا۔ یہ بہت بڑا منافق تھا اور منافقوں کا سردار بھی۔ بخت و مباحثہ کے بعد آنحضرت نے دوسری رائے قبول فرمائی۔ اور بعد نماز جمعہ ایک ہزار مسز و شہوں کے ساتھ بارادہ جنگ شہر سے باہر نکلے۔ ان ایک ہزار لوگوں میں تین سو عبد اللہ کے آدمی تھے۔ وہ کھوپڑی و در ساتھ چلتے گئے بعد اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اس نے کہا۔

جب محمد نے میری رائے نہ مانی تو میں ان کا ساتھ کیوں دوں؟
 غور کر لیجئے یہ کتنا بڑا وقت نفسیاتی وار تھا۔ جو اس منافق نے لشکر اسلام پر کیا تھا
 مسلمان ایک ہزار سے سات سو رہ گئے۔ ان باقی ماندہ سات سو نفوس پر تین سو
 کے یک ایک الگ ہو جاتے کا کیا اثر پڑنا چاہیے تھا؟ لیکن آپ کو خدا پر بھروسہ
 تھا۔ آپ سنا تے اس کی کوئی پندار نہ کی یہی سات سو جان تیار لے کر ایک بڑے لشکر
 کے مقابلہ کو نکلے۔ اور بالآخر خدا نے فتح عطا فرمائی۔ بعد اللہ کہ اس حرکت کی سزا یہ
 سات سو آدمی وہیں

تفسیر نہیں برسر نہیں

کے مطابق دے سکتے تھے اور جنگ اُحد کے خاتمہ کے بعد تو بڑی آسانی سے ایسے نازک وقت میں دھوکہ دے کر الگ ہو جانے والے بن سوا آدمیوں کو نہیں تو ان کے سردار کو ضرور ہونٹ کے گھاٹ انا جا سکتا تھا۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہ کچھ نہ ہوا نہ منافقین کو کوئی سزا دی گئی نہ ان کے سردار عبداللہ کے ساتھ کسی طرح کا مظہارہ رویہ اختیار کیا گیا۔

منافق کی سازش

یہودیوں کا اسلام اور داعی اسلام کے ساتھ جو مفیدانہ بائیانہ اور سکرستانہ رویہ تھا۔ اسے تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جاننا ہے۔ وہ صلح و سلام کے ہر عہد نامے کو روئی کا نڈ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہ لڑنے مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ وہ کسی موقع پر لچک اور نرمی کا بڑا ڈکڑا جانتے ہی نہ تھے۔ یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو نضیر کی سرکشی حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کی جہاں ایک وجہ یہ تھی کہ وہ بڑے مضبوط اور مستحکم قلعوں میں پناہ گزین تھے جہاں ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مدینہ کے منافق ان کی کھوپڑی اٹھائی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے معاہدہ صلح کر لینے کی خواہش فرمائی تو وہ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس موقع پر بھی عبداللہ بن ابی نے حسب معمول انہیں نہ دی۔ اور اطمینان دلایا کہ جب تم لڑنے نکلو گے۔ تو وہ ہزار آدمیوں کے ساتھ ہیں سچی تمہاری مدد کو۔ اول گلاب و اول و اول عبداللہ کی اس حرکت کی اطلاع وحی الہی نے آپ کو دے دی۔ کہ یہ منافقین کافروں یہودیوں کے ہمراہ ہیں۔

وان تو تلتم لنفسی نحن معکم اگر تم مقابلہ کے لئے نکلے۔ تو ہم تمہاری مدد

کیں گے!

کیا اس سے بڑا جرم بھی کوئی ہو سکتا تھا۔ جس کا ان منافقوں نے ارتکاب کیا تھا؛
لیکن آنحضرتؐ نے انہیں کسی طرح کی کوئی باز پرس نہ فرمائی۔ اپنی تیاریوں میں لگے
ہے نہ منافقین کی پروا کی نہ یہودیوں کی طاقت سے مرعوب ہوئے!
منافق ساتھی

انصار اور مہاجرین میں رسول اللہؐ نے وہ اخوت پیدا کر دی تھی۔ کہ اس
بھائی چارہ کے آگے صلب اور رحم کے رشتے بیچ تھے۔ کوئی انصاری اگر مرتا تھا تو
مہاجر بھائی اس کی عزت میں حصہ پاتا تھا۔ ایسی مواخات بنی تھی پہلی باز قائم ہوئی
تھی۔ پھر اس کے بعد بنیاد دل آویز منظر نہ دیکھ سکی۔

منافقین اس کوشش میں رہتے تھے کہ مہاجرین اور انصار میں غلط فہمی پیدا
کر کے جنگ و پیکار کر دیں تاکہ یہ عیب و غریب بھائی چارہ بھی ختم ہو۔ اور ان
دونوں کے اتحاد نے کفار و مشرکین کے لئے جو ایک خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ بھی
دور ہو جائے۔ گران کی کوششیں کبھی باہر آ رہیں ہوئیں لیکن ایک مرتبہ قریب تھا
کہ یہ کوشش کامیاب ہو جائے۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کے ذاتی جھگڑے کو
عبداللہؐ نے قوی اور طبعاتی جھگڑا بنا دینے میں کامیابی حاصل کر لی۔ دونوں نے اپنے
اپنے طبقہ مہاجرین اور انصار کو مدد کے لئے پکارا۔ تلواریں کھینچ گئیں اور لڑائی کامیاب
تیار ہو گیا۔ لیکن چند معاملہ فہم لوگوں نے مداخلت کی۔ بات بڑھتے نہ پائی۔ عیب کسی
خونریزی کے نہیں کی وہیں ختم ہو گئی۔

ایسا دین موقعہ جب لائق سے نکلتے دیکھا تو عبداللہؐ ٹھلا اٹھا۔ اس نے
انصار سے مخاطب ہو کر کہا۔

تم نے خود ہی یہ مصیبت مول لی ہے۔ مہاجرین کو تم نے اتنا بڑا پایا۔ کہ اب وہ
برابری کا دعویٰ کر کے تمہارے منہ آنے لگے ہیں۔ اب بھی موقعہ ہے۔ اپنا

دستِ اعانت پہنچ لو۔ تو یہ رہا جریح (فرد) بے بار و مددگار ہونے کے باعث بھاگ
کھڑے ہوں گے۔

عبداللہ کی یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو نظر انداز کر دی جاتیں۔ معاملہ دربار رسالت
میں پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے سرور کائنات سے عرض کیا۔
”تکسی کو حکم دیجئے۔ وہ اس منافق کی گروں اڑا دے!“

اور کون کہہ سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ سائے قرین صواب نہ تھی؟ لیکن کیا رسول اللہ
نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کو قبول کر لیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔
”کیا تم اسے پسند کرو گے کہ لوگ کہیں تمہارے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں؟“
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب نہ دے سکے۔ اور رحمتِ عالم کے حضور نماز نے ایک
بہت بڑے منافق کی جان بچالی۔

منافق باپ کا مومن بیٹا

یہی نہیں۔ اس میں اتنا فرق ہے کہ ساتھ ایک اس سے بھی بڑا اور حیرت انگیز
واقعہ پیش آتا ہے۔

جب عبداللہ بن ابی کی منافقانہ سرگرمیاں سید سے بڑھ گئیں۔ ان میں کسی طرح
کی کمی نہ واقع ہوئی۔ بلکہ اضافہ ہی ہونے لگا۔ تو مسلمانوں میں اس کے قتل کا چرچا ہونے
لگا۔ یہ افواہ پھیلنے لگی۔ اب وہ بچ نہیں سکتا۔ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا حکم
امروز فردا میں صادر فرما دیں گے۔

بات قرین قیاس تھی۔ شدہ شدہ عبداللہ بن ابی منافق اعظم کے بیٹے عبداللہ
بن عبداللہ کو پہنچی۔ یہ عبداللہ بڑے پکے اور سچے مسلمان تھے۔ انہوں نے شہادت
رسول کے جاں نثار اور باپ کے خدمت گزار۔ یہ پختہ سب سے زیادہ سیدھے اور بار رسالت
میں حاضر ہونے اور عرض کیا۔

جو کچھ میں نے سنا ہے (عبداللہ بن ابی کے حکم قتل کے متعلق) اگر وہ صحیح ہے۔ تو صبر
 اتنی استدعا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے حکم دیا جائے میں اپنے باپ کا سرا لکھی اکھاٹ کر قدموں
 پر لاکر پھینک دوں گا۔

آپ نے پست اور جانتے ہو کیا جواب دیا!
 "نہیں ہم اس کے قتل کا حکم نہیں دیں گے۔ اس سے لطف و کرم کا برتاؤ کریں گے!"
 عبداللہ باپ کی جان بخشی کی نوید سن کر چلے گئے۔ باپ بھی اپنی جان بچ جانے پر
 خوش ہوا لیکن اس کی منافقانہ سرشت جوں کی توں قائم رہی۔ اس میں کوئی فرق نہ آیا۔
 منافقوں کا عذر تلک

سنا لیا کہ ہمیشہ لڑائی پر صلح کو ترجیح دیتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہودیوں
 اور مشرکوں سے معاہدے کئے۔ انہوں نے اپنی منجھتی سے عمل کیا۔ لیکن مشرکین اور یہود کے
 معاہدے صرف اس لئے تھے کہ جب مناسب سمجھیں انہیں چاک کر دیں۔ جنگ خندق
 (شہرت) انہی عہد شکن یہودیوں اور مشرکوں نے خیر کسی وجہ سے نہ پائی تھی۔ بنو نضیر و خیر ہند کی
 میں ممتاز تھے ہی۔ بنو قریظہ بھی جو اب تک پاس خود کرنے چلے آ رہے تھے بنو نضیر کے
 ہکاوتے ہیں آگے اور معاہدے کو پس پشت ڈال کر ان کے ساتھ بن گئے۔ آپ نے
 معاہدے کی یاد دہانی اور تمام حجت کے لئے یہ صحابہوں کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں
 نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔

"نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ مجھ کو کون ہے؟ نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ معاہدہ کیا ہوتا ہے؟"
 ہوں بھی کفار و مشرکین کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اب بنو قریظہ نے اس کی تعداد دس
 ہزار تک پہنچا دی۔ اور اس کے متعلقہ ہیں مسلمانوں کے پاس توکل اور نصرت الہی پر

سہ دستہ ہادی

بھروسہ کے سوا کیا تھا۔ کفار و مشرکین کی اس متحدہ یلغار کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی قوت پارہ پارہ کر دی جائے۔ نہ صرف یہ کہ پھر کبھی وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ بلکہ زندگی کے سانس بھی نہ لے سکیں۔

ایک یہودی سردار حی بن اخطب نے اپنے خیال میں سچ ہی کہا تھا: اب اسلام کا حاتمہ ہے۔

اس دن ہزار کے لشکر ہزار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی پھر بے باگی مستزاد حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے پہلے ہوا کہ خندق کھود کر جنگ لڑی جائے۔ خندق کھودنے میں آپ نے برابر کا حصہ لیا۔ کفار و مشرکین نے تین طرف سے محاصرہ کر لیا تھا۔ حالات سخت نازک تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی۔ وسائل بھی ناپید تھے۔ بڑے اور تاج بھی نہیں تھا۔ لیکن کفر و شرک کی پیش سے گھبرانا اور پلٹ پھیرنا مسلمان کا شعار نہیں۔ حالات خواہ کتنے ہی نامساعد اور نازک ہوں۔ مسلمان کلمہ الہی کی سر بلندی کے لئے جان کا قربان کر دینا ایک کھیل سمجھتا ہے۔ ہاں تو تاریخ کا یہ عجیب و غریب کھیل جاری تھا۔ ایسا کھیل جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

ایک ہیبتناک یہ محاصرہ قائم رہا۔ اس محاصرہ نے مسلمانوں کی حالت اور زیادہ زار و زبول کر دی۔ بار بار فائقے کرنا پڑے۔ ایک مرتبہ صحابہ پر مسلسل تین فائقے گذر گئے۔ انہوں نے حضرت ہ کے سامنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھائے۔ عربوں کا معمول تھا۔ کہ شدت و رنگی کے عالم میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تاکہ مکر سیدھی رہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ نے بھی انخار حال مناسب نہ سمجھا۔ شکم مبارک کھولا۔ تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے اس چھیڑے سے لشکر میں منافقین کی خاصی تعداد تھی۔ بتدریج شروع میں آپ نے اپنے نفاق کو چھپاتے رہے۔ لیکن جب شدائد کا دور سخت ہوا۔ تو نفاق چھپانے

لے تردی

نہ چھپ سکا۔ نذر پائے ننگ پیش کر کے واپس جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ قرآن مجید میں جنگ خندق (جسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں) کیوں کہ بہت سی جماعتوں نے متحدہ بیخار کی تھی، کے متعلق جو سورہ احزاب ہے اس میں ان کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے عذرات کا مقصد راہ فرار تلاش کرنا ہے۔

ان یومیدون الاخرین ان لوگوں (منافقوں) کا ارادہ صرف یہ ہے کہ بھاگ

کھڑے ہوں۔

لیکن راہ فرار تلاش کرنے والے ان منافقوں کے ساتھ نہ صرف وہ رویہ نہیں اختیار کیا گیا جو میدان جنگ سے بھاگنے والے سپاہی کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ انہیں کسی طرح کی سزا نہیں دی۔ ایک طرف ان کا یہ حال تھا کہ وہ سری طرف کھرے اور سچے مسلمان تھے جو اس جنگ کی ہر حالت میں ہر سختی اور ہر مصیبت کے موقع پر جان تکھیلی پر لئے نربان ہونے کو تیار رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے جان خدا کی دی ہوئی ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کا مصروف اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا کی راہ میں کلمہ آجائے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق اور انہ ہوا

منافق کو شبہ کا فائدہ

مدینہ سے یہودیوں کی جلا وطنی کے بعد خیبر ان کا مستحکم ترین اور ناقابل تسخیر قلعہ بن گیا تھا۔ یہاں اطمینان سے ٹھیکہ کر رہے اسلام اور داعی اسلام اور مسلمانوں کی تخریب کی تدبیریں سوچا کرتے۔ سازشیں کیا کرتے اور جنگی منصوبے بنایا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ خیبر سے کچھ قبل یہودیوں نے بنو غطفان کو اپنے ساتھ ملا کر جنگ کی طرح ڈانا چاہی۔ مدینہ کے منافقین برابر یہودیوں کو خبریں پہنچا رہے تھے۔ اور نہ وہ کہہ رہے تھے۔ حضرت نے کوشش کی کہ جنگ نہ ہو۔ بلکہ معاہدہ صلح ہو جائے۔ اس مقصد

کے لئے آپ نے ایک صحابی کو بھی بھیجا لیکن وہ جنگ فتح کر لینے کے نشہ میں تھے صلح کی باتیں کیا سنتے؟ پھر جبکہ منافقین کے سرور عبداللہ بن ابی نے انہیں یقین دلا رکھا تھا

محمدؐ کو چھو نہیں کر سکتے۔ مٹھی بھر آدمیوں کے سوا ان کے پاس تمہارا تک نہیں، وہ کیا لڑیں گے؟ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ غطفان جو اب تک شرکت نہ ہو سکے ہارے میں تذبذب میں تھے ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔

اور منافقین کی یہ دراندازیاں اس لئے تھیں کہ وہ جانتے تھے انہیں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ انہیں جماعت سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ ان پر کفر کا فتویٰ نہیں ملے گا۔ ان کا اسلام زیر بحث نہیں لایا جائے گا۔ اس لئے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ کسی ایسے شخص کی جان نہیں تباہ جو اسلام کا مدعی ہو۔ اگرچہ وہ جھوٹ ہی کیوں نہ بول رہا ہو؟

مسجد ضراء

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ منافقین کی سب سے بڑی اور دیرینہ تمنا یہ تھی کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو۔ وہ ایک دوسرے سے الجھ پڑیں۔ ان میں جو اخوت و محبت ہمہ روی اور ملاحظت کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے۔ وہ سرور پڑ جائے تاکہ اسلام ٹپ نہ سکے اور یہ ملت خود آپس کے نزاع میں مبتلا ہو کر کڑے ٹکڑے ہو جائے۔

چنانچہ مسجد قبا کے قریب انہوں نے ایک جداگانہ مسجد بنائی تاکہ مسلمانوں میں آسانی سے تفرقہ پیدا کیا جاسکے۔ وجہ یہ بتائی کہ معذور اور اباہج لوگ جو مسجد قبا میں نہیں جا سکتے۔ وہ یہاں آکر نماز پڑھ لیا کریں۔

آنحضرتؐ کو وحی الہی نے بتا دیا کہ دراصل مقصد کیا ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدَ ضَرَّاءَ وَكُفْرًا
اور ان لوگوں نے مسجد ضراء کو کفر کیلئے اور مسلمانوں

تقریباً بین المومنین میں کھوٹ ڈالنے کے لئے بنائی ہے۔
رسول اللہ نے اس مسجد میں آگ لگوا دی۔ اور اسے مسجد کے طور پر نہیں استعمال
ہونے دیا۔ لیکن منافقوں کو ہر سزا سے محفوظ رکھا۔
منافقوں کی فتنہ انگیزی

فتح مکہ سے ایک سال قبل کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی۔ روہبوں کا
ایک لشکر گراں مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے
بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اگرچہ موسم نہایت گرم تھا، گرمی اور وہ بھی عرب کی، اور
فصل کی شدت نے حالات کو حد درجہ نامساعد بنا دیا تھا، لیکن آپؐ کی تیاریاں جاری
تھیں اور جو مخلص مسلمان تھے۔ ان شہداء کے باوجود راہِ خدا میں اپنی جان قربان کر دینے
کو تیار اور آمادہ تھے، لیکن منافقین نے نہ صرف یہ کہ ہاتھ بازی اور غدر بازی کر کے وہ ان
سرگرمیوں سے الگ رہے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو بھی بھڑکانا شروع کیا کہ اس فتنہ اور
اور اس گرمی میں وہ کیوں گھر کی اہلیت چھوڑ کر جنگ کی صعوبتیں برداشت کرنے
پر آمادہ ہوتے ہیں۔

لا تنفروا فی الحرب
اس گرم موسم میں باہر نہ نکلو
یہ فتنہ دعوتِ رسالت کے جواب میں ان کا وہ خفیہ پیغام جو مسلمانوں کے کانوں تک
صرف اس لئے پہنچایا جا رہا تھا کہ وہ ایک بڑی سعادت سے محروم رہ جائیں۔
ان فتنہ پردازوں کے باوجود نہ ان کی جان کو کوئی گزند پہنچا نہ مال کو۔
منافق کی سپر!

ایک بدری صحابی نے ایک مرتبہ آنحضرتؐ کو اپنے گھر بلا یا وہاں تشریف
لے گئے تو کمانے کے لئے اصرار ہوا۔ آپؐ راضی ہو گئے۔ محلہ کے تمام لوگ اس موقع
پر موجود تھے۔ کسی نے کہا۔

”آج مالک بن خلیفہ نے نظر نہیں آتے“

ایک شخص نے یہ سن کر کہا

”وہ منافق ہے“

یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا

”یہ نہ کہو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔“

سب غائب ہو گئے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہہ

دینا ایک منافق کے لئے بھی سپرین جانا ہے:

منافق کا اقرار سے انکار

واقعہ ایک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی۔ وہ ہر مسلمان

کو معلوم ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت و تقدس کی خود قرآن مجید نے گواہی

فرمائی۔ لیکن یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ذہنی گمراہی پر ایسا ایک اتہام

قد تھا اس سے آنحضرت ص کو تکلیف ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی حد درجہ صدمہ ہوا۔ اور

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قلب و دماغ پر جو کچھ گزری اس کا اندازہ ہر حساس شخص پائی

کر سکتا ہے۔ لیکن اتنے بڑے واقعہ کے سلسلہ میں ہوا کیا؟ اس سلسلہ میں بہنِ خالص اور

اہم شخصیتوں کا ذکر لازمی ہے۔ تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی یعنی دوزخ سے

لگائے گئے ان سزایافتگان میں حضرت حسان بن ثابت بھی تھے جو صحابی رسول اور

شاعر رسول تھے۔ لیکن منافقتین کے بہکاوے میں آگئے۔ اور تہمت لگانے والوں

میں شریک ہو گئے۔

ایک دوسرے صاحبِ سطح بن اناثہ تھے۔ یہ بھی تہمت لگانے والوں میں

منافقتین کے بہکاوے میں آئے۔ لیکن شریک تھے۔ انہیں بھی شرعی سزا ملی۔ لیکن مزید سزا

یہ ملی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو ان کے قبیل معاش تھے۔ اپنی مالی امداد بند کر دی

اور قسم کھالی کہ ایسے شخص کی مدد اب بھی نہیں کریں گے یہ بات خدا کو بڑی لگی۔ اور
انحضرت پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و ليعضواذ ليعضواذ لا تحبون۔ ان
یعقر اللہ لکم واللہ عفووس الرحیم

تمہیں عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے کیا
تم سے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہاری
منحرت فرمائے اور اللہ تعالیٰ عفو و الرحیم ہے

لیکن اس واقعہ کا اصل میر و منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ اور آپ
اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ یہ سب کچھ اسی کا کیا ہوا ہے لیکن ہم دیکھتے
ہیں کہ اس صحیح العقیدہ اور صالح مسلمانوں کو حد شرعی برداشت کرنا پڑی۔ اس لئے کہ
ان پر جرم ثابت تھا اور عبداللہ بن ابی صاف بچ گیا۔ اس لئے کہ اسے خود اقرار نہیں
تھا کہ اس نے نہمت لگائی۔ اور شواہد و قرآن خواہ کتنے ہی قوی موجود ہوں لیکن کوئی ایسی
شرعی شہادت موجود نہیں تھی جس کی بنا پر اسے سزا دی جاسکتی۔
کیا یہ معمولی واقعہ ہے؟ کیا اس عفو و درگزر اور لطف و رحمت اور احسان و نعمت
کی کوئی حد مقرر کی جاسکتی ہے؟

رحمت تمام

اب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تمام کا ایک واقعہ بیان کر کے اس
باب کو ختم کرتے ہیں۔ نہ نہ گئی بھر سردار منافقین عبداللہ بن ابی جو کچھ کرتا رہا۔ وہ سب
کو معلوم ہے۔ مختصر اور واقعات پھر تازہ کیجئے۔

اسی وہی شخص ہے جو مسلمانوں میں نقرہ اندازی کی کوششیں کیا کرتا تھا
غزوہ احد کے موقع پر عین لڑائی کے وقت یہ اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر میدان جنگ
سے نکل آیا تاکہ مسلمان کافروں اور مشرکوں سے شکست کھا جائیں۔

۲۔ مدینہ کے یہودیوں کو شہہ دینے والا، مسلمانوں کی سرگرمیوں سے انہیں مطلع

کرنے والا یہی عبد اللہ بن ابی تھا۔

۳۔ انصار اور ہاجرین میں خون ریزی کی جہد جہد کرنے والا یہی شخص تھا جس کا نام عبد اللہ بن ابی تھا۔

۴۔ یہ نمازک مرحلہ پر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر کفار و مشرکین کی پشت پناہی کرنے میں جس شخص کو بد طولی حاصل تھا وہ عبد اللہ بن ابی تھا۔

۵۔ اہم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والا اس تہمت کی نشرو اشاعت کرنے والا اس ناپاک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا یہی رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا۔

جس طرح سب مرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دن اس پر بھی موت طاری ہوئی اور یہ اچھے اعمال کا گوشہ لے کر عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔ اس موقع پر کیا ہوا؟ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے یہ نفس نفیس آپ بڑھے یہ منظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ اشد نہ ہو سکا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جس نے ایسی باتیں کیں!

یہ سن کر رحمتہ للعالمین کے ہوتے مہم ہوتے آپ نے فرمایا

اے عمر ہٹ جاؤ

عبد اللہ کی منافقانہ سرگرمیوں کے خلاف مسلمانوں میں عام طور پر جو غم و غصہ تھا۔ وہ بوند نمایی ہو گیا لیکن یہ غم و غصہ دریا سے رحمت کے بہاؤ کو نہ روک سکا جب نماز پڑھانے پر اصرار بڑھا تو آپ نے حسب روایت بخاری فرمایا

مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ نماز پڑھوں تو اس کی نجات ہو سکتی ہے۔ تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اس کے لئے نماز پڑھتا

اس فیصلہ کن ارشاد کے بعد اب کس میں مجال تھی کہ ہم مارتنا، عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی
خاموش تھے اور دوسرے مسلمان بھی

لیکن واقعہ ہمیں ختم نہیں ہوتا۔ آپ اپنا پیرا بن بھی عطا فرماتے ہیں۔ کہ اسے
پہنا کر دفن کیا جائے گناہوں کی کوئی حد نہیں، معافی کی کوئی امید نہیں۔ شاید یہ
پیرا بن تخفیف عذاب کا سبب بن جائے۔ شاید یہ نماز گناہوں کا پوچھ لہکا کر دے۔
اللہ اللہ! کیا محمد کے سوا کسی اور کا دل بھی اتنا بڑا ہو سکتا ہے؟

منافق کی جان بخشی

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ اوس اور خزرج کے منافقین میں سے جن لوگوں کے نام
ہم کو معلوم ہوئے ہیں۔ ان میں اوس کے قبائل میں سے جلاس بن سوید بن ضامنت
اور اس کا بھائی خرش بن سوید منافق تھے۔ اور یہ جلاس وہ شخص ہے۔ جو غزوہ تبوک
میں شریک نہ ہوا۔ اور اس نے آپ کی نسبت کہا تھا۔ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں
سے بدتر ہیں۔ عمر بن سعد اس وقت موجود تھے۔ کیونکہ ان کے باپ کے انتقال کے بعد
جلاس نے ان کی بال سے شادھی کی تھی۔ اور یہ اس کی پردوش میں تھے۔ یہ کلمہ سن کر
عمیر سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور کہا اسے جلاس تو بہت لوگوں سے مجھ کو زیادہ پیارا ہے
کیونکہ تو مجھ پر بہت مہربانی کرتا ہے۔ اور میں بھی نہیں چاہتا ہوں کہ تجھ کو کوئی برائی
پہنچے۔ مگر تو نے اس وقت ایسی بات کہی ہے کہ میں اگر اس کو آپ تک پہنچاتا ہوں۔
تو تیری نصیحت اور رسوائی ہوتی ہے۔ اور اگر خاموش رہتا ہوں۔ تو میرا دین برباد ہوتا
ہے۔ مگر ان دونوں باتوں میں سے پہلی بات دوسری کی نسبت سہل ہے۔ پھر عمیر
حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور جلاس کا قول عرض کیا۔ جلاس یہ خبر پا کر
حضور کے پاس آیا۔ اور قسم کھا کر عرض کیا۔ کہ عمیر نے میرے اوپر جھوٹ بولا ہے
میں نے یہ کلمہ نہیں کہا

آپ نے جلاس کی اس دریدہ دہنی کے بارے میں درگزر سے کام لیا۔ اور کوئی سزا نہ دی۔ اس لطف عظیم کا اثر یہ ہوا کہ بعد میں وہ ایک مخلص مسلمان بن گیا۔
 ابن اسحاق کہتے ہیں۔ بعد میں جلاس نے تعلق سے توبہ کر لی تھی۔ اور اس کا اسلام بالکل صحیح اور درست ہو گیا تھا۔

ایک منافی کی کہانی

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ نبی حادث میں سے مرج بن قملی منافی تھا جو آنحضرت کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ آپ ۴ اس کے باغ میں سے گزر رہے تھے کہ اس نے کہا۔ اے محمدؐ اگر تم نبی ہو تو تم کو میرے باغ سے گزرتا جاؤ نہیں ہے۔ اور اپنے ہاتھ میں ایک پتھر لٹھی سے بھر کر کہنے لگا کہ اگر یہی کسی اور پر پڑے گا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور تم پر پھینک دیتا۔ یہ بات سن کر لوگ اس کی طرف دوڑے کہ قتل کر دیں۔ آپ ۴ نے منع فرمایا اور ارشاد کیا۔ "یہ آنکھوں کا اندھا بھی ہے اور دل کا بھی"۔

یہ شخص وافر ناپسند تھا۔ "آنکھ کا اندھا" اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہی لفظ اگر اس نے آپ ص کی عیبت میں کہے ہوتے۔ تو شاید واقعی اپنی جان سے لڑتے ہو پھینکتا۔ لیکن یہ الفاظ اس نے استعمال کئے آپ کی موجودگی میں۔ تو بچ گیا اور کسی طرح کاگزند اس دریدہ دہنی کے باوجود اسے نہ پہنچنے پایا۔

منافی کی سفارش پر یہ عہد ہو دلوں کی بھائی

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ نبی فیتنہ کے یہود نے سب سے پہلے آپ سے جو عہد کیا تھا۔ اسے شکست کر کے جنگ پر آمادہ ہونے۔ اور یہ جنگ غزوہ بدر اور احد کے

درمیانی وقفہ میں ہوئی تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ اس جنگ کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ کہ عرب کی ایک عورت بازار بنی قریظہ میں کوئی چیز لے کر آئی۔ اور اس کو فروخت کر کے ایک سناہ کی دکان پر بیٹھ گئی۔ یہودی اس عورت کے سر ہونے۔ کہ اپنا چہرہ ہمیں دکھا۔ مگر عورت نے انکار کیا۔ سناہ نے چپکے سے عورت کے بند میں ایک گرہ لگا دی۔ جب وہ عورت کھڑکی ہوئی۔ تو اس کا ستر کھل گیا۔ یہودی منسنے لگے۔ اور اس عورت کو خوب چھیڑا۔ عورت نے نفل مچایا۔ تو ایک مسلمان نے آکر اس سناہ کو جو یہودی تھا قتل کر دیا۔ یہودیوں نے، ہجوم کر کے اس مسلمان کو شہید کیا۔ اس مسلمان کے اقربائے فریاد کی۔ پھر تو بہت سے مسلمان یہودیوں کے مقابلے میں اکٹھے ہو گئے۔ اور جنگ کا بازار گرم ہوا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان یہودیوں کا محاصرہ فرمایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضور ﷺ کی اطاعت قبول کر لی۔ اور اسی وقت عبد اللہ بن ابی بن سلول آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا۔

اے محمد! میرے موالی رو دستوں کے ساتھ احسان کیجئے۔ اور یہ سب بنی خزرج کے خلیف تھے۔ آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے پھر عرض کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے آپ ﷺ کی زہ کا دامن پکڑ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

کہنخت میرا دامن چھوڑو۔ اس نے عرض کیا۔ میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ جب تک آپ میرے موالی کی جان بخشی کر کے ان پر احسان نہ فرمائیں گے۔ ان امیروں میں چار سو حاسر اور تین سو داسع ہیں۔ اور ایسے بہادر ہیں۔ کہ کسی جنگ سے نہیں ڈرتے۔ مگر آپ ان کو ایک دن میں قتل کر دیں گے۔ مجھ کو یہی اندیشہ

ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جان کو تجھے بختا۔ بعد اللہ بن ابی خویش ہو کر چلا گیا۔
 یہ تھا بد عہد، پیمان شکن، اشرار صفت اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والے
 یہودیوں کے ساتھ آپؐ کا سلوک۔ اور وہ بھی ایک نام نہاد و منافق مسلمان کی متحار
 بہ! اللہ اللہ!

سیرت ابن ہشام حصہ اول

رحمۃ اللعالمین کا عقو و احسان

حکمی قیادیں، محکوموں اور شکست خوردہ عمر لقیوں پر

انسان کے کردار اور سیرت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب وہ سلطنت
پیشوکت، ثروت و طاقت اور جاہ و جلال کا مالک ہو۔ اختلاقی خدمت اور عقو و احسان
کی بچاؤ گی، مجبوری اور بے بسی کے دور میں تخلیقی فراوانی ہوتی ہے۔ وقت و طاقت حاصل
کر لینے کے بعد یہ غنیمتیں انہی ہی تباہیاب ہو جاتی ہے۔ چھوٹی طاقت اور بڑی طاقت میں
ہمیشہ زیادہ متمدنی اور فروتنی کے تعلقات قائم رہتے ہیں۔ ایک معمولی شہری، پولیس کا انسپل
سے پولیس کا انسپل، سب اسپیکر سے سب اسپیکر، کو تو وال شہر سے کو تو وال شہر، اسپیکر جنرل
سے اسپیکر جنرل، وزیر داخلہ سے وزیر داخلہ، وزیر اعظم سے وزیر اعظم، بادشاہ یا
صدر مملکت سے ہمیشہ جھجک کر ملتا ہے۔ اس کی زیادتیوں کو معاف کر دیتا ہے۔
بھول جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ معاف کر دیتے اور بھول جاتے پر مجبور ہے۔
اگر معاف نہ کرے اور بدل نہ جائے تو اگر کیا ہے گا؟ لیکن اگر معاملہ برعکس ہو یعنی بڑی

اور چھوٹی طاقت کے تعلقات پیش نظر ہوں۔ تب کیا نظر آئے گا؟ کیا بڑی طاقت بھی
 چھوٹی طاقت کی خطاؤں کو زیادہ قبول کرے، سنا کیوں کہ اس سنجیدی، سزاخ ولی اور
 اولو العزمی کے ساتھ معاف کر دے گی؟ — نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ انتقام کا نام
 بڑی طاقت کے وجود کے ساتھ زندہ ہے۔ ظلم کی زندگی بڑی طاقت کے وجود پر قائم ہے
 سفاکی، خون آشامی، خون ریزی، قتل و غارت، عید و لیری، قرانی، لوٹ مار یہ سب
 چیزیں بڑی طاقت کی غذا ہیں۔ ان کے پیروہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ انہی کے سہارے
 اس کا دہرہ اور طغیانیہ قائم ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے دیکھ لیا عرب کا انہی ایک مبلغ، ایک پیغمبر، ایک داعی
 حق کی حیثیت سے کس عورت استقامت کے ساتھ کافروں اور مشرکوں کی ہر
 شرارت اور زیادتی کو برداشت کرتا تھا۔ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ
 کتنے صبر و تحمل کے ساتھ نسبتاً ظالموں اور مضبوط ہونے کے بعد بھی دشمنوں، دراندازوں
 اور منافقوں کی سازشوں، جیلہ جو تین، غداروں اور قتلہ ساہانیوں کو اس نے برداشت
 کیا۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ بڑی مبلغ اور پیغمبر اور داعی حق جب ایک قلعہ، ایک
 سپہ سالار اور ایک کشور کشا کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے تب اس کے اخلاق
 اور میرت کا کیا رنگ ہوتا ہے؟ تب اپنے دشمنوں، غداروں اور قتلہ انگیزوں کے ساتھ
 اس کا کیا سلوک ہوتا ہے۔ ہارے ہوئے دشمن اپنی خوٹچکان تلوار کے ساتھ، نا کام
 منافق اپنی براقلندہ نقاب سازشوں کے ساتھ، شکست خوردہ حریف اپنے سیاہ
 امان نامہ کے ساتھ بے بسی اور پستی کی تصویر بنے ہوئے آخری فیصلہ سننے کو
 سراپا انتظار بنے کھڑے ہیں۔ انہیں ایک ایک برکے اپنے جرائم یاد آ رہے ہیں۔
 اپنی خطا میں چلتی پھرتی نظر آ رہی ہیں۔ اپنی بدنام طرزِ باطن اپنی سفاکیاں،
 خون آشامیاں، خوفناک سازشیں، طاقت بیکار مہربانے، بے وفائیاں

غدا ریال، پیکر محسوس کی طرح نظر کے سامنے موجود ہیں۔ اور وہ قلع و دھند سالانہ کشتورکشا
سپر نطیم اخلاق و قانون کی رو سے سختی رکھتا ہے کہ انہیں عبرت انگیز سزا دے۔
لیکن اس نے کیا کیا؟

آنے والے اوراق اس بے حد اہم سوال کا جواب دیں گے
یہودیوں سے حسن سلوک

یہود کے ساتھ ان کی معروف و معلوم شرارتوں کے باوجود آنحضرتؐ نے ہمیشہ
عفو و رحمت، معافی اور درگزر، بخشش اور حسن سلوک کا برتاؤ رکھا۔ اگرچہ یہودیوں کی طرف
سے اس کا جواب بالکل برعکس ملا۔ مگر اسے ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے
تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہود سے خیر سگالی اور دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ جس میں
انہیں ہر طرح کی سہولت دی۔ پورا معاہدہ سیرت ابن ہشام میں دیکھا جاسکتا ہے
لیکن اس معاہدہ کی چند خاص و نفعات کا ذکر ضروری ہے۔

۱۔ یہودیوں کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روا نہیں رکھی جائے گی
انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں یا یہودیوں سے کوئی برسرِ پیکار ہو تو دونوں ایک دوسرے کی مدد
کریں گے۔

۳۔ تفریق کو نہ مسلمانانِ امان دیں گے نہ یہودی

۴۔ مدینہ پر حملہ کی صورت میں یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

معاہدہ کے جملہ نفعات و شرائط پر آنحضرتؐ نے بڑی سختی سے عمل فرمایا۔ اور ذاتی
طو پر بھی ان کی توقیر و اجلال میں کوئی کمی نہیں کی۔ ان سے بھائی چارہ کا برتاؤ کیا۔
ان کے دیکھنے میں شریک ہوئے۔ واقفکار یہودیوں کی عیادت کو بھی آپؐ تشریف لے جاتے

کسی یہودی کے جنازے پر نظر پڑ جاتی۔ تو احتراماً آپ کھڑے ہو جاتے سہ ہر طرح سے ان کے جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ فرماتے :-

بنو قنیقاع کے یہودی

لیکن یہود نے کبھی بھی ان کریم فریادوں کو ممنونیت کی نگاہ سے نہ دیکھا وہ ہمیشہ موقع کی تاک میں لگے رہے۔ انہیں جب موقع ملا مسلمانوں پر وار کرنے سے نہ چو کہے یہودیوں میں سب سے زیادہ جری اور دلدار قبیلہ قنیقاع تھا۔ انہوں نے بدیں مسلمانوں کی کامیابی سے خوفزدہ ہو کر اور جل کر

نقتضوا ما بینہم و ما بین رسول اللہ اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ جوان میں اور رسول اللہ

کے ماہین بننا تھا سہ

پھر جب آنحضرتؐ نے انہیں معاہدہ یاد دلایا۔ اور ان سے خواہش کی کہ اس پر

تاکم ہیں۔ تو نہایت بے رخی کے ساتھ جواب دیا۔

”ہم قریش نہیں ہیں ہم سے لڑو گے تو زور آجائے گا“

آخر سوال سہ ہمیں آپ نے اعلان جنگ کر دیا۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد

معاہدہ منجانبہ نہ دیکھ کر یہود نے قبیلہ رسول اللہ پر چھوڑ دیا۔ مشہور متافق محمد اللہ بن ابی

کی سفارش پر آنحضرتؐ نے انہیں قنقاع کے جرم کی عفت یہ سزا دی کہ جلاوطن ہو جائیں

چنانچہ بڑے ٹھاٹھ سے تین سو زورہ پوش سپاہیوں کے ساتھ شام کے علاقہ میں جا کر

میں گئے :-

مجبور دشمن

یہودیوں کے زور سے بڑے قبیلہ بنو نضیر سے سہ ہمیں جنگ ہوئی جبکہ آپ

سہ صحیح بخاری سہ طبری

معاہدہ کے مطابق ایک دفعہ کی بجائے اس کے سلسلہ میں نو لٹیر کے پاس نیشرفی لے گئے۔ انہوں نے تعمیل کرنے کے بجائے آپ کو قتل کر ڈالتے کے لئے ایک یہودی کو کوٹھے پر چڑھا دیا۔ کہ تمپر لڑھکا کر آپ کی جان لے لے آپ وہیں نیشرفی لائے۔ اور اس حرکت پر کوئی سزا نہیں دی۔ ذرا قافی میں ہے کہ انہوں نے قریش سے سازش کی۔ اور مدینہ کے مکروں پہلے نہیں مخفیہ طور پر بتائے تاکہ حکم کے وقت یہ معلومات کاغذ میں۔ اس کے بعد بھی ایک با۔ آپ کی جان لینے کی سازش کی۔ آخر آپ کو اعلان جنگ سے کہنا پڑا۔ لیکن یہ بھی چند دن سے زیادہ محاصرہ کی تاب نہ لاسکے۔ نہیں ہلاک کیا جاسکتا تھا۔ لیکن آپ نے ان کی یہ شرط منظور کر لی کہ اپنے اونٹوں پر جتنا مال ہے اسباب لا کر لے جاسکتے ہیں لے جائیں اور خیمہ میں جا کر بس جائیں۔ ————— مجبور دشمن کے ساتھ یہ رعایت ایکرم!

توفل کی لاش

جنگ احزاب یا جنگ خندق یہودی پیمان شکنی، غداہی اور فریب کاری کے باعث عمل میں آئی تھی۔ اس جنگ میں قریش بھی برابر کے شریک تھے۔ عمرو بن عبدود، اتمار بن ابہادہ تھا۔ کہ ایک نہراہ پامیوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ ذوالفقار حیدری نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ توفل بن عبد اللہ بن مغیرہ بھی بہت بڑا مورما تھا۔ یہ بھی اس جنگ میں ہلاک ہوا۔ اہل مکہ نے توفل کی لاش کے معاوضہ میں دس نہراہ دیکھ پیش کئے لیکن آپ نے فرمان صادر فرمایا۔ توفل کی لاش نہیں کر دی جائے قیمت کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

جنگی قیدیوں سے حسن سلوک

جنگ بدر ۲ء قریش مکہ نے بڑی تیاریوں کے ساتھ شروع کی تھی بے باہر

عہد بیرت ابن ہشام

اور بے سارہ و سامان و بے برگ و نو مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ اور کفار کا لشکر ایک ہزار سے متجاوز تھا اور ہر طرح کے سارہ و سامان جنگ سے لیس جنگ شروع ہوئی۔ اور خدا کی نصرت نے مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنے لشکر پر فتح عطا فرمائی۔ یہ اتنی بڑی شکست تھی کہ کفار کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان کے کئی بڑے لوگ یا مارے گئے یا اسیر جنگ بنا لئے گئے۔ یہ شکست ان لوگوں کو ہوئی تھی جن کی تعداد ایک ہزار تھی جن کے پاس وافر دستھی جن کے پاس جنگی اسلحہ تھے جن کے پاس وہ ہم و دوبارہ تھے جن کے پاس سو سوار تھے۔ زہرا بکتر سے مسلح۔ اور یہ شکست ان لوگوں نے دی تھی جن کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن کے پاس ناممکن اور نامکانی سامان جنگ تھا۔ گرفتاری کے بعد سوال پیدا ہوا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ عام معمول یہ تھا کہ اسیران جنگ یا قتل کر دیئے جاتے تھے یا لڑائی غلام بنا لئے جاتے تھے۔ ان شخصیتوں کو دونوں صورتیں پسند نہیں تھیں۔ بشورہ کیا نہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے فدوی کے قیدیوں کو چھوڑ دیا جاتے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی کہ سب کی گردن مار دی جائے۔ ان شخصیتوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہما کی رائے پر عمل کیا۔ کل قیدیوں کی تعداد ۱۲ تھی ان میں سے ستر کو اپنے قیدیوں کے لئے کر رہا کر دیا۔ گرفتاری کے بعد یہ قیدی صحابہ کے پاس مہمان کی طرح رہے۔ وہ خود ذائقہ کرتے تھے انہیں پیٹ بھر کر کھلاتے تھے۔ کیونکہ آپ نے تاکید فرمادی تھی کہ قیدیوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ایک قیدی کا حسب روایت طبری بیان ہے کہ میں جہاں قید تھا وہاں کا صاحب خانہ عسرت کے باعث خود کھجور پر گزار کرتا تھا اور روٹی مجھے دے دیتا تھا:

دشمن خطیب قیصر میں

بدر کے جنگی قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جس نے جنگ کی آگ بھڑکانے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ یہ اپنی تقریریں میں آپ کے خلاف خوب نہ ہرا گلنا

حضرت عمرؓ نے دائے دی کہ اس کے نیچے کے دو نانت اکھڑا دیئے جائیں تاکہ
خطابت کا جوہر ضائع ہو جائے۔

آپؐ نے فرمایا

اگر میں نے اس کا مثلبہ کیا کوئی عضو بگاڑا، تو نبی ہونے کے باوجود خدا اس کے
بدلے میں میرے ساتھ بھی ایسی کرے گا (طبری)،
بڑا تو میں مساوات

اسیران جنگ کے ساتھ مساوات کا یہ عالم تھا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ بھی
کوئی رعایت نہیں فرمائی جو آپؐ کے چچا تھے وہ بھی اسی طرح بیڑوں میں جکڑے رہے
جس طرح دوسرے قیدی۔ اگرچہ وفور محبت سے آپؐ کا یہ حال تھا کہ ان کی گواہ سننے
کے بعد ہماری بات استراحت نہ فرما سکے۔

قدیہ کی شرح

قدیہ کی شرح یہ تھی۔

۱۔ عام لوگوں سے چار چار ہزار روپے تم فی کس
۲۔ دولت مندوں سے زیادہ۔ چنانچہ حضرت عباسؓ سے بھی زیادہ رقم
لی گئی جو دولت مند تھے۔

۳۔ جن کے پاس نہ روپیہ تھا۔ لیکن علم تھا ان کا قدیہ یہ تھا کہ ہر پاپا۔ کہ بڑے
بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

۴۔ جن کے پاس نہ روپیہ تھا۔ نہ علم انہیں بغیر کسی شرط کے رہا کر دیا گیا۔
صلی اللہ علیہ وسلم

ایک آدمی بھی غلام نہیں بنایا گیا۔

رسولؐ کی بددعا

غزوہ اہد جنگ بدر کے بعد تاریخ اسلام کا بہت ہی بڑا محاربہ ہے۔ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے کفار کھنگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ ان کے شعرا نے روح پرورد اور وجد اور اشعار کہہ کر سارے قبائل میں آگ لگادی۔ ان کی عورتوں نے طعنے دے کر اپنے مردوں کے سینے پھیلنی کر دیئے۔ ان کے دو نمندوں نے اپنی قبیلوں کے منہ کھول دیئے۔ عام چندہ کیا گیا۔ اور اس چندہ میں نشامی تجارت کا منافع الگ سے شمال تھا جو چچا میں ہزار منتقال سونے اور ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ قریش نے جو لشکر گراں فرما کر کیا۔ اس کی تعداد پانچ ہزار نفوس تھی۔ اس میں تین ہزار شتر سوار، دو سو سپہ سوار اور سات سو زہرہ پوش پیادے شامل تھے۔ کوہ اہد تمام جنگ قرار پایا۔ اسلامی لشکر صرف سات سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ یہ بڑی ہی ہولناک اور لرزہ خیز جنگ تھی۔ اس میں خود سرور کائنات صبحی زحی ہوئے۔ اس جنگ میں کبھی کفار کے کئی بڑے بڑے لوگ ہلاک ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کے بھی کئی سردار تیار جنہاں ہوئے۔ مثلاً امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کھمسان کا ان پر پڑا۔ مسلمان بہت کم تھے اور کافر بہت زیادہ۔ لیکن بالآخر فتح مسلمانوں کے حصہ میں آئی۔ کافروں کا لشکر شکست یاب ہوا۔ اس جنگ میں ایسے مرحلے بھی آئے جب مسلمانوں کی شکست یقینی ہو گئی۔ آنحضرتؐ کی شہادت کا لوگوں نے یقین کر لیا تھا۔ لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، ابو جہانہ رضی اللہ عنہ اور حنظلہ رضی اللہ عنہ کی پہاڑی نے اکھڑے ہوئے قدم جما دیئے۔ ہاری ہوئی بانڈی جتاوی مسلمان پروانہ وار سمجھ نبوت پر فرمان ہوئے لگے۔ ان جہان دینے والوں میں انس بن نصر رضی اللہ عنہ، سعد بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عمارہ بن زبیر نے جس شان سے جان دی۔ وہ قیامت تک ہر مسلمان کے لئے موجب ناز اور باعث فخر ہے۔

اس جنگ میں آپ سے استدعا کی گئی کہ آپ کفار کے لئے بددعا فرمائیں

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا

ان فی لہ العتہ لعلنا ناولکون بعثت

داعیا ورسختہ اللہم اھد قومی

فانہم لا یعلمون

میں لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں۔

میں داعی حق و رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، بار اہل

میری قوم کو ہدایت فرما، کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔

بغیر فدیہ کے رہائی

شہر میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا۔ قریش نے بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو

مصطلق کو بھڑکا کر مسلمانوں پر حملہ کرایا۔ لیکن یہ لوگ جس چوش و غروش سے لڑتے

آتے تھے، اسی نشان سے شکست کھائی۔ تقریباً چھ سو آدمی گرفتار ہوئے۔ اور سب

کے سب رہا کر دیئے گئے کسی سے فدیہ بھی نہیں لیا گیا۔

حملہ آوروں کی رہائی

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں کوفہ تہجم سے اتر کر کافروں کے ایک دستہ نے خلافت عہد

مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ستر آدمی گرفتار کئے گئے لیکن آپ نے سب کو رہا کر دیا۔ ان

سے بھی کسی طرح کا فدیہ نہیں لیا گیا۔

ابوسفیان کی چشم نہامت

شہ

اب کہ فتح ہوتا ہے۔

یہ تاریخ اسلام کا بے انتہا شہادت دار کار نامہ ہے

کفار کو بار بار یہ بیان سن سکتی کر رہے تھے۔ عہد کی ان کی نظر میں کوئی وقت نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر لیا کہ اگر یہ کفار کسی طرح بھی پاس عہد نہیں کرتے تو اب وقت

آ گیا ہے کہ فیصلہ لیا جائے۔ اور اس فیصلہ کی محرک مسلمانوں کی منطومی

اور بے بسی تھی جو ایک عقیقت لیکن کافر قبیلہ خزاعہ کی منطومی اور بے بسی تھی۔

ہر ہجوم پر الگ الگ سزا دی جاتی۔ رسول اللہ نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ
مزاج شناس رسول تھے۔ انہوں نے وہ الفاظ نہرائے جو یوسفؑ کے خطا کار
بھائیوں نے کہے تھے

تَمَاءُ اللَّهِ لَقَدْ أَشْرَكَ اللَّهُ عِلْمَ إِبْرَاهِيمَ كَمَا نَحْنُ الْخَاطِئِينَ

قرآن کے یہ الفاظ سن کر وہ یاتے عشق و کرم جو شہسپ میں آیا آپ نے اس کی
خطائیں بخش دیں۔ خلافت توفیقِ رحمت اور عشق کا یہ رنگ دیکھ کر ابو سعید ان اپنے
عذبات پر قابو نہ رکھ سکا بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

هَدَانِي هَادٍ غَيْرِ نَفْسِي وَ وُلَّتِي

إِلَى اللَّهِ مِنْ طَرَفٍ تَكْمَلُ مَطْرَفٍ

یعنی "مجھے اسی ہادی نے سیدھا راستہ دکھایا۔ جیسے میں نے پوری طرح چھوڑ
دیا تھا"

یہ سن کر آپ نے فرمایا

"ہاں تم نے تو مجھے چھوڑ ہی دیا تھا"

پھر آپ نے حکم دیا کہ ابو سعید ان کا گھر دارالامن ہے۔ جو خطا کار اس کے

گھر میں پناہ لے گا وہ ہرگز یہ وہاں نہیں سے محفوظ رہے گا۔

اس طرح ابو سعید ان کی چشم برداشت نے وہ کچھ پانیاں ہمیں کا وہ تصویر بھی

نہیں کر سکتا تھا۔

فَاتِحُ فُوجٍ كَوْهَدِ أَيْتٍ

اب لشکرِ اسلام آگے بڑھا۔ ابو سعید ان اس لشکر کا جاہِ دجلال دیکھ کر ہاتھ اٹھا

سہ سیرت ابن ہشام

- اور عرق عرق ہو رہا تھا۔ آپ نے فوج کو ہدایت فرمائی کہ
- ۱۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو جائے اس سے تعرض نہ کیا جائے
 - ۲۔ جو اپنے گھر کے اندر بیٹھا رہے۔ اس پر تلوار نہ چلائی جائے۔
 - ۳۔ جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ گزین ہو وہ بھی بری ہے
 - ۴۔ جو بھاگ رہا ہو اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔
 - ۵۔ جو زخمی ہو۔ اس کی جان نہ لی جائے
 - ۶۔ جو گرفتار ہو چکا ہو۔ اسے نہ مارا جائے ؟
- سلوک اور صلہ کا دن

اسلام کا لشکر مکہ میں داخل ہو گیا۔ یہ وہی مکہ ہے جہاں سے آنحضرتؐ اور مسلمان ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے آپؐ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اور کلید بدار کعبہ عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا۔ یہ وہی ابن طلحہ ہے۔ کہ تم خانہ اسلام میں ایک مرتبہ آپؐ نے آل سے بیٹا اللہ کھولنے کی استدعا کی تھی۔ اور اس پر کئی نعت نے عقائد کے ساتھ استدعا کر دی تھی۔ اور رسول اللہؐ نے فرمایا

”ایک روز یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا وہں جاؤں گا“

اور عثمان بن طلحہ نے چوہا کر جو اب دیا تھا۔

کیا اس دن قریش کے تمام مرد و عورتیں اور بچے ہلکے ہوئے گئے؟

آج وہی عثمان بن طلحہ رسول اللہؐ کے سامنے موجود تھا۔ اسے اپنے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے۔ اور وہ انجام کے ڈر سے لرزاں پڑ گیا تھا۔ کہ اس کے کانوں میں رسول اللہؐ کی آواز گونجی

سے میرت ابن ہشام

اليوم يوم البدر والزفا
آج کا دن سولہ کرنے اور صلہ دینے کا دن ہے۔

پھر کلید کعبہ عثمان کو رحمت فرمائی اور کہا

یہ جی جو تم سے چھینے گا۔ وہ ظالم ہو گا۔

”تم آزاد ہو!“

کہ کے تمام کفار اور مشرکین جمع تھے اور یہ سب بڑے پرالے پانی تھے۔

انہوں نے کیسی کیسی ہونناک اور لرزہ خیز باتیں مسلمانوں کو بولی تھیں۔ انہیں
علتی ہوئی ریت پر لٹایا تھا۔ ان کے سینوں پر گرم گرم نیشن رکھے تھے۔ ہجرت کے
وقت ان کے معصوم اور خورد و سال بچوں کو چھین لیا تھا۔ ان کی جائداد اور اہلک
پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے گھروں اور کھیتوں کو غصب کر کے قابض اور متصرف ہو گئے
تھے۔ انہیں زخمی کیا تھا، قتل کیا تھا، ان کی توہین کی تھی۔

کیونکہ ممکن تھا کہ اب قبضہ میں آنے کے بعد یہ بیچ جاتے۔ اور کھین کر دیا کہ

پہنچتے؛

یہ سب اپنی زندگی سے باہوس اور دل گرفتہ بیٹھے تھے۔ اور دنیا کا سب سے

بڑا فاتح اور کشور کشان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے جو کچھ کہا معلوم ہے

وہ کیا تھا؟ اس نے ان سہمے ہوئے دیکھے ہوئے لوگوں پر نظر ڈالی اور کہا

لاستریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم
الطلقاء

آزاد ہو۔

یہ سنتے ہی جن پہرہوں پر مروئی جھانسی تھی۔ وہ پھول کی طرح کھل گئے۔ جو

زندگی سے باہوس تھے۔ انہیں زندگی واپس مل گئی۔

سہ طہقات ابن سعد جو دستانی

ہندہ کی جان بخشی

حرمہ للعالمین کا یہ سلوک تو تھا۔ نیکو کے عام لوگوں کے ساتھ اب ان
خوہوں پر ایک نظر ڈالئے جن میں سے ہر ایک اتنا بڑا مجرم تھا کہ اگر ہزار ہزار مرتبہ بھی
اس کی جان لی جاتی تب بھی اس کا دامن خونِ ناحق بربریت اور ورنہ کی کے دھبوں
سے صاف نہ ہوتا۔

اب سفیان کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اب اس کی بیوی ہندہ کا تذکرہ

منقول ہے۔

یہ وہ عورت ہے جو امیر معاویہ کی ماں، ابوسفیان کی بیوی اور سردار عرب
عقبہ کی بیٹی ہے لیکن کسی میں مجال نہیں کہ اس کی سفارش کر سکے۔ اس کے جرائم
پکار پکار کر سنرا کا مٹا لہ کر رہے ہیں۔ اس نے رسول اللہ کے محبوب چچا امیر حمزہؓ
کو شہید کر دیا تھا۔ اور جوشِ عداوت میں ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔
ان اسحاق کہتے ہیں۔ ہندہ بنت عقبہ اور عورتوں کو ساتھ لے کر صحابہ کرام کی
لاشوں کے پاس آئی۔ ایران کے ناک کان کلٹے شروع کئے۔ یہاں
تک کہ ہندہ نے ان کاٹوں اور ناکوں کے بار بنا کر اپنے گلے میں پہنے اور اپنا سارا
تیل اور آنا کر وحشی جمیرین مطعم کے غلام کو حضرت حمزہؓ کے شہید کرنے کے انعام
میں دیا۔ اور حضرت حمزہؓ کے جگر مبارک کو نکال کر اس نے اپنے منہ میں لے کر چبا دیا۔
مگر اس کو نگل نہ سکی۔ تب اس کو اگل دیا۔ اور پھر ایک اونچے پتھر پر چرھی۔ اور پکار کر
چند اشعار مسلمانوں کی ہجو میں پڑھے مسلمانوں میں سے ایک عورت ہندہ بنت
اناشیہ اس کو ندان شکن جواب دیا اور مشرکین کی ہجو اشعار میں بیان کی کہ

ابیرت ابن ہشام حیدر اول

کیا ایسی بیہ کار عورت کی بھی جان بخشی ہو سکتی تھی؟ ————— ہاں صرف
رحمتہ للعالمین کے دربار میں۔

چنانچہ تار ریج کے اوراق میں یہ واقعہ محفوظ ہے کہ اسے کوئی معمولی سے
معمولی سزا بھی نہیں دی گئی!

روٹھا ہوا دشمن

عقوال بن امیہ قریش کا بہت بڑا سردار تھا

فتح مکہ کے بعد اسے اپنا نامہ اعمال یاد آیا۔ ہر ہر جرم موت کا آئینہ دار تھا۔
ٹھہرتے سکا۔ چہرہ بھاگ گیا۔ کہ جان بچا لے۔ آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ ان
کی علامت کے طعنے پر آپ ص نے اپنا عمامہ عمیرہؓ کو مرہمت فرمایا۔ کہ وہ جائیں اور
اس روٹھے کو منالائیں جس نے اسلام کے قلع قمع کرنے میں داعی اسلام کو
ابتدائیں پہنچانے میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں
کیا تھا۔

عمیرہؓ گئے۔ اور روٹھے ہوئے دشمن کو منالائے۔ جو خوف و ہراس کے باعث
لڑائی فرسماں گیا تھا۔ وہ فوراً نشاطِ مسرت سے شہم کنال اور غنچہ دال واپس آگیا۔
دشمن کا جان نثار بیٹا

ابو جہل کی شتقاوتیں، شرارتیں اور بداندیشیاں مٹائے نہیں مٹ سکتیں۔
اسی ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ نے اسلام دشمنی میں باپ سے دو قدم آگے۔

اگر پھر تم کو اللہ پر تمام کند

کے مصداق ہمیشہ آنحضرتؐ اور اسلام کے خلاف ہر لویش میں پیش پیش۔ ہر
پتلا میں سب سے آگے ہر سازش میں اتنا پسند

بنو غزاہ کی حمایت میں رسول اللہؐ شکرے کے نکلے جس کے نتیجہ میں فتح مکہ

پرنیزہ مارا تھا۔ وہ گرتیں۔ اور حمل ماقط ہو گیا۔ اور آخر کار اس دنیا سے رخصت ہو گئیں!

ظلم کو چھوڑیے۔ کیا عدل بھی بہار کو معاف کر سکتا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ لیکن یہ عدالت تھی رحمت للعالمین کی۔ بہار نے رحم کی استدعا پیش کی۔ اور وہ رحم کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتا تھا اس نے معاف کر دیا۔ ————— صلے اللہ علیہ وسلم!

ان بغیر کسی شرط کے

کہ کے جن باشندوں کو امن دیا گیا وہ قطعاً بغیر مشروط تھا۔ نہ ان پر حیرانہ عاید کیا گیا۔ نہ ان پر کوئی پابندی لگائی گئی۔ نہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ سب طلقاً تھے یعنی بری شدہ لوگ۔ اباب تارح و میراں پر منفق ہیں کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کو پہلے ہلے ہلے میں جو شکست ہوئی تھی۔ وہ انہی طلقاً کی بزدلی کے باعث ہوئی تھی! ————— یہ اس بری طرح سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے کہ مسلمان اپنا قبضہ و نظر قائم نہ رکھ سکے!

مستغنی نبی کے وہاں ہیں

عبداللہ بن ابی سرح جب پیش گاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ تو اسے بھی بغیر کسی شرط کے معافی مرحمت فرمائی گئی۔

حالانکہ یہ وہ شخص ہے جو کہا کرتا تھا۔ وہ اصل جبریل ابن وحی میرے پاس لائے ہیں۔ میں محمد کو بتا دیتا ہوں۔ وہ مجھ سے سن کر ایسے لکھوادیتے ہیں۔ لہذا اصلی نبی (معاذ اللہ) میں ہوں! :

حزہ رزہ کا قاتل

دحشی خود اپنے بارے میں یایوس تھا۔ وہ جانتا تھا۔ اسے ہلکی سے ہلکی بو سزا

دی جا سکتی ہے۔ وہ موت ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر ڈرتا ڈرتا آیا اور پورا نہ سنبھالے کر چلا گیا۔

یہ وحشی وحشی ہے جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دے کر شہید کیا تھا۔ پھر ان کی لاش کو بے حرمت کیا تھا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی محبت و الفت کا یہ عالم تھا۔ کہ جب انصاری کی عورتیں اپنے شہید اعزہ کا نام کرنے لگیں۔ تو آپ نے حسرت و اندوہ کے لہجے میں ارشاد فرمایا

”اور حمزہ پر دوئے والا کوئی نہیں!“

یہ وحشی وحشی تھا۔ جس نے حمزہ کو قتل کیا تھا۔ — دھوکہ دے کر اور پھر ان کی لاش بھی بگاڑ دی تھی — خود اپنی کہانی بیان کرتا ہے۔

وحشی جبیر بن مطعم کا غلام کہتا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے اپنا رگڑا قتل کیا۔ اور پورا اپنی تلوار سے لوگوں کو زخمی کر رہے تھے میں نے اپنے حربہ کو گردش دی۔ اور جب مجھ کو پورا اطمینان ہو گیا۔ تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف میں نے اس کو رہا کیا۔ وہ بیدھا جا کر ان کے زیر ناک لگا۔ اور دونوں ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر گر پڑا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ گرونا گرو پڑے۔ میں ٹھہرا ہوا۔ آخر جب وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ میں نے اپنا حربہ ان کے پاس بھا کر اٹھایا۔ اور خمیہ میں آن کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اب میری ضرورت نہ تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ جب قرین عمرو بن ابیہ صغری سے روایت ہے۔ کہ میں اور عبید اللہ بن عدی بن جبار معاویہ کے زمانہ حکومت میں شام کے شہر حمص میں گئے۔ وحشی جبیر بن مطعم کا آزاد غلام بھی یہیں رہتا تھا۔ جب ہم اس شہر میں آئے۔ تو عبید اللہ

لہ ایک طرح کا پھل در آلہ بخجری طرح ہوتا ہے

بن عدی نے مجھ سے کہا کہ چنود حششی سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ دریافت کریں۔ میں نے کہا اچھا چلو ہم دونوں حششی سے ملنے روانہ ہوئے۔ اور لوگوں سے اس کا پتہ پوچھنا شروع کیا۔ ایک شخص نے کہا یہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا ہوگا۔ یہ دونوں شخص نے کہتے ہیں۔ ہم حششی کے مکان پر پہنچے۔ اور ہم نے دیکھا کہ ایک بڑھا غالیچہ پر بیٹھا ہے۔ ہم نے جا کر سلام کیا۔ اس نے جواب دیا اور عبید اللہ بن عدی سے کہا کہ تو عدی بن خیار کا بیٹا ہے۔ عبید اللہ نے کہا ہاں۔ حششی نے کہا ایک دفعہ جب تو اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا۔ تب میں نے تجھ کو تیری ماں سعدیہ کے ساتھ اونٹ پر سوار کیا تھا۔ اور تیرے پیر میں نے اس وقت غور سے دیکھے تھے۔ پس انہی کو دیکھ کر اب میں نے تجھ کو پہچان لیا۔ عبید اللہ کہتے ہیں ہم حششی کے پاس بیٹھے تھے۔ اور ہم نے کہا ہمس تمہارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ سنیں۔ کہ تم نے ان کو کیوں شہید کیا حششی نے کہا ہاں یہ واقعہ میں تم سے اس طرح بیان کروں گا۔ کہ جس طرح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ اور پھر حششی نے وہی واقعہ جو اوپر مذکور ہوا۔ ان دونوں کے سامنے بیان کیا۔ پھر کہنے لگا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے میں مکہ میں آیا۔ اور میرے آقا جبریل نے مطلع کرنے موافق شرط کے مجھ کو آزاد کر دیا۔ میں مکہ میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضور نے کہ بھی فتح کر لیا۔ میں طائف میں بھاگ گیا۔ پھر جب حضور نے طائف فتح کیا۔ اور وہاں کے سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ میں پریشان ہوا۔ کہ اب میں کیا کروں کبھی خیال کیا تھا۔ کہ ملک شام کی طرف بھاگ جاؤں کبھی یمن کی طرف جانے کا خیال کرتا تھا۔ آخر اس فکر میں تھا۔ کہ مجھ سے ایک شخص نے کہا تجھ کو خرابی ہو۔ حضور کی خدمت میں جا کر مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ قسم ہے خدا کی جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے۔ حضور اس سے کچھ نہیں فرماتے۔ میں یہ سن کر حضور کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا۔ اور حضور کے پاس پشت کھڑے ہو کر

کلمہ شہادت پڑھنے لگا جب حضور نے مجھ کو دیکھا فرمایا کیا جنتی ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں کہا بیٹھ جاؤ۔ اور بیان کر کہ تو نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیوں کہ شہید کیا تھا میں نے اسی طرح حضور کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ جیسا کہ تم دونوں کے سامنے بیان کیا۔ جب میں بیان کر چکا حضور نے فرمایا تجھ کو خرابی ہو۔ اب مجھ کو اپنا منہ نہ دکھانا اب میں جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ تو حضور کی پشت کی طرف بیٹھ جاتا تھا تاکہ مجھ کو نہ دیکھیں۔ یہ بیان تک کہ آپ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب پر فوج کشی کی میں بھی اس فوج کے ساتھ ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگوں لشکروں میں جنگ متاثر ہوئی۔ تو میں نے دیکھا کہ مسیلمہ کذاب تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑا ہے۔ میں نے اپنا وہی حربہ جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ مسیلمہ کذاب کے سامنے گردش دینا شروع کیا۔ اور جب وہ پوری گردش کھا چکا۔ اس وقت اس کو میں نے مسیلمہ کی طرف رہا کیا۔ اور صر سے میں نے یہ حربہ اس کی طرف چھوڑا۔ اور دوسری طرف سے ایک لشکر میں نے دوڑ کر مسیلمہ کے تلوار ماری۔ اب خدا کو علم ہے۔ کہ ہم دونوں کے حربوں میں سے کس کے حربہ نے انہیں قتل کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے اور آپ یامہ کی جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ ایک شخص پکار کر کہہ رہا تھا۔ مسیلمہ کو جنتی سے قتل کیا ہے۔

متروکہ جائداد

مگر سے مسلمانوں نے جب ہجرت کی۔ تو ان کی تمام چیزوں پر جنتی کہ رہنے کے مکانات تک پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا۔ اب فتح مکہ کے بعد ہی مسلمان واپس آئے۔ تو قدرتا اپنی چھٹی ہوئی چیزوں کے

واپس لینے کا جذبہ ان میں پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ سے انتحار کی کہ
سب چیزیں واپس دے دی جائیں۔

بات بالکل جائز تھی۔ عقلاً۔ انہو اَقَاتَنَا نَا اَعْمَلَا کسی طرح بھی یہ مطالبہ تاورست نہ
تھا۔ لیکن رحمت عظیمہ کی طبیعت نے اسے گوارا نہ کیا۔ کہ طلقاً کو پچھلے تمام جہاد سے
آزاد کر دینے کے بعد ان کے لئے ایک نیا اقتصاد اور معاشرتی مسئلہ پیدا کر دیا جائے
لہذا آپ ﷺ نے کفار کا قبضہ بحال رکھا۔ اور مسلمانوں کی یہ درخواست رد کر دی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر چلے قید ہاجرین تھے مکہ سے مدینہ میں آگئے۔ سو ان
لوگوں کے جو کفار کی قید میں تھے۔ کوئی پائی نہیں رہا۔ اور بنی منظون، بنی حجاج میں
سے اور بنو حنیس بن رباب بن امیہ کے حلیف تھے۔ اور بنی بکر بنی سعد میں
سے تھے۔ اور بنی عدی کعب کے حلیف تھے۔ یہ لوگ تو معہ اپنے اہل و عیال کے
آگئے۔ اور ان کے مکانات مکہ میں بالکل خالی سنسان پڑے تھے۔ اور بنی حنیس نے
جب ہجرت کی۔ تو ابو سعید بن حرب نے ان کے مکان کو عمرو بن علقمہ کے ہاتھ جو
بنی عامر بن لوی میں سے ایک شخص تھا۔ فروخت کر دیا۔ جب یہ خبر مدینہ میں عبد اللہ
بن حنیس کو ہوئی۔ وہ انہوں سے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عبد اللہ۔ کیا تو
اس بات سے راضی نہیں ہے کہ خدا تجھ کو اس کے بسے جنت میں ایک محل عنایت
کر دے۔ عبد اللہ نے عرض کیا ہاں میں راضی ہوں۔ فرمایا میں وہ محل نیرے واسطے
ہے۔ راوی کہتا ہے جب مکہ فتح ہوا۔ تو ابو احمد نے حضور ﷺ سے اپنے مکان کی نسبت
عرض کیا۔ جسے ابو سعید بن حرب نے فروخت کر دیا۔ آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا۔ لوگوں نے
کہا اسے ابو احمد! آپ ﷺ ان چیزوں کی نسبت جو کفار کے تصرف میں چلی گئی ہیں۔ کلام
کرنا پسند نہیں فرماتے۔ پس ابو احمد بھی خاموش ہو رہے۔

سند میرت ابن ہشام حصہ اول

یعنی جو کچھ کفار نے لے لیا۔ وہ ان سے چھینا نہیں جاسکتا۔ ان کا ہو گیا۔ اس طرح
مسلمانوں کو بھی ایک سبق دینا مقصود تھا۔ کہ جو کچھ وہ اللہ کے لئے کھینچے ہیں۔ اب دوبارہ
اس پر لپچاتی ہوئی نظریں نہ ڈالیں :

چھ ہزار جنگی قیدی

۹۰ھ میں یعنی فتح مکہ سے ایک سال بعد جنگ حنین برپا ہوئی۔ یہ جنگ ان
قبائل عرب نے بڑی تیاریوں کے ساتھ چھیڑی تھی۔ جو کہ سے دور اور اسلام سے نفور
تھے۔ اور اسلام کے غلبہ سے اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہو رہے تھے۔

پہلے ہی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس لئے کہ خلفا اور منافقین پامردی سے
شریک جنگ نہ ہو سکے بھاگ کھڑے ہوئے یقیناً مسلمان اس افراتفری کے باعث
بکلی شکست کھا جاتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پانسہ پٹا دیا۔ اور کفار کو
اتنی بڑی شکست ہوئی کہ ان کے امیران جنگ کی تعداد چھ ہزار سے متجاوز تھی۔

ان جنگی قیدیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی شہما بھی تھیں۔
یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن!

یہ جب گرفتار کی جانے لگیں تو کہا

”تم اپنے پیغمبر کی بہن کو گرفتار کرتے ہو؟“

تصدیق کے لئے آپ کے سامنے لائی گئیں۔ تو ثبوت کے لئے اپنی پیٹھ کھولی۔ اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

”ایک دفعہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دانت سے کاٹا تھا یہ اسی کا نشان ہے“

یہ کیفیت دیکھ کر قرظِ محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان کے

بیٹھنے کے لئے روئے مبارک بچھائی۔ محبت بھری باتیں کہیں۔ اونٹوں اور بکریوں کا تحفہ

دیا۔ پھر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

نبی سعد کے لوگ کہتے ہیں حضور ص نے شیبہ کو ایک غلام مکحول نامی اور ایک لونڈی بھی
 دی اور آپس میں ان دونوں کی شادی بھی کرادی تھی۔ اور ان کی نسل اب تک باقی ہے۔
 اور پھر چھ ہزار کے چھ ہزار قیدیوں کو نہ صرف یہ کہ بخیر کسی شرط کے رہا کر دیا۔ بلکہ جن
 لوگوں نے اپنے قیدیوں کو قیدیہ لئے بخیر نہ رہا کرنا چاہا ان کا قیدیہ اپنے پاس سے عطا فرمایا۔
 متعدد اسیران جنگ کو انعام اور خلعت سے سرفراز کیا۔

یہ اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ عہد رسالت کے بعد حلقائے راشدین کے دور میں ایک
 مثال بھی اس کی نہیں ملتی کہ جنگ آزمائوں یا مقتولوں میں سے کسی کو لونڈی یا غلام بنایا
 گیا ہو یا کسی سے نادران جنگ وصول کیا گیا ہو۔

کتوں کا خون بہا

ایک واقعہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے خاص طور پر غور طلب ہے
 کہ فتح ہونے کے بعد متعدد مواقع پر مختلف گروہ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے
 قبائل کی طرف روانہ کئے جن لوگوں کو آپ نے تبلیغ کے لئے روانہ کرتے تھے انہیں تاکید فرمادی
 تھی کہ صرف تبلیغ سے سروکار رکھیں۔ قتال و خون ریزی کے ترکب نہ ہوں۔ جیسا کہ
 سراپا کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کی پابندی و حدود و کار کی صراحت کرتے ہوئے طبری نے
 بتایا ہے کہ رسول اللہ نے ان کو

تدعوا الی اللہ عنہ و جیل و لہم
 خدا کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا،
 یا مرہم بالقتال قتال و خون ریزی کے لئے نہیں۔

ایک مرتبہ اسی طرح کا ایک گروہ جو تیس آدمیوں پر مشتمل تھا حضرت خالد کی
 سرکردگی میں نجد میں بھیجا گیا۔ یہ بھی انہی پابندیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ لیکن حضرت

عہد بیت ابن ہشام حنفہ دم

خالد کسی بات پر الجھ گئے۔ اور نوبت خون ریزی تک پہنچ گئی۔ اس حادثہ کی جب آپؐ کو اطلاع ہوئی تو نہایت منہموم ہوئے۔ آپؐ نے کعبہ مکہ کی طرف منہ کر کے فرمایا:

بار اہلہا۔۔۔۔۔ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں!

ان الفاظ کی تین مرتبہ آپؐ نے تکرار فرمائی۔ پھر حضرت علیؑ نے کوروا نہ کیا۔ جنہوں نے آپؐ کی ہدایت کے مطابق نہ صرف مقتولین کا بلکہ ان کے کتوں تک کا خون بہا اور کیا اور مزید رقم بھی تلافی کے طور پر دی سہ حالانکہ اہل جزیہ مجبور محض تھے۔ کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔

اس واقعہ کی مزید تفصیل:-

رومی کہتا ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا۔ کہ غلی تم جا کر اس قوم کے مقدمہ میں نظر کرو۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ بہت سماں لے کر اس قوم کے پاس آئے۔ وہیں قد لوگ اس قوم کے خالد نے قتل کیے تھے۔ ان سب کا خون بہا دیا۔ اور تمام مال جو خالد نے لوٹا تھا سب واپس کر دیا۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی باقی نہ رکھی۔ سب ادا کر چکنے کے باوجود حضرت علیؑ کے پاس کچھ مال نہ بچ گیا۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اگر تمہارا کوئی مال اور خون بہا باقی ہو تو اس کے بدلے میں یہ مال سے لو۔ قوم نے کہا۔ ہمارا اب کچھ باقی نہیں ہے۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مگر یہ مال نہیں تمہیں لوگوں کو دے دیتا ہوں۔ شاید تمہارا ایسا خون یا مال رہا گیا ہو جس کی رقم کو ضرور نہ ہم کو پس یہ مال کے معاوضہ میں سمجھو۔ اور پھر حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی خدمت میں آکر اپنی کارروائی عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا تم نے بہت اچھا اور درست کیا۔ اور پھر قبلہ رو کھڑے ہوئے۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کی۔ کہ اے خدا میں خالد کی حرکت سے تیری بارگاہ میں اپنی بریت ظاہر کرتا ہوں۔ تین بار یہی فرمایا۔

سہ طبری، سیرت ابن ہشام، حصہ دوم

حاکم طائی کا بیٹا اور بیٹی

یمن کے قبیلہ طے نے رفسدہ میں بغاوت کی، امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
 باغیوں کی سرکوبی کی اور گرفتار شدگان کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ ان قیدیوں میں حاکم طائی
 کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی سخاوت اور بدل و عطا کی داستان سرائی کرنے
 کے بعد اپنے لئے رعایت چاہی۔

آپ نے حاکم کے بارے میں فرمایا۔

”ہاں اس میں مومنوں کے سے صفات تھے“

پھر حاکم کی لڑائی کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، صبح متعلقین کے اسے رہا کر دیا۔ نیزہ اور راہ
 اور لباس بھی مرحمت فرمایا۔

قبیلہ عطف کی بغاوت اور اس کے شور و شر کا بانی مہابی حاکم کا بیٹا عدی تھا۔
 وہ بھاگ کر شام چلا گیا تھا۔ بہن اس کے پاس شام پہنچی۔ اور آنحضرت ﷺ کے صفات
 و رحم و کرم بیان کئے۔ وہ اتنا متاثر ہوا کہ مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔

بابرکت جویریہ

حضرت جویریہ غزوہ بنی مصلح میں کس طرح گرفتار ہوئیں؟ بنی مصلح کے بہت
 سے آدمی کیوں کر اسیر جنگ ہوئے؟ اور پھر ان سب کی رہائی ایک بیک بخیر کسی نے کیا کی؟
 بخیر کسی فدیہ کے بخیر کسی رستم کے کیوں کر عمل میں آگئی یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اور اسے
 ہم تادمہ رخ کی زبان سے سنیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے قیدیوں کو تقسیم فرمایا۔ تو
 جویریہ بن حراث ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔ اور انہوں نے کتابت

ملہ جویریہ کے کیا کہتی رقم سے دین تو میں آزاد ہوں۔

کر لی۔ جو یہ آپ ص کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں جو یہ حرات کی بیٹی ہوں۔ جو اپنی قوم کا سردار تھا۔ اور جو معصیت مجھ کو پہنچی ہے۔ وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی تھی میں نے اس سے کتابت کر لی ہے اور اب میں آپ کی خدمت میں اس لئے آئی ہوں۔ کہ آپ میری مال کتابت اور اکیرنے میں امداد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے بہتر بات کی بھی تمہیں ضرورت ہے؟ جو یہ نے عرض کیا وہ کیا بات ہے؟ فرمایا وہ بات یہ ہے میں تمہارا مال کتابت ادا کرو تا ہوں تم مجھ سے شادی کرو۔ جو یہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے منظور ہے۔ جب یہ خبر لوگوں میں شائع ہوئی۔ کہ آپ نے جو یہ بنت حرات سے شادی فرمائی ہے۔ لوگوں نے اس رشتہ کے سبب بنی مصطلق کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ اور آپ ص کے شادی فرمانے سے اسی روز ایک سو آدمی قید سے آزاد ہو گئے۔ راوی کہتا ہے۔ میرے نزدیک جو یہ سے بڑھ کر کوئی عورت اپنی قوم کے واسطے بابرکت نہیں تھی۔

ابوسفیان کی عورت، افزائی

حضرت عباس رضی اللہ عنہم نے فتح مکہ کے وقت عرض کیا یا رسول اللہ ابوسفیان فخر پسند ہے۔ اس کے لئے کچھ ایسا کر دیں کہ اس کا فخر قائم رہے۔ آپ نے فرمایا

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا۔ اسے امن ہے۔

جو اپنا دروازہ بند کرے گا۔ اسے امن ہے۔

جو مسجد حرام میں داخل ہوگا۔ اسے امن ہے۔

مشرک کا خون بہا

فتح مکہ کے دوسرے روز ابن اثوخ نکہ میں لوگوں کا حال دریافت کرنے آیا

ابو بکر بن ہشام حصہ دوم سے بیعت ابن ہشام حصہ دوم

اور اس وقت تک یہ مشرک ہی تھا۔ بنی خزاعہ نے اس کو پہچان کر چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہا احمد کا قاتل تو ہی ہے۔ اس نے کہا ہاں میں ہی ہوں، پھر اتنے میں خراش بن امیہ تلوار لئے ہوئے آئے اور اس کو قتل کر دیا۔ جب حضور کو یہ خبر پہنچی فرمایا اسے خزاعہ اب تم قتل سے اپنے ہاتھ روک لو کیونکہ بہت لوگ قتل ہو چکے ہیں اور اب تم نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا مجھ کو خون بہا دینا پڑے گا سہ

ان دنوں کے بعد مشرک کے قتل کا خون بہا بھی رخصتہ للعالمین نے دیا۔ یہ دعا اسی کی پہلی اور آخری مثال ہے۔

مفرد مجسم کی جان بخشی

سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ یوم الفتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی سرح فرثنا ابن الزبیری اور ابن خطل کے قتل کا حکم دیا۔ انصاریوں سے ایک شخص تھے جنہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر ابن ابی سرح کو دیکھیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔ عثمان آئے۔ ابن ابی سرح ان کا رفاعی بھائی تھا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی۔ حالانکہ وہ انصاری تلوار کا قبضہ کپڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے کہ جب آپ اشارہ کریں تو وہ اسے قتل کر دیں۔ عثمان رض نے اس کی سفارش کی۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سے کہا کہ تم نے اپنی نذر کیوں نہ پوری کی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا ہاتھ تلوار پر رکھ کر منتظر تھا کہ جب آپ اشارہ فرمائیں گے تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشارہ کرنا جیانت ہے بنی کو یہ مناسب نہیں کہ وہ اشارہ کرے سہ

سہ سیرت ابن ہشام حصہ دوم سہ طبقات ابن سعد جزد ثانی

مزید توضیح:

انہی لوگوں میں سے ایک شخص عبد اللہ بن سعد عاصری تھا۔ اس کے قتل کرنے کا حکم آپ ص نے اس سبب سے دیا تھا کہ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا اور جی لکھا کرتا تھا پھر مرتد ہو کر تشریش سے آگیا اور اب فتح مکہ کے بعد حضرت عثمان رض کے پاس جا چھپا کیونکہ ان کا رضاشی بھائی تھا یہاں تک کہ جب مکہ میں اطمینان ہو گیا تو حضرت عثمان رض اس کو لے کر خدمت نبوی میں آئے۔ آپ بہت دیر تک خاموش رہے۔ اور جب عثمان رض نے اصرار کیا تو فرمایا: ہاں سہ

یعنی اسے بھی پروانہ امن عطا فرمادیا۔

فتح مکہ کا اصل محرک، مشرکِ علیف کی بددعا

اس حقیقت پر شاید بہت کم لوگوں کی نظر ہوگی۔ کہ فتح مکہ کا اصل محرک حضرت ع کا وہ پاس ٹھہرنا تھا جو آپ ص نے مشرکِ قبیلہ خزاعہ سے کیا تھا۔ اگر بنو بکر خزاعہ پر یورش نہ کرتے۔ اور تشریش نہ نکلتا تو ہمدونہ کی بددعا نہ ہوتے۔ تو شاید فتح مکہ اس قدر جلد عمل میں نہ آتی۔ تشریش کا جہاں تھا کہ آنحضرت ص مشرکِ علیف کے لئے مسلمانوں کی جان قربان نہیں کریں گے لیکن جب معلوم ہوا۔ آنحضرت ص خزاعہ کی حمایت میں جہاد کرنے کو تیار نہیں تو وہ گھبراہٹ سے اندر بے سفیان کو بھیجا کہ نجد میں صلح ہو جائے مگر وہ نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ میان شکنوں پر بار بار اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس تاہیخی دفعہ کی دلچسپ تاہیخی تفصیل یہ ہے۔

راوی کہتا ہے بنی خزاعہ اور بنی بکر آپس کے جنگڑوں میں گرفتار تھے۔ کہ اسلام نے شایع ہو کر سب کو اپنی طرف منوجھ کر لیا۔ اور قبائل کے باہمی فساد کم ہو گئے۔ حدیث میں

سہ میرت ابن شام حبہ دوم

کی صلح ہوئی۔ اور اس میں یہ بھی ایک شرط لکھی گئی کہ جس کا جی چاہے۔ وہ آپ کے عہد میں داخل ہو۔ اور جس کا جی چاہے وہ قریش کے عہد میں داخل ہو۔ پس بنی خزاعہ آپ کے عہد میں داخل ہوئے اور بنی بکر قریش کے عہد میں داخل ہوئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنی دیل نے اس صلح کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ بنی اسود کے ان لوگوں کا جو بکر نے قتل کئے تھے قصاص لیں پس نوفل بن معاویہ وہابی جو بنی دیل کا سردار تھا بنی دیم کو ساتھ لے کر بنی خزاعہ کے ایک چشمہ پر جس کو ذبیر کہتے ہیں پہنچا اور خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا بنی خزاعہ بھی ان سے لڑنے کو تیار ہوئے۔ اور وہ نول قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی۔ قریش نے ہتھیار وغیرہ سامان سے بنی بکر کو مدد پہنچائی۔ اور اس کے وقت پوشیدہ ان کی طرف سے جنگ بھی کی یہاں تک کہ سخت زلعہ چھپے ملتے ملتے حرم کے پاس آگئے۔ اس وقت بنی بکر نے اپنے سردار نوفل سے کہا اسے نوفل اب تو ہم حرم میں آگئے جنگ موقوف کرنی چاہیے۔ تم اس سے ڈرا خدا سے ڈر نوفل نے اس وقت ایک سخت کلمہ کہا۔ یعنی کہا اسے بنی بکر اس وقت خدا نہیں ہے تم اپنا بدلہ لے لو۔

اس کی کہتا ہے جس شخص کو انہوں نے چشمہ پر قتل کیا تھا۔ اس کا نام غلبہ تھا۔ اس نے اپنے ساتھی تمیم بن اسد سے کہا کہ اسے تمیم تو بھاگ جا۔ میں ان کے مقابل ہو کر سر جائل گایا یہ مجھ کو چھوڑ دوں گے۔ اور یہ شخص بڑا کمزور تھا۔ چنانچہ یہ تو مقابل ہوا اور مارا گیا۔ اور تمیم وہاں سے بھاگ آیا۔ پھر جب خزاعہ مکہ میں داخل ہوئے تو بدیل بن ورقہ اور ایک اور شخص کے مکان میں جو اس کا جلیف تھا۔ انہوں نے پناہ لی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب بنی بکر اور قریش نے بنی خزاعہ پر اس قدر زیادتی کی اور ان کا قتل و غارت کیا۔ اور آپ کے عہد بھیمان کو لڑا۔ چاہا۔ کیونکہ بنی خزاعہ آپ کے عہد میں داخل تھے۔ نو عمرو بن سالم خزاعی مکہ سے روانہ ہو کر آپ ص کی خدمت میں آیا

آپ اس وقت مسجد میں صحابہ کے درمیان تشریف رکھتے تھے۔ اس نے حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا۔ اور مدد کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا اسے عمر بن سلم تیری مدد کی گئی۔ پھر ایک بادل حضور کو آسمان پر دکھائی دیا۔ فرمایا یہ بادل نبی کعب یعنی خزاندہ کی مدد کے واسطے آیا ہے۔ پھر اس کے بعد خزاندہ کے اور چند لوگ جن میں بیل بن ورقہ بھی تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قریش کے نبی بکر کی مدد کرنے اور خزاندہ پر ظلم و زیادتی کرنے کا سارا حال سنایا۔

ابوسفیان مدینہ آیا۔ اور اپنے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس گیا جو ام المومنین تھیں۔ اور حضور کے خاص بستر پر اس سے بیٹھا چاہا۔ ام المومنین نے بستر کو لپیٹ دیا۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ بیٹی تم اس بستر کو بھی مجھ سے بہتر سمجھتی ہو۔ ام حبیبہ نے فرمایا۔ یہ بستر خاص حضور کا ہے۔ اور میں مناسب نہیں سمجھتی۔ کہ تم ایک مشرک امنا پاک شخص ہو کر اس پر بیٹھو۔ ابوسفیان نے کہا۔ اے بیٹی تو شہر میں نبلا ہو گئی۔ پھر ابوسفیان حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور ان سے کہا۔ کہ تم چل کر میرے واسطے سفارش کرو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ پھر ابوسفیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور ان سے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نیری سفارش کریں قسم ہے خدا کی اگر میرے پاس ایک ترکا بھی ہو گا۔ تب بھی اس کے ساتھ تم لوگوں سے جنگ کریں گا۔

تب ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں تھیں۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام ان کی گود میں بیٹھے تھے۔ ابوسفیان نے کہا۔ اے علی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ رشتہ میں میرے قریبی ہو۔ اور میں ایک حاجت مند ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر میں جیسا آیا ہوں۔ بیباکی کا کام چلا گیا۔ تو بہت ذلیل ہوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے ابوسفیان! ہم ہرگز حضور سے اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتے

پھر وہ حضرت قاطمہ رضی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا اے محمد ص کی صاحبزادی! تم ایسا
 کر سکتی ہو۔ کہ اپنے صاحبزادوں کو حکم دو۔ کہ یہ لوگوں میں پناہ پکار دیں حضرت قاطمہ رضی
 نے فرمایا میرے بچوں کو کب سزاوار ہے کہ وہ پناہ پکار دیں۔ اور بھلا حضور پر کون پناہ
 پکار سکتا ہے!

۸۴۰

استان کا خاتمہ

اسی طرح نہ جانے کتنے کتنے اور کیسے کیسے باغی سرکش اقلتہ جو جنگ آزما،
منافی، دشمن اور بدخواہ اپنی سی سرکشیوں کرنے کے بعد جب کہیں پناہ نہ پاسکے
تو بے قوت و خطر اسی کے پاس پہنچ گئے جس کی خطائیں کی تھیں، جسے ایذا میں
پہنچا کی تھیں۔ جس کا دل دکھایا تھا۔ جس کا تن زخمی کیا تھا۔ اور
اس نے بغیر طاقت کئے، بغیر سرزنش کئے، بغیر کسی شرط کے معاف کر دیا۔

نہ کہیں جہاں ہیں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مہرے جرم ملے سیاہ کو ترے عفو بندہ تو انا ہیں

یہ داستان بڑی طویلانی ہے۔ لیکن اس کی دل کشی کا یہ عالم ہے۔ کہ جی
چاہتا ہے کہتے ہی رہیے فلم کی سیاہی خشک ہو جائے۔ اور اقی کی وسعت
جو اب اسے دے۔ ہاتھ کی طاقت مضحکہ منگول ہو جائے۔ دماغ کی قوت کام نہ دے۔
لیکن یہ داستان جو شروع ہوئی ہے۔ کبھی اور کسی طرح ختم ہونے میں نہ آئے!

انہیں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ

وردق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بجز بیکراں کے لئے

میں اپنے دل کو تو لیتا ہوں۔ تو محسوس کرتا ہوں سفینہ بھی لار جائے گا۔ تھوڑے
جائے گا۔ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن رحمتہ للعالمین کی رحمت عام اور رحمت تمام کی
داستان ختم ہونے میں نہ آئے گی یہ وہ داستان ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے وہ
کہانی ہے جو ختم ہو ہی نہیں سکتی یہ وہ قصہ ہے جسے جتنا جتنا سنتے گا اتنا ہی اتنا
اس کا پھیلاؤ بڑھے گا۔ لہذا بادل تاخیر استہ سے لہیں ختم کرتا ہوں۔
انشاء اللہ اس کتاب کے فقیر حصص میں اسی داستان کے دوسرے ٹکڑے
پیش خدمت کئے جائیں گے:

پیش احمد جعفری

ایڈیٹر ماہنامہ ریاض

آرام پارک روڈ

کراچی

۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء

اسلام اور رواداری

(۱)

مولانا رئیس احمد جعفری ندوی

